نواب صابر علی خاں صاحب صابر

إِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیْن

دیوانِ صابر

معروف بہ

تاریخِ نبات

۱۳۵۴ھ

مصنفہ

شاعرِ نازک خیال شیریں مقال جناب نواب محمد صابر علیخاں صاحب رامپوری و

آف ٹونک نبیرہ حافظ الملک نواب حافظ رحمت خانصاحب بہادر نصیر جنگ والی روہیلکھنڈ نور اللہ مرقدہ

جسے

ملکہ آفاق زمانی بیگم دختر مصنف موصوف نے

خواجہ برقی پریس دہلی میں چھپوایا

اور

پاپولر بک ڈپو امروہہ نے شائع کیا

۱۹۳۶ء

بار اول ایکہزار

قیمت عہ

دیباچہ

شکر ہے اُس خالقِ کون و مکان و خلاقِ زمین و زمان کا جس نے اپنے فضل و کرم سے مجھکو آج وہ مسرت و خوشی عطا فرمائی جس کا ایک مدت سے میرا دل آرزو مند تھا۔ الحمد للہ کہ جناب والد صاحب قبلہ مرحوم و مغفور کے وہ آبدار گوہر جو میری غفلت و جمود کی بنا پر اس وقت تک درجِ صدف میں پنہاں تھے۔ وہ گلہائے رنگیں جو تا ایندم غنچۂ ناشگفتہ کی طرح اپنی ضیا پاشیوں کو طالبانِ دید کی نگاہوں سے چھپائے ہوئے تھے شگفتہ ہو کر گلدستہ کی صورت جلوہ ہائے زیبا دکھا رہے ہیں مجھکو مسرت ہے کہ میری دلی تمنا پوری ہوئی اور میں دیباچہ کی شکل میں والد ماجد مرحوم کے خاندانی حالات و صفات کو اپنے ذاتی علم سے ہدیۂ ناظرین کر رہی۔ میری یہ خواہش تھی اور حتی المقدور اس امر کی کوشاں بھی کہ قبلہ و کعبہ کی اسناد جن سے آپ کی ۶۲ سالہ عمر میں اعزاز پر روشنی پڑ سکے شاملِ دیوان ہو جائیں۔ اس مقصد کے لئے میں نے مرحوم کے صاحبزادے محمد مصطفیٰ علیخاں صاحب (افسر محکمہ پولیس اسٹیشن ٹانڈہ) سے متعدد بار باصرار استدعا کی اور یہ بھی چاہا کہ وہ تقاریظ و تواریخ نیز متفرقات دیوان کی فراہمی میں مجھکو آسانیاں مہیا فرما دیں کیونکہ میں بذاتِ خود مرحوم کے احباب سے اپنی لاعلمی کی بنا پر اس خدمت کی انجام دہی سے معذور و مجبور تھی لیکن افسوس ہے کہ صاحبزادہ صاحب کو نہ معلوم کس مصلحت یا مجبوری کے باعث میری استدعا پر اپنی توجہ کو مبذول نہ فرمایا اور میں والد مرحوم کے احباب کو دیوان کی طباعت سے مطلع نہ کر سکی اور ان کے کلام بلاغت نظام سے دیوان کی زینت دوبالا نہ ہو سکی معافی کی خواستگار ہوں۔

میرا خیال تھا کہ اس دیوان کو جناب منشی محمد فضل صاحب آغا بیکس سنبھلی (مصنف [illegible]) جانشین حضرت فصیح الملک داغ دہلوی کی زیر نگرانی زیورِ طبع سے آراستہ کیا جائے تاکہ اگر کوئی غلطی کاتب یا مصحح سے ہو جائے تو وہ اس کو دور فرما دیں لیکن ع من درچہ خیالیم و فلک درچہ خیال۔ افسوس ابھی دیوان مذکور کی کتابت شروع ہوئی تھی کہ ان کا ۲۰ اگست ۱۹۳۵ء کو بعارضہ درد گردہ دفعتہً انتقال ہو گیا اور میرا یہ خیال بھی عملی جامہ نہ پہن سکا بلکہ خیال ہی رہ گیا۔ آغا صاحب مرحوم کے انتقال سے اس کام کو ناقابلِ [illegible]

نقصان پہنچا کیونکہ خاندان میں کوئی شخص ایسا نہ تھا کہ اس گوہر نایاب کا جوہری بنتا مجبوراً مجلد بغرض کتابت
کاتب کے سپرد کر دیا گیا۔ پشتِ دیوان پر کچھ کلام مصنف مرحوم کے والد ماجد کا جو مجھکو دستیاب ہو سکا بطور
ضمیمہ درج کر دیا گیا ہے۔ افسوس کہ ان کی جوانمرگی نے ان کو اتنی مہلت بھی نہ دی کہ دیوان پر نظر ثانی کرنا تو
درکنار ردیفوں کی تکمیل بھی فرما سکتے اگر ناظرین اس کلام سے لطف اندوز ہوں تو مرحومین کی ارواح
کو کلمہ خیر سے یاد فرمائیں۔ آخر میں میں اُن اصحاب کا شکریہ ادا کرتی ہوں جنھوں نے اپنی فصیح و بلیغ تواریخ
اور تقریظ سے دیوان کو زینت بخشی۔ خصوصاً اہلیہ محترمہ جناب تاج صاحب مرحوم رئیس سنبھل کی تہ دل سے شکر گذار
ہوں جنھوں نے اس حالت رنج و محن میں تقریظ عطا فرما کر میری امداد فرمائی اور دیوان کی ترتیب و طبع و
اشاعت میں آسانیاں پیدا فرمائیں۔ مذکورہ بالا حالات کی بنا پر میں اپنے ذاتی علم اور واقفیت سے مرحوم کے
حالات زندگی سپرد قلم کرتی ہوں جو ہدیہ ناظرین ہیں۔

مصنف مذکور کا سلسلہ نسب پانچویں پشت میں حافظ الملک نواب حافظ رحمت خانصاحب بہادر نصیر جنگ
والئی روہیلکھنڈ سے اس طرح ملتا ہے کہ نواب صابر علی خان صاحب بہادر ابن نواب محمد مختار علی خانصاحب بہادر ابن
نواب محمد ضیاء الدین صاحب بہادر ابن نواب محمد اکبر خان صاحب بہادر ابن حافظ الملک حافظ رحمت خانصاحب بہادر
نصیر جنگ۔ مصنف کے والد [illegible]ء سے قبل کسی سنہ میں جو مجھکو تحقیق نہیں (جیسا کہ اسباب مسطورہ بالا میں تحریر کر چکی ہوں)
جناب قادر خان بہادر کی صاحبزادی منسوب ہوئی تھیں جو عالیجناب امین الدولہ امیر الملک نواب امیر خان صاحب بہادر کی نواسی
تھیں اس رشتہ مناکحت کی وجہ سے والی ٹونک نے والی رامپور سے باقاعدہ گھر داماد رکھنے کو مانگ لیا تھا۔ اسی سنہ سے یہ آپ ٹونک
کے خطاب سے مشہور ہوئے [illegible]ء میں مصنف کی پیدائش مقام ریاست ٹونک ہوئی۔ ایک ہمشیر مصنف سے بڑی تھیں جو نواب صاحب
کے پوتے عالیجناب امین الدولہ امیر الملک نواب محمد علی خان صاحب بہادر کے صاحبزادے جناب محمد صدیق خانصاحب دلیر جنگ
سے منسوب کی گئیں۔ مصنف مذکور ابھی تین سال کے بھی نہ تھے کہ شفقت پدری سے محروم ہو گئے نوجوان اور
شفیق باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ مصنف کے بڑے چچا محمد مجتبیٰ علی خان صاحب کو جب اس حادثہ جانکاہ کی خبر ہوئی تو فوراً

ٹونک تشریف لے گئے اور اس دُرِ یتیم کو اپنے ہمراہ رامپور مع املاک منقولہ و رہماہ پیشگی تنخواہ خاندانی کے لے آئے اگرچہ اس گوہر تابدار کو گردِ یتیمی نے اپنی آغوش میں لے لیا تھا مگر پھر بھی آثار فہم و ذکا چہرے سے پیدا و ہویدا تھے ؎

بالائے سرش ز ہوشمندی　　　می تافت ستارہ بلندی

شفیق چچا نے ہونہار دیکھ کر تعلیم و تربیت پر توجہ فرمائی اور اُستادان کامل کے سپرد فرما دیا۔ زمانہ تعلیم رامپور میں گذرا۔ زبان اُردو کی مروجہ تعلیم حاصل کرنے کے بعد زبان فارسی و عربی کی طرف متوجہ ہوئے اور بالآخر انتہائی مدارج تعلیم طے کر کے اہل علم کی نگاہوں میں منتہی قرار پائے سنہ ۱۸۵۸ء میں آپ کے چچا عالیجناب محمد سلیمان خانصاحب جو عالیجناب بیر الملک جناب منشی محمد مظفر علی خانصاحب بہادر بہادر جنگ متخلص بہ اسیر سے شرف تلمذ رکھتے تھے اور منشی صاحب کے مایۂ ناز شاگردوں میں تھے علاوہ خواجہ حیدر علی آتش اور شیخ امام بخش ناسخ کی صحبتوں سے فیضیاب ہوئے تھے اسد تخلص فرماتے تھے نیز دہلی جا کر میرزا غالب کو بھی اپنا کلام سنایا تھا آپ کا دیوان مطلع خورشید کے نام سے مشہور ہے لکھنؤ سے ٹونک تشریف لائے مصنف کی طبیعت کی جولانی نے راہ ادب سے نا آشنا رکھنا معیوب سمجھا شاعری کا شوق پیدا ہوا۔ خدا نے طبیعت کی موزونیت کے علاوہ دیگر خوبیاں بھی عطا فرمائی تھیں مناظر قدرت کا مطالعہ شروع کر دیا اور اپنے چچا سلیمان خانصاحب اسد کو کلام دکھانا شروع کیا شفیق چچا نے اپنے فیض بزرگانہ سے لاڈلے اور لائق بھتیجے کو مالا مال کر دیا اور شاعری کے تمام تر صنائع و بدائع سے آراستہ و پیراستہ فرمایا آپ کے کلام میں بھی وہی رنگ پایا جاتا ہے۔

سنہ ۱۸۸۳ء میں ان کی شادی عالیجناب نواب صفدر علی خانصاحب کی دختر نیک اختر سے ہو گئی جن کا سلسلۂ نسب چوتھی پشت میں نواب محمد یار خانصاحب بہادر سے ملتا ہے جو نصیر الدولہ ناصر الملک حافظ رحمت خانصاحب کے عمزاد بھائی تھے اور خود صاحب طبل و علم تھے سنہ ۱۸۹۲ء میں آپ اپنے بہنوئی عالیجناب محمد صدیق خانصاحب مرحوم منیر جنگ ریاست ٹونک سے ملنے تشریف لے گئے انھوں نے عالیجناب معلے القاب امین الدولہ وزیر الملک نواب حافظ محمد ابراہیم خان صاحب بہادر صولت جنگ جی۔سی۔آئی۔ای فرمانروائے ریاست ٹونک کو نذر دلوائی سرکار موصوف نے

ازراہ نوازش یہ معلوم فرماکر کہ جناب مختار علی خاں صاحب مرحوم کے صاحبزادے ہیں ان کو نئے والد کا مکان مع اس عہدے کے عطا فرمایا۔ چونکہ ہر ششماہی رامپور سے ٹونک جانا اور تنخواہ وصول کرنا دشوار ہی نہیں بلکہ ناممکن تھا خاندانی تنخواہ بند ہو گئی تھی۔ اثناء رہ مسٹر نے نہ ان کو اس طرف توجہ دلائی اور نہ اس کی ضرورت محسوس ہوئی ورنہ ممکن تھا کہ خاندانی تنخواہ کی گرہ بھی کھل جاتی۔ اسکے بعد ۲۴ سال تک آپ اپنے آبائی منصب پر فائز رہے لیکن گردش زمانہ کے باعث بقول شاعر ؎

ہائے نیرنگیاں زمانے کی ۔۔۔ کہ کسی وضع پر قرار نہیں
وائے دُنیا کی سست پیمائی ۔۔۔ کوئی بات اسکی استوار نہیں

رئیس موصوف کے برادر جناب عبدالرحیم خانصاحب بہادر مظفر جنگ سے کچھ کشیدگی پیدا ہو گئی جسکے باعث ریاست ٹونک سے سکونت ترک فرماکر گوشہ نشینی اختیار فرمائی جب یہ خبر ہز ہائینس جناب نواب رامپور کے گوش گذار ہوئی تو فوراً بالطاف خسروانہ ارشاد فرمایا کہ تمہارا حق ہم پر اور ہمارا حق تم پر بہ نسبت ٹونک زیادہ ہے لہذا ریاست رامپور میں بلاکر مشاہرہ مقرر فرمایا اور دربار عیدین وغیرہ میں بشمول خاندان و دیگر معززان ریاست نذر گذرانے کا حکم دیا گیا۔ جو قصیدہ پیش کیا گیا تھا اُس کو نواب صاحب بہادر نے سونے کے چوکھٹے میں نصب فرما کر خوابگاہ میں آویزاں کرنے کا حکم صادر فرمایا۔ جس وقت تک نواب صاحب بہادر حیات رہے عنایات سلطانی مع خاندانی وثیقہ کے جاری و ساری رہیں بارہ سال کا طویل زمانہ چشم زدن میں گذر گیا اور زمانہ نے کروٹ بدلی

ہر گھڑی منقلب زمانہ ہے ۔۔۔ یہی دُنیا کا کارخانہ ہے

کبھی بہار ہے تو کبھی خزاں کبھی رات ہے تو کبھی دن، کبھی صبح ہے تو کبھی شام یہ قدرتی نظام ہے نہ کبھی بدلا اور نہ بدل سکتا ہے۔ سنہ ۱۹۳۰ء میں عالیجناب معلی القاب فرزند دلپذیر دولت انگلشیہ ہز ہائینس نواب سر حامد علی خاں صاحب بہادر ریاست رامپور کی وفات حسرت آیات سے مرحوم کو پھر ترک سکونت پر مجبور کیا اور اس مرتبہ آپ اپنی ذاتی املاک پر موضع نیک ضلع مراد آباد جو کہ آبائی تھی تشریف لے آئے اور تاحیات

یہیں مقیم رہے۔ ۶۸ سال کی عمر میں یکم جنوری ۱۹۳۳ء مطابق ۴ رمضان المبارک بروز
یکشنبہ موضع ملک میں داعی اجل کو لبیک فرماکر راہی گلشن فردوس ہوئے۔ اور بمقام مرادآباد
گھیر سیدخاں میں اپنی اہلیہ محترمہ کے مزار مبارک کے پہلو میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے مصروف
خواب ہوگئے۔ (چونکہ مصنف کی زوجہ محترمہ جناب سیدخاں صاحب مرحوم کی نواسی تھیں
اس لئے بغرض علاج گھیر سیدخاں میں مقیم ہوئی تھیں اور بعد انتقال حسب خواہش اپنے
ننہالی اعزا کے وہیں مدفون ہوئیں)
مرحوم نے اپنے بعد پانچ صاحبزادے اور چار صاحبزادیاں اپنی یادگار چھوڑیں۔

تقریظ دلپذیر کلیم کلام محمد شمس الاسلام صاحب مینیجر دفتر المسیح دہلی خلف اکبر جناب باشر حافظ عبد السلام صاحب سنبھلی مدظلہ العالی

وہ اٹھا آج نقابِ رخ زیبا دیکھو   دیکھنے والو چلو یار کا جلوا دیکھو

کہاں ہیں نبض شناسان سخن و بحر معانی کے غوطہ زن، کدھر ہیں صدر نشینان بزم زباندانی و نام آوران انجمن معانی آئیں اور اس مطلع ادب سے طلوع ہونے والے اور چمکتے ہوئے آفتاب کی ضیا پاشیوں سے لطف اندوز ہوں جس نے اپنی گرمی مضامین سے چمنستان اردو میں نئے نئے پودے اگائے خوشنما اور صد بہار گل کھلائے ہر رنگ میں وہ شوخی، دل آویزی اور معانی آفرینی ہے کہ جس کا حرف حرف فصاحت سحبانی سے ہم آغوش ہے اور بلاغت حسانی سے ہمدوش ہے نظم ہے یا آئینہ فصاحت کا مجموعہ اور قانون بلاغت کا ضابطہ۔ جہاں تک نظر جاتی ہے نظم سخن کی وہ بزم آرائی نظر آتی ہے کہ لفظ لفظ پر شوریدہ سر بیخود ہو کر سر دھنتے ہیں۔ گلشن رعنائی و چمن شباب کے گلبن وفور جوش میں اس کے مضامین پر گلہائے تبسم نچھاور کرتے ہیں اور مہوشان نازک اندام اس کی رونمائی میں دلہائے عشاق کی ڈالیاں نذر کر رہے ہیں۔ صفائی میں یہ کلام گلشن بیخار۔ سلاست اور شگفتگی زبان میں فصل نو بہار۔ الفاظ کی روانی، بندش کی چستی بیان میں جدت مضامین میں نزاکت اور اچھوتے اندازوں نے زمین ادب کو مثل شب چہار دہم منور کر دیا۔ اور اب بزم اردو میں ایک چمکتا ہوا اور خوش نما فانوس روشن ہو گیا۔ اگرچہ یہ ایک وسیع و غیر محدود دلفریب میدان خیالی ہے مگر تشبیہات و استعارات۔ صنائع و بدائع و گلہائے مضامین کی باقاعدہ بندشوں نے اس کو ایک خوشنما و شاداب باغیچہ بنا دیا۔ اس کو مرقع عالم کہئے یا جام جہاں نما کہیں صحرائے جنوں میں قیس تلاش محمل میں سرگرداں ہے کہیں فرہاد پہاڑ سے ٹکرا کر جان شیریں قربان کر رہا ہے کہیں کوئی دل خستہ و پاشکستہ فراق یار میں سر کو دیواروں سے ٹکرا رہا ہے کہیں کوئی دل مجروح

خون کے آنسو رو رہا ہے، کہیں کسی کے نہ خطا کرنے والے نظر ناز کے تیر عجیب صفائی سے دلوں کو گھائل کر رہے ہیں، کہیں کسی کے پھول سے رخساروں پر باغ اپنی خوشی و مسرت کے پھول نچھاور کر رہا ہے۔ غرضکہ صاف و شستہ زبان ہے، مجاز کے پردہ میں حقیقت کا بیان ہے حسن ادا میں وہ قوت مقناطیسی اور کہربائی اثر ہے کہ دیکھتے ہی دل و دیدہ وقف الفاظ و مضامین ہوئے جاتے ہیں۔ کیوں نہ ہوں معنی پناہ۔ سخن دستگاہ یہ عالی خاندان معالی دودمان، عذب البیان شیریں زبان بلبل خوش الحان جناب صاحبزادہ محمد صابر علیخاں صاحب صابر مرحوم کا دیوان ہے جس کے حرف حرف اور لفظ لفظ اور فقرہ فقرہ پر محاورات روزمرہ قربان ہو رہے ہیں جس کی مرصع کاری اور نقش نگاری نے نگارخانۂ چین کو آنکھیں دکھا دیں جس کی آتش زبانی اور جادو بیانی نے گلرخاں گرم خوئی کی گرم بازاری ٹھنڈی کر دی کہاں تک عرض کروں۔ اگر قصائد کی بلند پروازی اور نزاکت الفاظ کے متعلق کچھ لکھنا چاہوں تو جگہ کہاں سے لاؤں بقول حضرت غالب ؎

ورق تمام ہوا اور مدح باقی ہے   سفینہ چاہئے اس بحر بیکراں کے لئے

صاحبزادہ محمد صابر علی خاں صاحب صابرؔ مرحوم و مغفور -

Calcutta Art Press Delhi

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کعبے میں کلیسا میں نہ بتخانے میں دیکھا
ہم نے انھیں کچھ اپنے ہی مٹ جانے میں دیکھا

ہر دم دلِ پُرشوق یہ قبضہ ہی بتوں کا
اللہ کا گھر ہم نے صنم خانے میں دیکھا

ثابت ہے بتوں سے بھی کچھ اللہ کا رشتہ
زُنّار کو تسبیح کے ہر دانے میں دیکھا

جس دم مرے دل میں متجلّی ہوئے اصنام
حُسنِ ازلی کعبے کے بُت خانے میں دیکھا

پیدا ہوئی جب چشمِ سویدا میں بصیرت
کچھ فرق نہ اپنے میں نہ بیگانے میں دیکھا

خود پیشِ صنم سے میں اُٹھا صورتِ پردہ
راضی جب اُسے اپنے ہی اُٹھ جانے میں دیکھا

خطراتِ جلالی کا ہر اک دل میں گذر ہے
شانِ جبروتی کو ہر اک دانے میں دیکھا

ناقوس و اذاں ہم نے سُنی ایک ہی لب سے
جلوہ وہی اک کعبہ و بتخانے میں دیکھا

صابرؔ نے جو میخانے میں ساقی سے سُنا تھا
آنکھوں سے نظارہ وہی پیمانے میں دیکھا

کیا دیکھ لیا جلوہ کسی رشکِ قمر کا
کیوں مثلِ کتاں چاک گریباں ہے سحر کا

مجھ کو نہ خبر پا کی نہ کچھ ہوش ہے سر کا
پہلو سے مرے جب سے وہ دلدار ہے سرکا

نقشِ سُمِ رہوار کا خاکہ ہے انور
خورشید ہر اک ذرہ تری راہگذر کا

دل دولتِ عشق لبِ و دنداں سے غنی ہی
عاشق ترا طالب نہ رہا لعل و گہر کا

ہے آتشِ دوزخ دلِ سوزاں کی حرارت
چشمہ یہ سمندر ہے مرے دیدۂ تر کا

یارب وہ مجھے چھوڑ کے جائیں نہ شبِ وصل
مقبول دعا ہو مری ہے وقت سحر کا

دل سے مرے دم بھر جو نکلنا نہیں منظور
قبضہ تمہیں کیوں مل گیا اللہ کے گھر کا

ہیں بے اثر اس شوخ پہ تعویذ و عظمت
کچھ زر سے لپچتا نہیں طالب نہ وہ زر کا

لازم ہے حذر صبر سے اُس کے نہیں اچھا
صابر کو ستانا یہ ترا آٹھ پہر کا

بروزِ حشر حساب و کتاب کیا ہوگا
حسابِ دوست ہی در دل حساب کیا ہوگا

جو قول ہے سبقت رحمتی علی غضبی
تو پھر بروزِ قیامت عذاب کیا ہوگا

عبث یہ کہتے ہو تجھ کو خدا خراب کرے
خراب حال ہے عاشق خراب کیا ہوگا

مرے کلام کو مشکل ہے منتخب کرنا
کہ انتخاب کا اور انتخاب کیا ہوگا

نہ کر کباب مرے دل کو ہجر میں ساقی
بغیر یار کے شغلِ شراب کیا ہوگا

ہوا جو وصل بھی ممکن تو یہ بتا صابر
رہا جو دل کا یہی اضطراب کیا ہوگا

غیر کا جب دوست تھا اور مجھ سے وہ بیگانہ تھا
آتشِ رشک عدو سے سینہ آتش خانہ تھا

غیر جو اس بزم میں تھا عاقل و فرزانہ تھا
بیخودیٔ عشق میں میں ہی فقط دیوانہ تھا

خوابِ غفلت سے کھلیں آنکھیں تو یہ آیا نظر
جس کو ہم اپنا سمجھتے تھے وہی بیگانہ تھا

کیا خبر تھی لیکے دل تم بے خبر ہو جاؤ گے
تم کو ایسا خود غرض اور بیوفا سمجھا نہ تھا

صدمہ یا نکاہ ہونا عشق کا انجام ہی
پیشتر معلوم اے صابر مجھے ایسا نہ تھا

پایا ہے جس نے عشق میں رتبہ کمال کا
سایہ بھی اُس پہ پڑ نہیں سکتا زوال کا

رخ دل کا مثل قبلہ نما ہی بسوئے دوست
ہوش اس کو کچھ نہیں ہے جنوب و شمال کا

آئے نظر نہ خواب میں کیوں روح قیس کی
اہلِ کمال دوست ہے اہلِ کمال کا

اللہ جمیل و یحب الجمال ہے
اُن کو بجا غرور ہے اپنے جمال کا

واعظ کے اعتراض کا میں کیا جواب دوں
گویا جواب کچھ نہیں مہمل سوال کا

ق
وہ بیخودیٔ ذوق سمجھتا نہیں ہے جب
پھر اُس سے کیا بیان کروں وجد و حال کا

آئینہ رو کا عکس مرقع میں آئے کیا
محتاجِ حسنِ سادہ نہیں خط و خال کا

جب تک نہ حُسن نقل میں پیدا ہو اصل کا
تصویر کھینچنا ہے تنزل جمال کا

مجھ کو امیدِ راحتِ دل وصل میں نہیں
خوگر ہوں جب میں رنج علی الاتصال کا

اللہ رے عروجِ غلامانِ مصطفےٰ
آوازہ عرش پر ہے نغالِ بلالؓ کا

دیتے ہیں ہم تو حسن کی قیمت میں جان تک
آگے ہے اختیار تمھیں اپنے مال کا

تمثیل حسن کے لئے ملتا نہیں کوئی
کیا لکھوں پھر میں وصف عدیم المثال کا

صابرؔ یہ کیوں ارادۂ اظہارِ عشق آج
اندیشہ آدمی کو ہے واجب مآل کا

مجھ سے فرماتے ہیں عشاق کی توقیر ہی کیا
یہ تو پوچھے کوئی یہ آپ کی تقریر ہے کیا

قید میں رکھا ہی زلفوں کی شباہت نے مجھے
ورنہ یہ سلسلۂ حلقۂ زنجیر ہے کیا

کوئی دام اسکو سمجھتا ہے کوئی مارِ سیاہ
نہیں کھلتا کہ خمِ زلف گرہ گیر ہے کیا

پھاڑ کر پھینک بھی دو اسکو جلا بھی ڈالو
نامۂ غیر بھی میرا خطِ تقدیر ہے کیا

عشق کے باب میں ناصح سے نہ کیوں بحث کروں
کیوں ادب سے رہوں خاموش مرا پیر ہے کیا

آرزو صفا برِ ناشاد کی بر آئے کہیں
ہیں خفا آپ تو اب قتل میں تاخیر ہی کیا

کیا دن تھے وہ کہ روز ترا انتظار تھا | میں گھر میں اور دل طرفِ رہگذار تھا
پہلا مرا زمانہ بھی کیا سازگار تھا | شغلِ شراب ساقیِ روئے نگار تھا
خالِ سیہ جو زیبِ رخِ گلعذار تھا | حدِّ طلب میں آہوئے دشتِ تتار تھا
دشمن شہیدِ ناوکِ مژگانِ یار تھا | ساتھ اُسکے تیرِ رشک مرے دل کے پار تھا
پیکِ قضا سے کم نہیں تیرِ نگاہِ ناز | چھوٹا جو اِدھر سے اُدھر دل کے پار تھا
تو آ گئی اجل ترے قربان جائیے | فرقت میں مدتوں سے ترا انتظار تھا
آنکھیں ہی پھری تھیں تو برگشتہ تھے نصیب | میں مبتلائے گردشِ لیل و نہار تھا
باز آیا میں شباب سے اللہ کی پناہ | توبہ ہے ایک جن مرے سر پر سوار تھا
فرقت میں زندگی کی یہ صورت تھی رات دن | پیشِ نگاہ آٹھ پہر روئے یار تھا
غیر اُن کو چاہے اور نہ میں رشک سے مروں | عادت سے اُن کی اُن کا مجھے اعتبار تھا
بدنام صرف نام ہی فرقت کا عشق میں | پہلوئے یار میں بھی تو میں بیقرار تھا
باہم اگر ہوئے نہ شبِ وصل ہمکلام | مرعوبِ حسن میں انھیں پاسِ وقار تھا
آخر حقیقتِ کمرِ یار کھل گئی | یعنی نظر کا میری ہی وہ ایک تار تھا
ہمدم شبِ وصال کی بے لطفیاں نہ پوچھ | غافل رہا یہ محوِ تجلئ یار تھا
واعظ قیامت اور بھی باقی ہے کیا کوئی | اپنا تو روزِ ہجر ہی روزِ شمار تھا
دامانِ عاطفت میں جگہ دی حضور نے | مدت سے اس کرم کا میں امیدوار تھا
صفا یہ کیا دل کہ صاحبِ تمکین و صبر ہے | لیکن دمِ مشاہدہ بے اختیار تھا

مہ تاباں کو شرمایا تو ہوتا | نقاب رخ کو سرکایا تو ہوتا
شفا ہوتی مرض سے یا نہ ہوتی | عیادت کو مری آیا تو ہوتا
کسی دن میکدہ میں جاکے واعظ | یہ پند و وعظ فرمایا تو ہوتا
جلا دیتی مجھے برق تجلی | وہ بے پردہ نظر آیا تو ہوتا

نہ دیتا جان پھر اُس بت پہ صابرؔ
کسی نے اُس کو سمجھایا تو ہوتا

عشق میں اپنے زبوں حال جو میرا دیکھا | ہنس کے فرمایا محبت کا نتیجا دیکھا
کسی دشمن کے بھی دشمن کو دکھائے نہ خدا | جو مرے دل نے شب ہجر میں صدما دیکھا
اپنی آنکھوں میں رہی ماہ کی توقیر نہ کچھ | ہم نے جس دن سے تمھارا رخ زیبا دیکھا
ہم نے بازار محبت میں دل وارفتہ | ہر طرف تیرا ہی ہوتے ہوئے چرچا دیکھا

جب نظر پڑتی ہی صابرؔ تو غش آجاتا ہی
پھر تو یکساں ہی نہیں دیکھا اُسے یا دیکھا

جب دل نہ ہو کہنے میں پھر چاہیے کیا کرنا | دل جس کے ہو قابو میں اُس کا ہی کہا کرنا
ہر کام کی اک حد ہے یہ جور و جفا کب تک | ظالم تجھے لازم ہے اب خوف خدا کرنا
ہے جان سے بھی پیاری یہ عشق کی بیماری | موت اپنی سمجھتا ہوں میں کوئی دوا کرنا
الفت سے نہیں اتقا صلا وحبت کم ہیں | بے سود شکایت ہے بیکار گلا کرنا
حق یہ ہی کہ دل میرا کہنے میں نہیں میرے | تا حشر مرے حق میں تو اس حق سے دعا کرنا
اُس شوخ ستمگر کا ادنے یہ کرشمہ ہے | اخلاق سے دل لینا دل لے کے دغا کرنا
ہر وقت باآسانی اقرار تو کر لینا | پھر روز قیامت تک وعدہ نہ وفا کرنا

تقریر کے پہلو میں الزام لگا دینا | الزام کے حیلہ سے پھر جور و جفا کرنا

عاشق سے کبھی کوئی تقصیر جو ہو جائے | برہم وہیں ہو جانا تجویز سزا کرنا

دل ہاتھ سے عاشق کا جاتا جو نظر آئے | منہ پھیر کے ہنس دینا پروا نہ ذرا کرنا

یہ کہنا کہ بس تم نے دو کام یہ سیکھے ہیں | یا میری شکایت یا قسمت کا گلا کرنا

فرمانا کہ دشمن کو ہم دوست سمجھتے ہیں | شایاں ہی نہیں اُس پر بس لطف و عطا کرنا

تم ہوتے ہو رنجیدہ گر ایسی عنایت سے | کیا چاہتے ہو مجھ کو دشمن سے خفا کرنا

یہ کہکے وہ روٹھے ہیں ہے دل کو پریشانی
اس سوچ میں ہوں صفاؔ اب چاہئے کیا کرنا

دل میں ادراو تصور سے اُسے کیا دیکھنا | چاہئے آنکھوں سے اُس پنہاں کا جلوا دیکھنا

دل مرا گو آجکل بتخانہ آتا ہے نظر | ٹوٹ کر بن جائیگا اک دن یہ کعبا دیکھنا

حال سے مجھ خستہ دل کے اسقدر غفلت ہے کیوں | چاہتے ہو کیا مجھے دنیا میں رسوا دیکھنا

میرے آگے غیر کا خط کھول کر اُس نے پڑھا | تھا مری قسمت میں یہ قسمت کا لکھا دیکھنا

غیر سے ہرگز نہ کرنا تم کبھی اقرارِ وصل | نازکی کا فاش ہو جائے نہ پردا دیکھنا

عشق تو نے ہی دکھائی مجھکو سیرِ بزمِ غیر | باقی ہے ہاتھوں سے تیرے اور کیا کیا دیکھنا

جب شعاعِ حسن برچھی مردمک کے حق میں ہو | آنکھ اُٹھا کر پھر سرِ بزم اُن کو کیسا دیکھنا

بند کر لینے سے آنکھیں پڑتی ہے اُن پر نظر | سیکھا ہے اہلِ نظر سے ہم نے اُلٹا دیکھنا

دیدۂ اغیار سے چھپ کر ہی رہنا خوب ہے | دل نشیں ہے پردۂ دل میں تمھارا دیکھنا

کس طرح پیدا ہو اُن سے دل میں صفاؔ پھر گلہ
فعل کو محبوب کے بیجا ہے بیجا دیکھنا

یہ عشق کے کوچے میں تماشا نظر آیا
معشوق مجھے عاشقِ شیدا نظر آیا

کچھ کہہ نہیں سکتا نہ مجھے کیسا نظر آیا
وہ جلوہ نہ مجھے برقِ تجلّی نظر آیا

جانے کی خبر اُس کی سُنی ہوش میں آ کر
مجھ کو تو فقط دور سے آتا نظر آیا

جب اُس کا نظر قلب میں آیا مجھے نقشہ
ہر عضوِ بدن دیدۂ بینا نظر آیا

افضل بھی ملک سے ہے یہی خاک کا پُتلا
ارذل بھی یہی خاک کا پُتلا نظر آیا

کیا جلوہ گہِ یار کی تعریف بیاں ہو
خورشید وہاں خاک کا ذرّا نظر آیا

میرے لئے جلوت میں بھی خلوت تھی سراسر
کوئی بھی سوا اُس کے نہ اصلا نظر آیا

تم بہرِ عیادت جو مخاطب ہوئے مجھ سے
تو کچھ مجھے جینے کا سہارا نظر آیا

پیدا ہوئی جب آئینۂ دل میں صفائی
آئینے میں اک آئینہ سیما نظر آیا

کھویا گیا ایسا کہ تمنا کو بھی کھویا
صابرؔ مجھے وہ محوِ تمنا نظر آیا

بھلا کب چاک میرا جور وہاں سے گریباں تھا
خوشی کے جوش میں جامے سے باہر پیشِ جاناں تھا

عدو کی بزم میں یہ اشکہائے غم کا طوفاں تھا
کہ آبِ سیلِ گریہ میرا اسکے تا گریباں تھا

رواں پیہم تھے ان آنکھوں سے اشکِ گریۂ شادی
تبسم جب تمکیاشِ برا احتمائے پنہاں تھا

جو پوچھا میں نے کل کیا رونقِ بزمِ عدو تم تھے
تو جھنجھلا کر کہا اُس بے مروت نے کہاں ہاں تھا

خدا کا شکر ہے آج اُسکی محفل سے عدو نکلا
یہی بس دل کی حسرت تھی یہی بس دل کا ارماں تھا

خبر اتنی تو ہے مجھ کو کہ ڈوبا جا کے گہرے میں
وہ تھا گردابِ بحرِ حُسن یا چاہِ زنخداں تھا

ہوا دھوکا تو اُس نے پڑھ لیا خط میرا آخر تک
کہ عنوانِ خطِ دشمن مرے نامے کا عنواں تھا

کسی صورت سے پھر ترکِ تصور کیسے ہو سکتا
کہ واعظ کفر سمجھا تھا جسے وہ میرا ایماں تھا

غنیمت ہے کہ خطرہ ماسوا کا کچھ نہیں آیا
خبر فوراً ہی ہو جاتی اُسے دل میں وہ پنہاں تھا

عیادت کو وہ جب آئے مجھے خوش دیکھ کر بولے
کہ اے جھوٹے فریبی تو تو کچھ سانسوں کا مہماں تھا

نثار اُنکے عتاب و لطف پر جاں کیوں نہ ہو جائے
کہ جب بعدِ ستم اُن کا کرم مجھ پر دوچنداں تھا

خجل ایسے ہوئے کچھ بے وفائی کا گلہ سُنکر
کہ شکوہ کر کے اُن سے میں ہی خود دل میں پشیماں تھا

فراغت جب ہوئی صابر کو اپنی جیب و دامن سے
تو پھر دستِ جنوں اغیار سے دست و گریباں تھا

اب اُن کے جور و ستم کا حساب ہی نہ رہا
کہ غیر سے اُنھیں کچھ اجتناب ہی نہ رہا

نصیب سے جو کبھی وصل خواب میں دیکھا
تو آنکھ کھلتے ہی کچھ یاد خواب ہی نہ رہا

سمجھ میں کچھ نہیں آتا ہے اب نشیب و فراز
کہ ہوش میں دل خانہ خراب ہی نہ رہا

میں اب تمھارے ستم کو کرم سمجھتا ہوں
عذاب اب مرے حق میں عذاب ہی نہ رہا

صنم کا عشق بھی واعظ جو بت پرستی ہے
تو اور پھر کوئی کارِ ثواب ہی نہ رہا

امید خواب میں آنے کی اُن کے کیونکر ہو
مرے نصیب کا آنکھوں میں خواب ہی نہ رہا

فنا ہے سب کو جہاں میں بقا کسی کو نہیں
رسولِ اکرم عالی جناب ہی نہ رہا

جو نامہ بر مرا خط دیکے لوٹ کر آیا
تو یاد اُس کو زبانی جواب ہی نہ رہا

اُدھر نقاب اُٹھی غش ہوا اِدھر طاری
جمالِ یار غرض بے حجاب ہی نہ رہا

کہاں سے لاؤں مضامینِ عشق اے صابر
نہ وہ جوشِ طبع وہ عہدِ شباب ہی نہ رہا

وہ بت بے سبب کیوں خفا ہو گیا
خداوندِ عالم یہ کیا ہو گیا

وہی دل اسیرِ بلا ہو گیا
جسے عشقِ زلفِ دوتا ہو گیا

نہ دیدار کی تاب لائے کلیمؑ | وہ جس وقت جلوہ نما ہو گیا
وہاں اُس نے پہنا جو دھانی لباس | یہاں زخم دل کا ہرا ہو گیا
بنایا ہے تم نے جو سرمے کا خال | تو رخ اور بھی خوشنما ہو گیا
نہا دھو کے اُس نے کیا جب نکھار | تو پتلا وہ اک نور کا ہو گیا
تسلّی ستم کی تلافی ہوئی | ہر اک کارِ بیجا بجا ہو گیا
حیاتِ ابد اُسکو حاصل ہوئی | تری راہ میں جو فنا ہو گیا
یہ بت ہم سے ہو جائینگے رام خود | اگر مہرباں وہ خدا ہو گیا

میں کس منہ سے صابرؔ کروں شکرِ یار
مجھے بوسۂ لب عطا ہو گیا

اب تو ہے اُس بتِ کم سن سے ضرر جانوں کا | آگے اللہ نگہبان ہے ایمانوں کا
جو نہ دیوانوں کا قائل ہو نہ فرزانوں کا | رام وہ بت ہو عقیدہ ہی یہ نادانوں کا
حال ہے قابلِ دید آپ کے دیوانوں کا | دامنوں کا ہے پتہ کچھ نہ گریبانوں کا
مجھ کو بھی آج عطا جام و سبو کی ہو زکوٰۃ | بول بالا رہے ساقی ترے میخانوں کا
خُمِ مے منہ سے لگا کر کبھی پی لیتا ہوں | میں وہ میکش ہوں کہ عادی نہیں پیمانوں کا
خلوتِ دل میں ہیں اب میرے وہ رونق افزا | خوفِ درباں ہے نہ اندیشہ نگہبانوں کا
تیری اُلجھاؤ کا سُلجھاؤ نہ کیوں ہو دشوار | سینہ صد چاک تری زلف میں ہے شانوں کا
قیس سے وحشتِ جنوں میں ہوں کہیں میں آگے | مجھ سے اور ہوش سے ہے فاصلہ میدانوں کا
اپنا دیوانہ سمجھ کر جو سنو میرا کلام | رنگ پھیکا نظر آئے تمھیں دیوانوں کا
ہے رگِ ابرِ سیہ میں یہ چمک بجلی کی | یا ہے سرِ زلف پہ زیور ہے ترے کانوں کا

بعد سرگوشیِ اغیار یہ کیسی خفگی
کس کا یہ قول تھا کچا نہیں میں کانوں کا

غیر کے سر کی قسم کھائیے ورنہ مجھ کو
اعتبار آپ کے عہدوں کا نہ پیمانوں کا

جب ستاتا ہو مرا دوست کوئی مدنظر
گلہ و شکوہ عبث پھر مجھے بیگانوں کا

خم نہیں پشت مری کبر سنی کے باعث
بار سر پر ہے بہت یار کے احسانوں کا

پھر لیا عالم حیرت میں خموشی ہی مری
شکر و شکوہ نہ اب اپنوں کا نہ بیگانوں کا

صرف درکار ہے ساقی کی عنایت کی نظر
اس سے میں جام کا خواہاں ہوں نہ پیمانوں کا

خدمتِ اہل سخن سے ہوئی عزت حاصل
صابر اک خادم ادنیٰ ہے سخن دانوں کا

روزنِ در سے اُنھیں ایک نظر دیکھ لیا
ہم سے ہر چند چھپے ہم نے مگر دیکھ لیا

کیا کہیں ہم نے ترے عشق میں کیا کیا دیکھا
دردِ دل دیکھ لیا دردِ جگر دیکھ لیا

بن گئی دل پہ کچھ ایسی کہ بن آئے نہ بنی
آپ نے جذبِ محبت کا اثر دیکھ لیا

اپنے جانے کے سوا فکر کسی کی بھی نہ تھی
جاؤ بھی ہم نے تمھیں وقتِ سحر دیکھ لیا

چادرِ آبِ رواں مانعِ نظارہ رہی
آج ہم نے تجھے اے دیدۂ تر دیکھ لیا

لطف جب ہے کہ وہ خلوت میں کبھی ہم سے ملیں
کیا ہوا یوں جو سرِ راہ گذر دیکھ لیا

سر قلم کر کے مری نعش سے قاتل نے کہا
تو نے یہ میری محبت کا ثمر دیکھ لیا

دلِ غم دیدہ کو اب کوئی شکایت نہ رہی
نگہِ مہر سے تم نے جو ادھر دیکھ لیا

مجھ سے فرماتے ہیں کیا آپ کا بگڑا صابر
غیر کو ہم نے اگر ایک نظر دیکھ لیا

بہنے سے خونِ دل مجھے ضعفِ بصر ہوا
اور مجھ سے خونِ دل کا مرے چشمِ تر ہوا

جب دل لگا ناحق میں مرے درد سر ہوا
لب سے نکل کے نالۂ تغافل اثر ہوا

مرنے کے بعد جذبۂ دل کا اثر ہوا
خود آ کے نعش پر مری وہ نوحہ گر ہوا

پنہاں مرے خرابۂ دل میں ہے گنجِ عشق
ویرانے میں نصیب محبت کا گھر ہوا

گم ہو گیا وہ راہ میں جو راہبر بنا
آخر کو جذبِ عشق مرا راہبر ہوا

قاتل نے سر قلم نہ کیا میرا کھا کے رحم
پیدا مرے لئے یہ نیا دردِ سر ہوا

قادر نہ ہو سکیگا کبھی ترکِ عشق پر
جب عیب آدمی کی نظر میں ہنر ہوا

دیکھا یہ خواب تیرے پہنچا ہوں آپ تک
جب سیلِ جوشِ گریہ مرا تا بسر ہوا

قارون کیمیا کی بدولت ہی خوار ہے
بانیٔ نقص اُس کا یہ کسبِ ہنر ہوا

کہتے ہیں اسکو دستِ جنوں کی اُدھیڑ بُن
دامن کا تار چاک سے جو بخیہ گر ہوا

ناخوش ہیں وہ خوشامدِ اغیار دیکھکر
صابر یہ سمجھا اُن کے مرا دل میں گھر ہوا

دیگر

خود آ کر خواب میں چلے تو خواب و خورش اُس پہ حرام کیا
پھر جذبۂ عشق زلیخاؑ نے یوسفؑ کو اپنا غلام کیا

جس نے کہ حضور سے عشق کیا اُس نے لا حاصل کام کیا
مٹھی میں ہوا کو قید کیا عنقا کو اسیرِ دام کیا

اول تو دل دے کر سمجھا ہم نے بہت اچھا کام کیا
آخر یہ کھلا ناحق خود کو پابندِ خیالِ خام کیا

جس کام کو مانع کل تک تھے واعظ نے آج وہ کام کیا

میخانے میں ہم بھی جا پہنچے حضرت کو جھک کے سلام کیا

ظالم کی جنبشِ ابرو نے عالم میں قتلِ عام کیا

عشاق کا کام تمام کیا اور قاتل اپنا نام کیا

ہے شکر خدا کا اُس بت کو برسوں میں ہم نے رام کیا

کلمہ اپنا پڑھوا چھوڑا کافر نے قبول اسلام کیا

گھر غیر کے تم نے قیام کیا میں نے کام اپنا تمام کیا

تم نے اُدھر اپنا کام کیا میں نے اِدھر اپنا کام کیا

عیار نے غیر کے شکوے سے بچنے کے لئے یہ کام کیا

نام اپنا نہ لکھا کسی خط میں جب مجھ کو خط ارقام کیا

جب وعدے کی شب اُن کو دیکھا تو ہوش میں اپنے میں نہ رہا

اے بیخودیِ فرطِ شادی تو نے مجھکو ناکام کیا

ناکام جو قسمت نے رکھا بیزار میں اپنی جان سے تھا

اے دردِ فراق احسان ترا تو نے میرا کام تمام کیا

جس رازِ محبت کو میں نے مخفی رکھا دل میں اپنے

اُس درد کی ہوک نے اُٹھ اُٹھ کے آخر اُسے طشت ازبام کیا

وعدے کر کے نہ وفا کرنا پردے میں کرم کے جفا کرنا

پردہ از راہِ حیا کرنا ظالم نے نیا یہ کام کیا

جو بار کسی سے اُٹھ نہ سکا مجھ جیسے نحیف سے اُٹھوایا

قادر ہے وہ اپنی مشیت کا اپنی مرضی کا کام کیا

عظمت کر میرے اُس گھر کی جس گھر کے ہے اندر کعبہ بھی
صابر مجھکو یہ ندا آئی جب زیبِ بدن احرام کیا

نظارہ کر بتِ پُرفن ہمارا
کہ تن داغوں سے ہے گلشن ہمارا

ہے عشقِ زلف میں خانہ بدوشی
کہیں کیا ہے کہاں مسکن ہمارا

جو روتے یادِ دندانِ صنم میں
تو پُرگوہر ہوا دامن ہمارا

بتوں کی سختیاں سہنے کو یارب
بنایا کیوں نہ دل آہن ہمارا

ہماری یہ وصیت ہے دمِ مرگ
کہ کوئے یار ہو مدفن ہمارا

جوانی میں محبت کی لگی آگ
جلا کس وقت میں خرمن ہمارا

زمین و آسماں تھرا رہے ہیں
صدائے صور ہے شیون ہمارا

اک آہو چشم کی اُلفت میں صابر
بیاباں ہوگیا مسکن ہمارا

روزِ ہجر آیا عیاں ردِ سحر ہونے لگا
وصل کی شب ہو چکی رخصت قمر ہونے لگا

عینِ گریہ میں جو یاد آئے دُرِ دندانِ یار
اشک کا قطرہ ہر اک شکِ گہر ہونے لگا

اُسکی صورت کا تصوّر دل سے جاتا ہی نہیں
مصحفِ رخ یاد اب آٹھوں پہر ہونے لگا

کچھ نہ پوچھو دل نے اُس دم پائے ہیں کیا کیا مزے
خنجرِ قاتل رواں جب حلق پر ہونے لگا

دمبدم ہے تیز مجھ پر تیغ اُس سفاک کی
یادِ ابرو سے بھی اب زخمی جگر ہونے لگا

چاہ میں اُس یوسفِ ثانی کی اب یعقوب وار
دُور اپنی آنکھ سے نورِ نظر ہونے لگا

سیلِ گریہ اُسکے غم میں کیا دکھائے دیکھئے
تا گریباں اب تو دامن اپنا تر ہونے لگا

دیکھئے مجروح دل ہوتا ہے یا کٹتا ہے سر
اُن کی ابرو کا اشارہ پھر اِدھر ہونے لگا

شہر میں صابر تمہاری عاشقی کا تذکرہ
ہو کے طشت از بام اب ہر اک کے گھر ہونے لگا

دیگر

رخ حسن زیرِ نقاب دیکھا — قمر کو زیرِ سحاب دیکھا
فسانۂ عشق جب سنایا — خفا انھیں بے حجاب دیکھا
یہ تجھ سے ہم پوچھتے ہیں قاتل — کہ قتل میں کیا ثواب دیکھا
گذر گئی ایسے وصل کی شب — کہ جیسے اک ہم نے خواب دیکھا
ملے وہ ہم سے بصد تمنا — جو عشق میں انتخاب دیکھا
رہی نہ امیدِ وصل دل میں — جو اپنے خط کا جواب دیکھا
یہ حسن کی ضو ہے اللہ اللہ — نقاب میں بے نقاب دیکھا

جلا دیا یہ سوزِ غم نے صابر
کہ دل کو مثلِ کباب دیکھا

کرم مجھ پہ ہمیشہ وہ تلطف نہیں کرتا — بیداد پہ اس کی میں تاسف نہیں کرتا
وہ کہتے ہیں سب چاہتے ہیں مجھ سے ہی ملنا — بندہ تو کسی سے بھی تعارف نہیں کرتا
دونوں ہی کی اس حد کو نہ رسوائی پہنچتی — پرہیز زلیخاؑ سے جو یوسفؑ نہیں کرتا
نفرت یہ دوئی سے ہے کہ تحریر میں اپنی — معنی کا گوارا میں ترادف نہیں کرتا

صابر تو فقط حسد ہمہ اغیار سے ہے ورنہ
وہ تیری جفا پر تو کبھی اف نہیں کرتا

زلف کا بل حلقۂ زنجیرِ زنداں ہو گیا — اور وہ چاہِ زنخداں چاہِ کنعاں ہو گیا

اک صنم کا عشق جب سے دین و ایماں ہو گیا
اُس کا وہ روئے کتابی جائے قرآں ہو گیا

جلوہ گر پردے سے جسدم روئے جاناں ہو گیا
زرد رُو شرما کے اُس سے ماہِ تاباں ہو گیا

وہ بتِ غنچہ دہن جس وقت خنداں ہو گیا
غرقۂ آبِ ندامت دُرِّ غلطاں ہو گیا

اُس غزالیں چشم سے کیا کیا ہوئی نرگس خجل
اور قدِ دلجو سے نادم سروِ بستاں ہو گیا

دیکھنا بہہ جائینگی دم میں لہو کی ندیاں
یاد میں اُس لعل لب کے جب میں گریاں ہو گیا

ہم کو اب جمعیتِ خاطر ہو یہ ممکن نہیں
دل کو عشقِ کاکل و زلف پریشاں ہو گیا

دیکھئے ہوتی ہے کیونکر مخلصی اس دام سے
اب تو اے دل تو اسیرِ زلفِ پیچاں ہو گیا

دیکھ کر ناز و ادا و غمزہ و حُسنِ ملیح
جان سے تم پر فدا **صابر علی خاں** ہو گیا

ٹھکرایا مرے سر کو ظلم اور سوا دیکھا
در پر مجھے ظالم نے جب ناصیہ سا دیکھا

صدمہ غمِ دوری کا ہر وقت ہے اے دل
الفت کا صلہ پایا چاہت کا مزا دیکھا

جتنا دلِ مضطر تھا بیتاب شبِ فرقت
جب وصل ہوا حاصل کچھ اُس سے سوا دیکھا

تمییز دوئی ہوتے ہی قلزمِ ہستی میں
پھر ہم نے حباب آسا اپنے کو فنا دیکھا

پردے کا نظر آنا تھا شوق کا بڑھ جانا
جب اُسکی شرارت میں انداز حیا دیکھا

کیا شانِ تلوّن ہے کل تک تو عنایت تھی
آج اُن کو خفا ہم نے بیجرم و خطا دیکھا

نیرنگیِ عالم کا نقشہ یہ نظر آیا
پایا ہے بدوں کو نیک اچھوں کو بُرا دیکھا

پابند وفا کے ہوں وہ ہو نہیں سکتے نیر
دیکھا تو اُنھیں اکثر پابندِ جفا دیکھا

کچھ اپنی سمجھ میں تو آیا نہ مزاج اُن کا
ہر وقت نیا پایا ہر روز نیا دیکھا

مخلوقِ خدا تجھ سے نالاں ہے بہت لیکن
کافر نہ ترے دل میں کچھ خوفِ خدا دیکھا

امید بندھی میری اس قول سے قاصد کے — جب مجھ سے کہا آ کر خدا اُس نے ترا دیکھا

جس کو کہ زیارت ہو رؤیا میں پیمبرؐ کی — وہ کیوں نہ کہے حق کو میں نے بخدا دیکھا

اکثر وہ رقیبوں سے کہتے ہیں یہ خوش ہو کر — ہر حال میں صابرؔ کو راضی برضا دیکھا

کعبے میں بھی جا ڈھونڈھا بتخانہ بھی جا دیکھا — تو دل ہی میں ملا لیکن گھر دل میں ترا دیکھا

بانیِ جفا کو بھی پابستۂ وفا دیکھا — نالوں میں اثر پایا آہوں کو رسا دیکھا

جو نقص بھی پایا ہے عشاق میں پایا ہے — ہر عیب سے دلبر کو پاک اور صفا دیکھا

جب لطف تھا ملنے کا خلوت میں ملے ہوتے — یوں بزم میں گر اُن کو دیکھا بھی تو کیا دیکھا

عکسِ رخِ جاناں ہے اب جلوہ فگن اسمیں — دل کو رخِ جاناں کا آئینہ نما دیکھا

عشاق کے نالے ہیں یا شورِ قیامت ہے — کوچے میں ترے ظالم اک حشر بپا دیکھا

شمشیر بکف پایا تجھ کو نہ کبھی لیکن — قاتل تجھے اور سب کو مقتول ترا دیکھا

اسرارِ محبت کے اظہار سے کیا حاصل — صابرؔ رہِ الفت میں کیا کہیے کہ کیا دیکھا

جلوہ گر خنجر بکف جس وقت قاتل ہو گیا — اشتیاقِ قتل میں میں نیم بسمل ہو گیا

کون کر سکتا ہے اُس سے ہمسری کا حوصلہ — شرمگیں جس مہروش سے ماہِ کامل ہو گیا

شمعِ حسنِ یار پر تو جان پروانہ ہوئی — دل گلِ گلزارِ خوبی پر عنادل ہو گیا

کاکلِ پیچاں کی الفت میں ہیں اے ہمنشیں — بڑھ گیا جوشِ جنوں ذوقِ سلاسل ہو گیا

یاد میں زلفِ سیاہ و روئے روشن کے ترے — کاٹنا دن رات کا اب ہم کو مشکل ہو گیا

جوشِ شوقِ دید سے ہوتا نہیں دم بھر جدا — خالِ روئے یار میری آنکھ کا تل ہو گیا

جان اپنی شل پروانہ کرونگا میں نثار ۔۔۔ گر کبھی اے شعلہ رو تو شمع محفل ہوگیا

کس کی الفت میں ہے صابرؔ آہ و زاری اسقدر
کس پری رو پر تصدق آپ کا دل ہوگیا

وہی کچھ بزم خاص جانِ جاں کا رازداں ہوگا ۔۔۔ زباں رکھکے جو مُنہ میں بے سخن اور بے زباں ہوگا
غبار اپنا گر اُٹھا میکدہ کا سائباں ہوگا ۔۔۔ اگر بیٹھا تو وہ خاکِ درِ پیرِ مغاں ہوگا
الٰہی سجدہ گہ میرا کبھی وہ آستاں ہوگا ۔۔۔ یہ دُور افتادہ نزدیکِ حریمِ جانِ جاں ہوگا
صدا وہ اور ہی ہے کر دیا جس نے مجھے بیخود ۔۔۔ برہمن اور زاہد مستِ ناقوس و اذاں ہوگا
کوئی ظالم تو آخر میری بربادی کا باعث ہے ۔۔۔ بظاہر آپ ہونگے یا بباطن آسماں ہوگا
جو پیشِ ناقۂ لیلے پیادہ پا چلا کوسوں ۔۔۔ وہ شاید قیسِ وحشی در لباسِ ساربان ہوگا
قیامت خیز چالیں کچھ عجب ہیں فلک کی ہیں ۔۔۔ ستم ہوگا غضب ہوگا یہ بوڑھا جب جواں ہوگا
بیانِ حُسن میں موجود ہے جب حُسن کا نقشا ۔۔۔ تو دلچسپ جہاں میرا نہ کیوں حسنِ بیاں ہوگا
جفا پر تو وفا کرنا نہ ہمت ہارنا اے دل ۔۔۔ جواب نا مہرباں ہے وہ کبھی تو مہرباں ہوگا
ملیگا ایک دن ہم کو بھی تمغہ بے نشانی کا ۔۔۔ نشانِ قبر تک اک روز مٹ کر بے نشاں ہوگا
رہِ طیبہ میں اپنی تیز رفتاری دکھادونگا ۔۔۔ کہ پیچھے کارواں مانندِ گردِ کارواں ہوگا
قدم پہنچنگے جب اپنے نکل آئینگی سودا ہیں ۔۔۔ گریباں کی طرح دامانِ صحرا دھجیاں ہوگا

محلِ شکوہ کب باقی رہا اول سے آخر تک
وہ جب فرما چکے صابرؔ تمھارا امتحاں ہوگا

قول یہ سچ ہے جس سے شر نہ ہوا ۔۔۔ وہ فرشتہ ہوا بشر نہ ہوا
کوئے الفت میں جذبِ دل کے سوا ۔۔۔ کوئی بھی اپنا راہبر نہ ہوا

بحرِ ذخارِ اشک سے بھی مرا — دامن سوزِ عشق تر نہ ہوا

جس کے باعث سے جانِ شیریں جائے — وہ تو فرہاد کچھ ہنر نہ ہوا

میں محبت میں چارہ جوئی کو — کیا کچھ آوارہ دربدر نہ ہوا

آتے جاتے کبھی وہ ٹھکراتے — سر مرا سنگِ رہگذر نہ ہوا

موت کی بھی دعا ہوئی نہ قبول — بد دعا کا بھی کچھ اثر نہ ہوا

تیغِ ابروے یار صد افسوس — ایک بھی زخم کارگر نہ ہوا

کیا گلہ گرچہ میں رہا ناکام — کیا شکایت ہے یوں اگر نہ ہوا

دل وہ ہے جس میں غیرِ تیرِ نگاہ — سرِ سوزن کا بھی گذر نہ ہوا

دل کی ہنگامِ بخیہ ہے یہ صدا — جاتے سوزن بھی نیشتر نہ ہوا

زخم نے دل کے یہ ترقی کی — کارگر کارِ بخیہ گر نہ ہوا

کشورِ دل کا اپنے حاکم ہوں — کیا ہوا کچھ جو کرّوفر نہ ہوا

کون مرتا ہے کس پہ مرتا ہے — کوئی اس حال سے خبر نہ ہوا

دل میں میرے امید تو کیسی — ناامیدی کا بھی گذر نہ ہوا

حیف اس شہر ٹونک کا **صابر**
نام کیوں قدرداں نگر نہ ہوا

یوں زلف میں ہر وقت اگر شانہ رہیگا — عشاق کا دل ایک بھی اُلجھا نہ رہیگا

کیا اس کی خبر تھی کہ یہ دیوانہ رہیگا — سمجھے تھے کہ دل عشق میں فرزانہ رہیگا

اب مُنہ نہ لگائے مجھے لیکن پسِ مردن — ہر وقت لبوں پر مرا افسانہ رہیگا

مرغانِ گرفتار پہ تا چند یہ بیداد — صیاد نہ یہ دام نہ یہ دانہ رہیگا

دل زیست میں پیمانۂ مے اپنا رہا ہے
مرکر بھی یہ خشتِ خُمِ میخانہ رہیگا

سمجھیگا وفادار نہ وہ بھی تجھے اے دل
ہو کر مرا جب مجھ سے ہی بیگانہ رہیگا

دو دن یہ جوانی ہے مزے لوٹ لے ظالم
یہ جلوۂ رخسار پھر ایسا نہ رہیگا

جب تک کہ یہ دیوانۂ کاکل ہیں سلامت
غُل کوچۂ دلدار میں کیا کیا نہ رہیگا

جب تک کہ ملیگا نہ اسے شربتِ دیدار
صابر مرضِ عشق میں دیوانہ رہیگا

دیکھتے ہی اُن کو آئینے کو سکتا کیا ہوا
چشم وا حیرت زدہ کیوں رہ گیا تکتا ہوا

آج تو کر دیجئے تیغِ جفا سے مجھ کو قتل
ہاتھ مَل مَل کر یہ کل کہنا یہ مجھ سے کیا ہوا

اے دل ناعاقبت اندیش اب ہوتا ہے کیا
عشق میں دیوانہ ہو کر خود ہی تو رسوا ہوا

ایک آفت اپنی جانِ ناتواں پر آگئی
اُس پری وش پر یہ دل جس روز سے شیدا ہوا

کہتی ہے غیرت کہ اب اُس شوخ سے ہرگز نہ مل
دل یہ رشکِ غیر پر کہتا ہے کیوں پھر کیا ہوا

مجھ سے جھوٹی عہدِ رشکِ غیر پر لی ہے قسم
دل تو تھا ہی لیکن اب ایمان بھی اُنکا ہوا

اسقدر بیزار مجھ بیمار سے تھا وہ مسیح
میرے مرنے کی خبر سُنکر کہا اچھا ہوا

مجھ سیہ قسمت کا طالع ہوگیا مانندِ خال
آپ کا خالِ کفِ رنگیں یدِ بیضا ہوا

دل تو تھا ہی باعثِ ایذا و اندوہ و الم
دردِ پہلو دشمنِ جاں دوسرا پیدا ہوا

بے تعلق ہو کے مجھ سے جب ملا وہ غیر سے
پھر یہ حیرت ہے کہ دل میں رشک کیوں پیدا ہوا

یکقلم مجھ کو بھلا کر خط وہ غیروں کو لکھیں
یوں ہی تھا اے دل خطِ تقدیر میں لکھا ہوا

ہو رہا ہے خلق میں اظہر من الشمس اپنا حال
الفتِ بے مہر میں کیا کیا نہ میں رسوا ہوا

حضرت صابر کہاں کھویا گیا صبر و قرار
دفعتاً یہ آپکے فہم و خرد کو کیا ہوا

عمر بھر اُس سے رہا جبکہ مرا دل نہ ہوا
پھر بھی کیا چاہِ زنخدان چہ بابل نہ ہوا

ہم بغل مجھ سے جو وہ حور شمائل نہ ہوا
نوجوانی کا مزا خاک بھی حاصل نہ ہوا

کیا کہوں حجلۂ دلدار مرا دل نہ ہوا
پردۂ چشم مگر پردۂ محمل نہ ہوا

یا تو میں اُس کی نزاکت ہی سے بسمل نہ ہوا
یا مری ضد سے کبھی وہ مرا قاتل نہ ہوا

خواہش وصل وہ مایوس بھلا کیا کرتا
بات کرنے کا بھی تا زیست جو قائل نہ ہوا

یوں سہے صدمۂ بیداد تمہارا کب تک
لے بتو تم ہی کہو سنگ ہوا دل نہ ہوا

زورِ وحشت اسے کہتے ہیں کہ میں دیوانہ
فصلِ گل میں کبھی پابندِ سلاسل نہ ہوا

مذہبِ عشق مرا سب سے جداگانہ ہے
بزمِ عشاق میں اس واسطے شامل نہ ہوا

سختیاں عشقِ صنم میں سہیں لاکھوں لیکن
شکرِ خالق ہے کہ مجھ کو مرضِ سِل نہ ہوا

عشق وہ شے ہے کہ فرہاد سا عالی ہمت
مر گیا مار کے تیشہ متحمل نہ ہوا

دل پہ کرتا نہیں تاثیر بیانِ واعظ
علم کب اُس کا ہے کامل کہ جو عامل نہ ہوا

ق

کب صبا نے نہ کیا اُن کا پریشاں گیسو
شانہ اُلجھا تو سزا پانے کے قابل نہ ہوا

بوسہ کس روز لبوں کا نہ لیا ساغر نے
شوخ چشمی سے کب آئینہ مقابل نہ ہوا

مار بیٹھا مجھے بھولے سے جو زلفیں چھو لیں
میری اتنی بھی خطا کا متحمل نہ ہوا

صابر اُس مہر لقا نے جو دکھایا جلوہ
بند آنکھیں ہوگئیں دیدار بھی حاصل نہ ہوا

ہو ہو کے اگر زندہ سو بار فدا ہوتا
حق اُسکی محبت کا جب بھی نہ ادا ہوتا

دل میں بُتِ کافر کے گر خوفِ خدا ہوتا
یوں ظلم و ستم ڈھاتا کب اُس پہ روا ہوتا

عاشق کی محبت کی جب قدر ہوئی ہوتی
عاشق کا اگر عاشق معشوق ہوا ہوتا

کیوں رنج مجھے ہوتے کیوں اُس سے گلے ہوتے
ظالم کا بس وعدہ گر وعدہ وفا ہوتا

فرہاد نہ کرتا گر تیشہ سے علاجِ سر
یہ دردِ محبت ہی آخر کو دوا ہوتا

مژگاں کا ترے ناوک کیا دل کو بیدھ سکتا
گر دل نہ خطا کرتا سو بار خطا ہوتا

تھا آنکھ چرانا ہی مقصود تماشائی
اس قاص عنایت کا کیوں اُن سے گلا ہوتا

کہتے ہیں عبث شکوہ ہے مجھ سے نہ آئیگا
بیہوش کے پاس آخر آتا بھی تو کیا ہوتا

پیری میں بھی اے صابرؔ یہ جوش محبت کا
بیشک مے کہنہ میں زائد ہے مزا ہوتا

حال یہ ہے شبِ ہجراں اپنا
اشکِ غم اور ہے داماں اپنا

اپنی تعریف وہ یوں کرتے ہیں
ہے دہن چشمۂ حیواں اپنا

کثرتِ داغِ غمِ اُلفت سے
تختۂ دل ہے گلستاں اپنا

بڑھ کے ساون کی گھٹا سے ہی کہیں
ہے ہجر میں دیدۂ گریاں اپنا

وادیٔ عشق میں تو اے صابرؔ
جان خالق کو نگہباں اپنا

اُنکی صورت سے حقیقی عشق پیدا ہو گیا
لفظ کے پڑھنے سے حاصل ہم کو معنی ہو گیا

حُسن تھا میرا ہی وہ میں جب یہ شیدا ہو گیا
رازِ حُسن و عشق اب مجھ پر ہویدا ہو گیا

کیسے کیسے بھیس آتے ہیں بدلنا سیکڑوں
دوست کا دشمن کا سب کا تم پہ دھوکا ہو گیا

رشکِ دشمن پر رضا جوئی سے نکلا کام کچھ
درد یہ تیرے لئے اے دل مداوا ہو گیا

چشمِ دل کے سامنے وہ برقِ خاطف کی طرح
گاہ پوشیدہ ہوا اور گاہ پیدا ہو گیا

چشمِ مستِ ساقیِ مہوش کا یہ دیکھا اثر
اک نظر پڑتے ہی زاہد بھی تو مجھ سا ہو گیا

خلق پر شوق شہادت میں تڑپنے سے مرے
جوہر شمشیرِ قاتل آشکارا ہو گیا

دل لیا ہے ہاتھ میں جب سے مرا اُس شوخ نے
خالِ مشکینِ کفِ رنگیں ہویدا ہو گیا

حسنِ لیلیٰ تھا نہ عشقِ قیس کا تھا کچھ وجود
نام سے ہر اک بنائے نام رسوا ہو گیا

یاد ہے یہ اُنکا کہنا وصل میں ہٹ مفتری
کہکے کیا لایا تھا مجھ کو اور یہ کیا ہو گیا

اُنکے آگے اپنی ہستی کو گھٹایا جس قدر
رتبہ لے صابر مرا اُتنا ہی اعلےٰ ہو گیا

یہ مانا کہ شیوہ جفا ہے کسی کا
مگر دل مرا مبتلا ہے کسی کا

بضمنِ شکایاتِ پردہ نشینی
سنا تذکرہ جا بجا ہے کسی کا

نمودِ وجودِ اِس کی ہے اور نہ اُسکی
یہ موئے کمر مدعا ہے کسی کا

نہیں اس میں الزامِ ناقدردانی
تغافل یہ صبر آزما ہے کسی کا

نہ کیوں بیخبر ہوں سر و پا سے اپنے
تصور ز سر تا بپا ہے کسی کا

ذرا دل میں سوچو یہ کیا کر رہے ہو
تمھیں کچھ بھی پاسِ وفا ہے کسی کا

بجا ہے یہ روحی کا ارشاد صابر
زمانے میں کوئی ہوا ہے کسی کا

کیا محبت میں لاکھ پہلو سے دل کو ہم نے ہزار اپنا
مگر یہ بے مہر و بے مروت ہوا نہ دم بھر کو یار اپنا

جو کھینچوں فرقت میں دل سے نالے وہ سنگدل کیا عدو بھی رووے
زمین کیا عرش تک ہلا دے غضب کا ہے اضطرار اپنا

گئے نہ جنگل نہ باغ دیکھا جنوں کو یہ ضعف نے دبایا

نہ بارِ احسان ہے سر پہ گل کا نہ پاؤں ممنونِ خار اپنا
نہ کوئی پہلو ہے چین دم بھر طپاں ہے فرقت میں جانِ مضطر
نہ اپنے قابو میں وہ ستمگر نہ دل پہ ہے اختیار اپنا
نہیں ہے قابو میں اب طبیعت کہاں کی توقیر کیسی عزت
تمھاری الفت میں ہم کو ذلت ہے عین عز و وقار اپنا
کیا جو برباد بعد مردن صبا نے آ کر ہمارا مدفن
اُڑیگا مثل بگولہ پرفن گلی میں تیری غبار اپنا
پڑا ہے کس بے وفا سے پالا جو دل کو ہے اضطراب ایسا
بتاؤ صابر کہاں پہ کھویا ہے تم نے صبر و قرار اپنا

جلد آیئے کہ آنا باقی ہے اب کفن کا
رکھنا درست اے دل ہوش اپنے تا بمنزل
صحرا ہے سلامت ہاتھ آوں کیوں کسی کے
تکلیف کا فسانہ راحت رساں ہو ایسا
ہے ضعف کی یہ حالت کیونکر چلوں بھٹن میں

پتھرا چکی ہیں آنکھیں اور ڈھل چکا ہے منکا
الفت کی راہ ہے یہ کھٹکا ہے راہزن کا
پابند اب نہیں کچھ میں طوق اور رسن کا
سنتے ہیں خوابگہ میں وہ قصہ دل و من کا
وزنِ ہوا ہے سر پہ میرے ہزار من کا

ہر بات پردہ صابر چلتے ہیں مجھ سے ٹیڑھے
چھٹتا کبھی نہیں ہے انداز بانکپن کا

حسن تدبیر سے پرویز بہت شاد رہا
صید ہو کر جو کوئی مونس صیاد رہا
جب تک آمادہ بیداد وہ جلاد رہا

خونِ فرہاد سر گردن فرہاد رہا
مثلِ شہباز وہ پابندی میں آزاد رہا
خوب آباد سوادِ عدم آباد رہا

حُسنِ محبوب ازل سے مرا اُستاد رہا
زندگی بھر سبقِ عشق مجھے یاد رہا

یاد فرمانے کا احسان نہ مانوں کیونکر
محفلِ غیر میں بھی آپ کو میں یاد رہا

کیا عجب اس کا جو تم وصل کا وعدہ بھولے
شکوۂ وعدہ خلافی بھی مجھے کب یاد رہا

فیضِ ساقی سے رہا مست وہی تا بابد
اُس کا ہر امر میں جو تابعِ ارشاد رہا

صحبتِ غیر میں رہکر بھی نہ بھولے اصلا
آفریں طرزِ ستم خوب تمھیں یاد رہا

فردِ عشاق ہیں دیوانِ ازل سے صابرؔ
سداحمد مرے نام پہ ہی صاد رہا

اب طرزِ عمل اُن کی بدل جائے تو اچھا
حالِ دلِ ناشاد سنبھل جائے تو اچھا

ہر روز سناتا ہوں اُسے قصۂ اُلفت
افسوں یہ مرا یار پہ چل جائے تو اچھا

بےچین رہا کرتا ہوں رہنے سے میں اُس کے
سینے سے مرے دل ہی نکل جائے تو اچھا

جوشِ مے الفت سے نہ پھٹ جائے خُمِ دل
آنکھوں سے اُبل کر یہ نکل جائے تو اچھا

دل رشک سے سُلگاتے ہیں صابرؔ وہ ہر روز
اکسیر بنے ایسا یہ جل جائے تو اچھا

کسی کے عشق میں تنہا تو دیکھو دیدۂ تر کا
مرا تارِ نظر رشتہ بنا ہے سلکِ گوہر کا

دخولِ شوق دل میں دمبدم ہے پائے گی گھر کا
ہر اک نقشِ قدم میں جو مٹا چلتا ہوں رہبر کا

ہر اک الزام نے اخلاصِ عاشق کو ترقی دی
ہر اک دشنام نے بخشا مزا قندِ مکرر کا

خدا کی شان وہ آئینہ رو ہو سامنے میرے
نہیں برعکس یہ کہنا سکندر ہوں مقدر کا

نہ کیوں ہو اُس کا استقلال و ہمت لائقِ تحسین
مقابل ہی دل بے دست و پا مژگاں کے لشکر کا

میں قائل ہوں خدا کی بے نیازی کا اُسی دن سے
سُنا ہی جب سے میں نے ماجرا شبیرؓ و شبرؓ کا

خدا کے نام پہ ہو کر تصدق مر گیا عاشق
سنا آوازۂ صبحِ وصل جب اللہ اکبر کا

بُرے اچھوں سے اور اچھے بُروں سے ہوتے ہیں پیدا
پسر تھا نوحؑ کا کنعاں تو ابراہیمؑ آذر کا

لکھوں سے مو کمر کی پھر نہیں تعریف کیا کیا کچھ
قلم ہو ہاتھ میں میرے اگر عنقا کے شہپر کا

دوئی سے ابتدائے عشق ہی معشوق و عاشق میں
بالآخر فرق کچھ باقی نہیں رہتا ہے تل بھر کا

مژہ اُسکی سُنا ہے تشنۂ خونِ رگِ جاں ہے
تماشا ہم بھی دیکھینگے کسی کی نوکِ نشتر کا

کرم گو اُن کا روز افزوں ہے میرے حال پر تاہم
ترقی پر ہے ہر دم اضطراب اس قلبِ مضطر کا

سمندر میرے آتشخانۂ دل کا شرارہ ہے
سمندر سوت ہے اک اپنے ہی اس دیدۂ تر کا

تری محفل میں غم سے فارغ البالی ہوئی حاصل
نہ کرتا خیر اے ساقی چلے اب دورِ ساغر کا

ہے اپنا یار یکتا پاک قیدوں سے مذاہب کی
نہ ہی وہ باپ بیٹے کا نہ وہ بیٹا ہے مادر کا

علی کی دوستی ہو کیوں نہ روز افزوں مرے دل میں
نمک خوار اُس کا ہوں صابر ہے مداح حیدرؑ کا

عکس افگن جب رُخِ روشن تمہارا ہو گیا
دل میں یہ داغِ سویدا بھی ستارا ہو گیا

ابتدائے عشق میں تھا کسقدر یہ ناگوار
کھاتے کھاتے زہرِ فرقت بھی گوارا ہو گیا

یہ دل بیتاب کیونکر سینۂ سوزاں میں ہے
کس طرح سے آگ پر قائم یہ پارا ہو گیا

ہوتا ہے روشن دلوں سے خاکساروں کو بھی فیض
تابشِ خورشید سے ہر ذرہ تارا ہو گیا

جب سے صابر ہو گیا ہے بحرِ الفت کا غریق
آشنا نا آشنا سب سے کنارا ہو گیا

از حد سوالِ وصل پہ اصرار ہو چکا
اقرار اب تو کیجئے انکار ہو چکا

وہ آرزوئے دل سے خبردار ہو چکا
تمہیدِ وصل سنتے ہی ہشیار ہو چکا

ساقی جو تیرے جام سے سرشار ہوچکا
پس روزِ حشر تک بھی وہ ہشیار ہوچکا

اب لن ترانی و ارنی کے وہ دن کہاں
خود فیضِ عشقِ یار سے میں یار ہوچکا

تجویز میں سزا کی کلام اب نہیں رہا
خود مجھ سے جرمِ عشق کا اظہار ہوچکا

سفاک رحم آ مرے دل پہ کب تجھے
جب تیر غرق تا لبِ سوفار ہوچکا

اب میرے حال پہ نہ ستمگار رحم کر
یہ دل رہینِ لذتِ آزار ہوچکا

پہنچا یا ضعف نے مجھے جب بزمِ یار تک
برخاست لوگ ہوگئے دربار ہوچکا

اس میں قسم خدا کی ہے تو جھوٹ کچھ نہیں
میں تم سے عشق کرکے گنہگار ہوچکا

بدنامیوں کا خوف مجھے اب نہیں رہا
رسوائے خلق میں سرِ بازار ہوچکا

اب اضطراب کیوں ہے ضرورت ہی صبر کی
صابرؔ جب اُن کو وصل کا اقرار ہوچکا

رہِ صحرا دکھا دیگا اگر دیوانہ پن میرا
تو کچھ بھی کر سکینگے پھر نہ زنجیر و رسن میرا

ہوئی حسنِ بیاں سے میرے اُنکے حسن کی شہرت
ہوا مشہور اُنکے حسن سے حسنِ سخن میرا

ترے دل میں کدورت تھی مرا دل صاف تھا ایسا
کہ زیرِ خاک بھی اب تک نہیں میلا کفن میرا

دوئی آپس کی ایسی جذبِ الفت نے مٹا دی ہے
کہ میری جان اُنکی جان تن اُنکا ہی تن میرا

ہوں اب محفوظ صابرؔ ضربِ اعدا سے حوادث سے
کہ سنگین حصن ہے کنجِ لحد جوشن کفن میرا

گماں مجھ کو ہوا دیکھی جو زلفِ یار بازو پر
کہ شاہِ چین میں ہوں اور ہی ملکِ ختن میرا

سوا اسکے خبر جوشِ جنوں میں کچھ نہیں مجھ کو
تماشا دیکھ کر ہنستے ہیں اکثر مرد و زن میرا

حیاتِ جاوداں مجھ کو ملی ہے تیغِ قاتل سے
رگِ جاں ہو مرے حق میں ہر اک تارِ کفن میرا

کبھی روٹھا تو مجھ کو دفن تک ایسا ہی رکھوگے
کہ چپ ہو جاؤنگا لب تک نہ آئیگا سخن میرا

دیگر

سرِ بالیں مرے گر وہ مہِ تاباں ہوتا
نخلِ تابوت مرا سروِ چراغاں ہوتا

غارت اپنا نہ یہ نقدِ دل و ایماں ہوتا
کاش وہ کافرِ بدکیش مسلماں ہوتا

پہلے ہی ہے عرقِ شرم کے دریا میں غریق
کیسے ہم پنجہ ترا پنجۂ مرجاں ہوتا

رقص میں جب رُخِ روشن پہ وہ آنچل لیتے
شعلۂ حسن چراغِ تہِ داماں ہوتا

اسقدر دل نہ دُکھاتا جو مرا رشکِ رقیب
کیوں بھلا لب پہ مرے شکوۂ جاناں ہوتا

چرخ گر تفرقہ پرداز نہ ہوتا صابر
میرے گھر جلوہ فگن وہ مہ تاباں ہوتا

گلچیں نے توڑے گل تو تحمل نہ ہو سکا
گلشن میں ضبطِ نالۂ بلبل نہ ہو سکا

ہمرنگِ رُخ چمن کا کوئی گُل نہ ہو سکا
ہموصفِ لف طرۂ سنبل نہ ہو سکا

رشکِ عدو کی منہ سے شکایت نکل گئی
میں کیا کروں کہ مجھ سے تحمل نہ ہو سکا

غمگیں سحر کے خوف نے رکھا شبِ وصال
وہ غنچہ ہوں بہار میں جو گُل نہ ہو سکا

اُن پر جو جذبِ عشق نے اپنا اثر کیا
پھر اُن سے میرے حق میں تغافل نہ ہو سکا

ضبطِ نشاط پی کے کسی سے ہو کس طرح
مینا سے ضبطِ خندۂ قلقل نہ ہو سکا

درکار ہے وسیلہ حضوری کے واسطے
واصل کوئی بغیر توسّل نہ ہو سکا

لٹتا رہا متاعِ دل و صبر عشق میں
فریاد مجھ سے ہو نہ سکی غُل نہ ہو سکا

دولت ملی ہے فقر کی صابر سبب یہ ہے
حاصل مجھے کبھی جو تموّل نہ ہو سکا

ہو نصیب آپ پر اک روز فدا ہو جانا
عشق میں فرض ہے عاشق کا فنا ہو جانا

شمع و پروانہ بھی ہیں عاشق و معشوق عجیب
یعنی دونوں کو ہے جل بجھ کے فنا ہو جانا

زلف شبگوں کا یہ اندھیر تو کوئی دیکھے
دل کشی کر کے پھر آخر ہیں بلا ہو جانا

یاد ہے آپ کا جانا وہ دمِ صبح مجھے
وہ مرے دل کے لئے حشر بپا ہو جانا

ہاتھ رکھنا پئے تسکین وہ مرے سینے پر
دردِ دل کا مرے کچھ اور سوا ہو جانا

لوٹتا دیکھ کے قدموں پہ مجھے از رہِ لطف
دست بوسی کے لئے ہاتھ عطا ہو جانا

جب یہ الطاف و کرم اُنکے ہیں مجھ پر صابر
مجھ کو سو جان سے لازم ہے فدا ہو جانا

خفا ہو کے راضی صنم ہو گیا
کرم مجھ پہ بعدِ ستم ہو گیا

خبر تیری رہتی ہے ہر دم مجھے
محبت میں دل جامِ جم ہو گیا

ڈبویا ہی تھا خواہشِ نفس نے
مگر کچھ خدا کا کرم ہو گیا

کسی کے تبسم نے مارا مجھے
مرے حق میں تریاق سم ہو گیا

تلاشِ کمر میں گئی جانِ زار
وجود اپنے حق میں عدم ہو گیا

امانت کا ہے بوجھ سر پر بہت
قد اس واسطے میرا خم ہو گیا

رہِ عشقِ جاناں میں یہ شکر ہے
کہ صابر میں خاکِ قدم ہو گیا

بلا سے حشر جو عشاق میں بپا ہو گا
نقاب اُٹھائیے احسان آپ کا ہو گا

گِلا بھی کر کے کبھی خوش نہ دل مرا ہو گا
کہ منفعل وہ مرا بانیٔ جفا ہو گا

نگاہِ ناز کا ناوک اگر خطا ہو گا
تو دل کو چشمِ تغافل سے پھر گلا ہو گا

کبھی نہ رنگِ صفت ذات سے جدا ہوگا
حباب ڈوب کے دریا میں ہی فنا ہوگا

گدا وہ کہتے ہیں کیا دیکھئے عطا ہوگا
مری صدا ہے بھلا کر ترا بھلا ہوگا

میں آستانۂ دلدار سے نہ اٹھونگا
کبھی تو موقع اظہارِ مدعا ہوگا

دکھا کے آئینہ توڑا ہے کفرِ یکتائی
وہ جانتے تھے کہ مجھ سا نہ دوسرا ہوگا

دلِ حزیں نہ پریشاں ہو دردِ الفت میں
کہ تیرے حق میں یہی درد تو دوا ہوگا

جگر کو توڑیگا اس کا یقین کامل ہے
جو دل سے آپ کا تیرِ نظر خطا ہوگا

جلا کے چھوڑیگا دشمن کا دل کبھی نہ کبھی
یہ نالہ شرر افشاں اگر رسا ہوگا

بہار آگئی انگور تازہ لانے کو
یہ زخمِ دل غمِ ساقی میں پھر ہرا ہوگا

دکھاؤنگا وہ تماشا تڑپ کے مقتل میں
زبانِ تیغ پہ بھی لفظ مرحبا ہوگا

ضرور ہے کوئی پژمردگیٔ گل کا سبب
وہ کھلکھلا کے چمن میں کبھی ہنسا ہوگا

غمِ فراق مرے واسطے قیامت ہے
تمہارا وعدۂ دیدار کب وفا ہوگا

یہ بت گھر اپنا سمجھنے لگے تھے دل کو مرے
خبر نہ تھی یہ کبھی خانۂ خدا ہوگا

جو دل سے نکلے وہ ہرگز نہیں مرا ارماں
جو لب تک آئے وہ میرا نہ مدعا ہوگا

سزائے جرمِ محبت ملی ہے حبسِ دوام
نہ قیدِ زلف سے یہ دل کبھی رہا ہوگا

اسی امید پر اپنی تو ساری عمر کٹی
کہ آشنا وہ کبھی دیر آشنا ہوگا

ضرور وضع میں صابر کے فرق آئیگا
تغافل اُن کا اگر صبر آزما ہوگا

ردیف بائے موحدہ

سچ ہے انسان کی جب ہوتی ہے تقدیر خراب
سوچتا جو ہے وہ ہو جاتی ہے تدبیر خراب

آپ خودرو کشتِ گل ہیں خطِ گلزار ہی خط
کون کہتا ہے کہ ہے آپ کی تحریر خراب

دل جسے دیجئے وہ دشمنِ جاں بنتا ہے
ہر بلا عشق ہے اور عشق کی تاثیر خراب

داغِ عشق بتِ بے مہر جدائی میں دیا
کر دیا میرا شباب اے فلکِ پیر خراب

ترکِ الفت کے لئے کہتا ہے مجھ سے ہر بار
کس قدر ناصحِ ناداں کی ہے تقریر خراب

راست بازوں کو ضرر کوئی نہیں اے صابر
ہوتے انجام کو ہیں صاحبِ تزویر خراب

آغوش میں اپنے نہیں دلبر شبِ مہتاب
کیونکر نہ جگر جل کے ہو اخگر شبِ مہتاب

دوں نورِ رخِ یار سے تشبیہ میں کیونکر
ہو سکتی ہے کس طرح برابر شبِ مہتاب

روتا ہوں جو میں یاد میں اُس چاند سے رخ کی
ہے موجزن آنکھوں سے سمندر شبِ مہتاب

یہ حال حسینانِ جہاں ہے ترے آگے
جس طرح کہ بے نور ہوں اختر شبِ مہتاب

صابر نہیں وہ ساقیٔ مے نوش بغل میں
بیکار ہیں یہ شیشہ و ساغر شبِ مہتاب

ردیف پائے فارسی

عاشقِ باوفا کو دیکھیں آپ
اور اپنی جفا کو دیکھیں آپ

آئینے میں مری نگاہوں سے
چہرۂ پر صفا کو دیکھیں آپ

کالی ناگن ہے دل کے ڈسنے کو
اپنی زلفِ دوتا کو دیکھیں آپ

خشتِ اندوہ و غم سے ہی تعمیر
دل کے گھر کی بنا کو دیکھیں آپ

نہ بھٹکئے طریقِ الفت میں
صابر اب رہنما کو دیکھیں آپ

ردیف تائے فوقانی

جلوہ فرما ہے جو وہ رشکِ قمر آج کی رات — مثلِ فردوس ہے روشن مرا گھر آج کی رات

دلِ سوزاں سے نکلتے ہیں شرر آج کی رات — ہو نہ جل بھن کے کباب اپنا جگر آج کی رات

نگہِ شوخ شبِ وصل ہے دل کی دشمن — سینے میں تیرِ قضا کا ہے گذر آج کی رات

ہے مرے نالۂ دل کی یہ کشش اے ہمدم — خواب میں آئے جو وہ مجھ کو نظر آج کی رات

بے بلائے مرے گھر وہ شہِ خوباں آیا — شکرِ غم یہ ہوئی مجھ کو ظفر آج کی رات

چشمِ میگوں کے تصور میں ہوا ہوں بیہوش — دین و دنیا کی نہیں مجھ کو خبر آج کی رات

دل بھکا جاتا ہے سینے میں لگی ہے آتش — ہے ترقی پہ مرا سوزِ جگر آج کی رات

میہماں کون یہاں آئیگا صابر کہ جو ہے
شکلِ چشمِ نگراں حلقۂ در آج کی رات

در حیرتم کہ منتظرِ چشم برائے کیست — شام و پگاہ در حرمِ سینہ جائے کیست

ہر صبح از نسیم دماغم معطر است — یا رب شمیم طرۂ زلفِ دوتائے کیست

یابم چو ہر زماں سرِ خود در کنارِ دوست — حیرانم اضطرابِ دلم از برائے کیست

در ذوقِ بیخودی خبرم نیست اینقدر — کیں جانِ زار و قلبِ حزیں مبتلائے کیست

ناقوسِ دیر و بانگِ حرم گوش می کنی — زاہد ندانی اینکہ بہر دو ندائے کیست

اے دل عبث شکایتِ نا آشنائیش — آں بے خبر ز حالتِ ما آشنائے کیست

کردم چو شکوہائے جفا بر وفائے خود — فرمود کایں وفا و جفا مقتضائے کیست

ہموارہ در طریقِ تحیر بہ بیخودی
صابر ز خویش رفتنِ ما رہنمائے کیست

آن روز کے شود کہ ببینم جمالِ دوست
جاں را نثار سازم و یابم وصالِ دوست

از حسنِ بے نظیر بعشقیم بے عدیل
زیں رو کمالِ ماشدہ عینِ کمالِ دوست

گشتم کنوں بہر دو جہاں پشتِ پا زدہ
غرقِ یمِ تصور و محوِ خیالِ دوست

آن بود فرق دیدہ تلویں پسند ما
ماندہ بجا بحالتے ماضی و حالِ دوست

آن ذات مطلق است مبرا ز شرق و غرب
ہر سمت ہست و نیست جنوب و شمالِ دوست

ہر دو شیون را چو مظاہر ہماں یکیست
جانم فدائے شانِ جمال و جلالِ دوست

در بیخودی ز حفظِ مراتب گذشتہ است
ورنہ زبانِ صابر و لفظ وصالِ دوست

ردیف تائے ہندی

بیتابیاں مری ہوئیں نزدیکِ یار جھوٹ
سوزِ فراق و دردِ دلِ بیقرار جھوٹ

جن سے کہ چشمِ ساقی مدہوش پھری نہیں
وہ جانتے ہیں گردشِ لیل و نہار جھوٹ

اے بحرِ حسن الفتِ اغیار ہے دروغ
ہوتے ہیں تیرے سامنے یہ اشکبار جھوٹ

جاتے نہیں ہو چھپکے رقیبوں کی بزم میں
کیوں بولتے ہو کھاکے قسم بار بار جھوٹ

ہم کو نہیں یقیں کہ شبِ ہجرِ یار میں
صابر رہیگا آپ کو صبر و قرار جھوٹ

ردیف ثائے منقوطہ ثلاثہ

ہجر میں عالمِ شباب عبث
عہدِ غم میں خوشی کا خواب عبث

ہم نے بوسہ لیا ہے عارض کا
زلف کھاتی ہے پیچ و تاب عبث

طالبِ دید ہوں تمہارا میں
مجھ سے ہے اسقدر حجاب عبث

بوسہ مانگا تو کیا گناہ کیا
آپ کا مجھ پہ ہے عتاب عبث

اُن کے دانتوں کے روبرو اکثر
ہو گئی موتیوں کی آب عبث

سوزِ ساقی میں دل ہے مثلِ کباب
ہجر میں ساغرِ شراب عبث

ہنس کے بولے سوالِ وصل پہ وہ
ہے تری بات کا جواب عبث

جلوۂ حسن کوئی چھپتا ہے
رُخ پہ ڈالی ہے کیوں نقاب عبث

یاد کرتے ہیں اب ضعیفی میں
کھو کے ہم دولتِ شباب عبث

نہ ملیگا وہ مہ جبیں اس کو
کیوں ہے چکّر میں آفتاب عبث

اشکِ صفا پر ہے جہاں شاداب
تیری بارش ہے لے سحاب عبث

ردیف جیم

میرے گلے کا ہار ہے وہ گلعذار آج
لایا ہے رنگ بادہ کشی کا خمار آج

اب ہو گیا نصیب ہمیں وصلِ دلربا
دل سے نکل گیا غمِ فرقت کا خار آج

دشمن سے گر ہوا نہیں وعدہ وصال کا
پھر کیوں کیا ہے تم نے بناؤ سنگھار آج

دیکھا مجھے جو چشمِ عنایت سے آپ نے
تیرِ نگاہِ ناز ہوا دل کے پار آج

دامِ بلا میں کیا مرے دل کو پھنسا گئی
کیوں پیچ و تاب کھاتی ہے زلفِ نگار آج

وعدہ کیا ہے آنے کا اُس نے جو شام کو
میں پھر رہا ہوں صبح سے دیوانہ وار آج

صفا پر کسی طرح نہیں ڈھلتا ہے روزِ ہجر
کیا رُک گئی ہے گردشِ لیل و نہار آج

ردیف جیم فارسی

حلقۂ مار ہی اُس کاکلِ خمدار کا پیچ
ہے خمِ قوسِ قزح یار کی دستار کا پیچ

کس طرح سے نہ پھنسے طائرِ دل عاشق کا
حلقۂ دام ہی اُس زلفِ سیہ کا کا پیچ

مُوشگافوں نے سر اپنا بہت اس میں مارا
نہ ہوا وا مگر اُس طُرّۂ طرّار کا پیچ

یہ بھی اُس طفلِ مغنی کا ہے حلقہ بگوش
گوش طنبور میں اس واسطے ہی تار کا پیچ

کس کو ایمان کہیں کفر کسے ای صابر
ہم پہ کھلتا نہیں کچھ سبحہ و زنار کا پیچ

ردیف حائے حطی

یارب اُٹھے نقاب کا پردا کسی طرح
دیکھوں رخِ حبیب کا جلوا کسی طرح

حسرت یہ ہی کہ وعدہ ہو پورا کسی طرح
تو وعدہ کر کے وعدے پہ آجا کسی طرح

چلتے ہیں جان بوجھ کے مستانہ چال وہ
منظور ہے کہ فتنے ہوں برپا کسی طرح

جائے خدا کرے کہیں زلفِ بتاں کی یاد
سر سے ہمارے دور ہو سودا کسی طرح

اس دل کو خاکساری ہی مرغوب اس لئے
ہستی کا جامہ تا کہ ہو میلا کسی طرح

جھوٹا ہی وعدہ کیجیے تسکین کے لئے
ٹھہرے تو قلبِ عاشقِ شیدا کسی طرح

تسکیں نہ ہوگی نامہ و پیغام سے فقط
تو قاصد اُس کو جاکے بُلا لا کسی طرح

جب تک ہوا نہ وصل بتِ خوش جمال سے
صابر کے دل کو صبر نہ آیا کسی طرح

ردیف خائے معجمہ

پہنے یوں جو بڑا ہے وہ دلدار سرخ
خون سے ہو جس طرح تلوار سرخ

دیکھیے کس کس کے سر جاتی ہے اب
باندھی ہی اُس ترک نے دستار سرخ

خون کس کا تیرِ مژگاں نے کیا
کیوں ہے تیری نرگس بیمار سرخ

شب کو کیا جاگی ہے بزمِ غیر میں
ورنہ کیوں ہے نرگس بیمار سرخ

ہے کس کے عکسِ عارض کا یہ رنگ
ہے جو صابر بادۂ گلنار سرخ

ردیف دال

ہر شخص کو ہے زیست میں آرام جاں پسند
لیکن ہمیں ہے جور و جفائے بتاں پسند

وقتِ سوالِ بوسہ تمہاری زبان سے
مجھ کو نہیں پسند نہیں ہاں ہی ہاں پسند

ارماں ہے تیری ابرو و مژگاں کی دید کا
آماج دل کو ہے یہی تیر و کماں پسند

ہنگامِ ذبح قند کے شربت سے بھی فزوں
کرتے ہیں آبِ تیغ ترے نیم جاں پسند

ناز و ادا سے اس میں کیا چاہتے ہیں گھر
ایسا بتوں کو ہے مرے دل کا مکاں پسند

جاتی ہے جان غمزہ و انداز و ناز پر
کیوں دل کو ہو نہ شوخیِ جانِ جہاں پسند

کھٹکا نہ باغباں کا نہ صیاد کا خطر
صابر ہمیں ہے باغِ جہاں کی خزاں پسند

در نعت

ہے کعبۂ دیں ابروئے خمدارِ محمد
ایماں ہے مرا مصحفِ رخسارِ محمد

اس وجہ سے ہوں جلوۂ رخسار کا مشتاق
اللہ کا دیدار ہے دیدارِ محمد

یوسف کی فقط ایک زلیخا ہی تھی گاہک
لاکھوں ہیں دل و جاں سے خریدارِ محمد

کیا پیش چلے جنگ میں بدکیش عدو کی
جب خالقِ اکبر ہو مددگارِ محمد

اکرم ہے وہی سب سے پس از ربِ مکرم
صابر یہی کلمہ ہے سزاوارِ محمد

بسر دویم بسوئے مدینۂ احمدؐ
شویم زائرِ روئے مدینۂ احمدؐ

خوشا نصیب من مبتلا کہ از گلِ من
کنند جام و سبوئے مدینۂ احمدؐ

ز سیر کوثر و تسنیم می کند فارغ
تصورِ لبِ جوئے مدینۂ احمدؐ

مزارِ ما بہشتِ بریں نمی باید
فنا شویم بکوئے مدینۂ احمدؐ

سزد چکد چو مے کوثر از لبِ صابر
کہ مست گشتہ ببوئے مدینۂ احمدؐ

غزل فارسی

از دل مذاقِ دردِ تو اصلا نمی رود
رنجوریِ غمت ز مسیحا نمی رود

دانند اہل شرع کہ دیوانہ می رود
میکش بسوئے میکدہ مستانہ می رود

غمگیں مشو انیس و جلیس خیالِ تست
مجنونِ تو ببادیہ تنہا نمی رود

افسونگریش بیں کہ پئے دشمنِ وفا
دل از برم رمیدہ چو بیگانہ می رود

بیخود چناں مباش بہنگام مے کشی
صابر ز دستِ ساقی و پیمانہ می رود

ردیف دال ہندی

خورشید و ماہ کو تو ہے افلاک پر گھمنڈ
کرتے ہیں تیرے خاک نشیں خاک پر گھمنڈ

پا در نہ ہو نصیب تو اکسیر بھی ہے خاک
ہے کیمیا گروں کو عبث خاک پر گھمنڈ

ہر چاک چاک شانۂ دلبر کی شکل ہے
ہم کو ہے اس لئے دلِ صد چاک پر گھمنڈ

دو دن میں اپنا تابعِ فرماں سمجھ لیا
کتنا عدو کو ہے بتِ سفاک پر گھمنڈ

زہاد کو غرور ہے اعمالِ نیک پر
ہم کو شفاعتِ شہِ لولاک پر گھمنڈ

صابرؔ یہی بجھائیگا دل کی لگی ہوئی
ہم کو ہے اپنے دیدۂ نمناک پر گھمنڈ

ردیف ذال منقوطہ

کیسا تھا بوسہ لبِ شیریں دہاں لذیذ
پاتا ہوں اپنے منہ میں ابھی تک زباں لذیذ

خونِ دل اور لختِ جگر ہے مری غذا
مطبخ میں عشق کے ہے یہی آب و ناں لذیذ

اسبابِ عیش کا ہے مزہ وصلِ یار میں
جامِ شرابِ ہجر میں اے دل کہاں لذیذ

ساقی مجھے وہ شربتِ دیدار چاہئے
کہتے ہیں سب پئے جسے پیر و جواں لذیذ

کتنا ہی نوش کیجئے سیری نہ ہو کبھی
صابرؔ ہے کیا ہی بادۂ پیرِ مغاں لذیذ

ردیف رائے مہملہ

پہلے تھا ہم کو اپنی ہی پاکیٔ جاں پہ فخر
لیکن ہے اب تو عصمتِ جانِ جہاں پہ فخر

جلتا ہے روز و شب یہ نہیں دوسرا جگر
اے دل ہے ہم کو سوزشِ داغِ نہاں پہ فخر

قلعی کھلے جو آئیں زمیں پر ترے حضور
کرتے ہیں ماہ و مہر بہت آسماں پہ فخر

روشن ہے بعد مرگ بھی تربت میں مثلِ شمع
ہے ہم کو اپنے سوزشِ داغِ نہاں پہ فخر

جو بات اُن کے دل میں ہے وہ جانتا ہوں میں
صابرؔ مجھے بھی اپنے ہے وہم و گماں پہ فخر

زلفِ جاناں یاد آئی سنبلستاں دیکھ کر
رو دیا میں باغ میں پھولوں کو خنداں دیکھ کر

اسقدر مشقِ ستم اے بت خدا کا خوف کر
دل ستا خلقِ خدا کا دشمنِ جاں دیکھ کر

میں یہ سمجھا جھوم کر گلشن میں آئی ہی گھٹا
عارضِ گلگوں پہ آئے زلفِ پیچاں دیکھ کر

الفتِ شعلہ رخاں بھڑکا رہی ہے دلمیں آگ
خود بخود جلتا ہوں میں فصلِ زمستاں دیکھ کر

دستِ قاتل کو نہ پہنچیگی ذرا تکلیف بھی
دم نکل جائیگا خود وہ تیغِ عریاں دیکھ کر

شکر ہے اللہ کا صابرؔ کہ اُس کافر نے آج
کی تسلی مجھ کو بے صبر و پریشاں دیکھ کر

چھپوگے عاشقِ صادق سے کبتک بدگماں ہوکر
کسی دن سامنے تم آ ہی جاؤ مہرباں ہوکر

نہاں رہکر ملا عشاق سے اپنے عیاں ہوکر
عیاں ہوکر رہا چشمِ مخالف سے نہاں ہوکر

مٹایا خود کو جب خاکِ درِ پیرِ مغاں ہوکر
تو اوجِ مستئ مے میں رہے ہم آسماں ہوکر

سرِ رہ ایک مدت سے پڑا ہوں اس تمنا میں
مٹوں دنیا سے اک دن نقشِ پائے جانِ جاں ہوکر

بھلا کیوں کوئے الفت میں قدم تونے رکھا اے دل
کہ عشقِ گیسوئے پر پیچ لپٹا بیڑیاں ہوکر

یقیں ہے بعد مُردن بھی تلاشِ یار میں برسوں
پھریگی خاک اپنی ہر طرف ریگِ رواں ہوکر

سبق آموزِ عاشق دار ہے منصور کی صابرؔ
کہ آئندہ نہ ہو غماز کوئی رازداں ہوکر

دل میں موجود ہے وہ نورِ سویدا ہوکر
آنکھ میں مردمکِ دیدۂ بینا ہوکر

دل جو میرا تھا رہا وہ بھی تمھارا ہوکر
ہائے افسوس نہ اپنا ہوا اپنا ہوکر

بند کی آنکھ تو تھا پیشِ نظر جلوۂ یار
چشمِ ظاہر سے ہم اندھے رہے بینا ہوکر

جلوہ گہ میں مری حیرت پہ ہر اک حیراں تھا
خود تماشا میں بنا محوِ تماشا ہوکر

مل گئی اُس کے شہیدِ دل کو حیاتِ جاوید
مُردے قاتل نے جلائے ہیں مسیحا ہوکر

دہنِ یار کے اثبات میں کرتا ہوں جو غور
مُنہ سے ہر بات نکلتی ہے معمّا ہوکر

الحمد للہ ہوئے قابلِ طوفِ کعبہ
درِ بت خانہ پہ ہم ناصیہ فرسا ہوکر

خوفِ رسوائیٔ الفت تمھیں کیوں ہے اتنا
چار دن شہر میں رہ جائیگا چرچا ہوکر

سیلِ گریہ نے بڑے وقت میں کی ہے امداد
مجھ کو یاس اُن کے بہالے گیا دریا ہوکر

خاک اُڑا کر ہی جو قسمت میں لکھا تھا مٹنا
کاش مٹتا میں ترا نقشِ کفِ پا ہوکر

نگہتِ جسمِ معطر جو بسی روز افزوں
قیمتی پیرہن اُن کا ہوا میلا ہوکر

صاف یہ شرح ہے الخادم مخدوم کی
کہ ایاز آقا کا مولیٰ ہوا مولا ہوکر

یا تو اپنا ہی بنا رکھے کسی کو انساں
گر نہ ہو یہ تو رہے آپ کسیکا ہوکر

ایک جلوے کے ہیں آئینہ میں دو رنگ
نور ہوکر کہیں چمکا کہیں دھبا ہوکر

نا امیدی وہ مصیبت ہے کہ اللہ بچائے
اور پھر وہ بھی جو پیدا ہو سہارا ہوکر

تم تو افسوس مرے ہوکے رقیبوں کے ہوئے
میں کسی کا نہ ہوا ایک تمھارا ہوکر

تھی وہی راہ نہ تھی اُس سے مفر اے صابر
پہنچے ہم کعبے میں از راہ کلیسا ہوکر

ہر آن اُس ستم ایجاد کی ادا ہے اور
کہ دن کو اور ہے شب کو وہ دلربا ہے اور

عبث یہ خلد کی ترغیب مجھکو ہے واعظ
خدا پرستی سے اپنا تو مدعا ہے اور

ملے جو حور کا بوسہ تو میں نہ لوں واعظ
کہ چومنے میں کسی کے قدم مزا ہے اور

یہ دمبدم ہے فزوں شوقِ طالبِ دیدار
جوابِ صاف پہ بھی عرضِ التجا ہے اور

جرس سے رہروِ پسماندہ کو ہوا ثابت
کہ باقی منزلِ مقصد کا فاصلا ہے اور

ق

حجاب مجھ سے ہوا اوروں سے بیحجاب ہو
تمھیں کہو کہ جفا اس سے بڑھ کے کیا ہے اور

یہ ہمتِ دلِ عاشق ہے داد کے قابل
تمھارے جور پہ بھی مائلِ وفا ہے اور

پلا دیئے مجھے ساقی نے خم پہ خم صابر
مگر وہ تشنہ دہن ہوں مری صدا ہے اور

ردیف ڑائے ہندی

اے دل نہ یار اور نہ اغیار سے بگاڑ
جھگڑا نہ سبحہ سے ہے نہ زنار سے بگاڑ
بادِ صبا ٹھہر نہ سکی ہو گئی ہوا
تجھ میں اور اُس میں ہے یہی سدِ سکندری

باغِ جہاں میں گل سے نہ تو خار سے بگاڑ
میرا ہے اپنے نفسِ سیہ کار سے بگاڑ
ہوتے ہی اُن کے طرۂ طرار سے بگاڑ
نقشِ خودی کو قلب کی دیوار سے بگاڑ

کیا اعتبار نشہ میں انکارِ وصل کا
صابرؔ نہ کیجئے بتِ سرشار سے بگاڑ

ردیف زائے منقوطہ

کریں گے قطع محبت نہ یار سے ہرگز
غبارِ راہِ گذر بن کے ساتھ جائیں گے
وہ خار کھاتے ہیں الفت میں یہ ارادہ ہے
بری حسابے شاید ہیں حضرتِ واعظ
رقم ہیں اُس گل خوبی کے وصف نیو امیں

پھریں گے اپنے نہ قول و قرار سے ہرگز
جدا نہ ہونگے ہم اُس شہسوار سے ہرگز
ملینگے اب نہ کسی گلعذار سے ہرگز
نہیں ہے خوف انھیں روز شمار سے ہرگز
نہیں یہ باغ ہے خالی بہار سے ہرگز

رہینگے چاک گریباں جنوں میں اے صابرؔ
رفو کرینگے نہ دامن کے تار سے ہرگز

ردیف سین

سرخ آویزہ ہے یوں کاکلِ خمدار کے پاس
کس طرح چھوڑیگا دربان درِ دلدار کے پاس
لن ترانی کی کوئی حد بھی ہے اے شعلۂ طور

من ہو سکھا ہوا جس طرح سیہ مار کے پاس
مجھکو آنے نہیں دیتا کبھی دیوار کے پاس
دل تڑپکا جاتا ہے آ طالب دیدار کے پاس

صحبتِ یار میں اغیار بھی شامل ہیں یونہیں
باغ میں جیسے رہا کرتا ہے گل خار کے پاس

چشمِ میگوں کے قریں ابروئے خمدار نہیں
تیغ رکھی ہوئی ہے مستِ سیہ کار کے پاس

دل میں سوراخ ہزاروں ہیں پئے نظارہ
اب میں کیوں جاؤں کسی روزنِ دیوار کے پاس

ذرۂ نعمتِ عطا کی بھی تعمیل ہے واجب صابرؔ
ورنہ ہر وقت رہا کرتا میں دلدار کے پاس

ردیف شین

پھرا رہی ہے مجھے چشمِ یار کی گردش
دکھا رہی ہے یہ لیل و نہار کی گردش

رہِ طلب میں کسی کی سدا رہا برباد
گئی نہ بعدِ فنا بھی غبار کی گردش

یقیں ہے کھائے نہ چکر فلک ٹھہر جائے
جو دیکھے رقص میں دامانِ یار کی گردش

کہو صبا سے یہ مژدہ سنائے بلبل کو
کہ سوئے باغ ہوتی پھر بہار کی گردش

اثر سے جذبِ محبت کے روز رہتی ہے
ہمارے کوچہ میں اس گلعذار کی گردش

ملا نہ رشکِ چمن کوئی باد فا صابرؔ
ریاض دہر میں ہم نے ہزار کی گردش

غزل فارسی

بزخمِ کاریِ تیغِ نگاہِ خنداں باش
بیائے قاتلِ خود جانفشان رقصاں باش

بوقتِ دیدِ رُخِ سادہ شاد و فرحاں باش
دمِ نظارۂ زلفِ سیہ پریشاں باش

غنیمت کہ بدست آر رتبۂ ملکوت
نکلک مباش نبز دملیک انساں باش

نظر مکن بتماشائے عالمِ ناسوت
مدام سایر و زائر بعالمِ جاں باش

چو قطرہ ہستیِ خود در ہوا مکن برباد
بذاتِ بحرِ فنا گشتہ عینِ عمّاں باش

تو یاد کن زکسے عہد کردہ گاہے
پس استوار بر آں عہد خویش و پیماں باش

بشکرِ عشق کہ ہست آں مقام محمودہ
مدام مستِ الستِ شرابِ عرفاں باش

ابرو گدائے درِ میکدہ شو اے صابر
بدستِ جام زساقی بگیر و سلطاں باش

ردیف صاد

وہ نغمہ سنج کرتا ہے جب انجمن میں رقص
اُس کی زبان کرتی ہے اُسکے دہن میں رقص

دل میں در آئیگا جو کسی دن وہ زہرہ وش
برسوں کریگی روح ہماری بدن میں رقص

اُس کے خرامِ ناز کو گلشن میں دیکھ کر
طاؤس و کبک کرتے ہیں صحنِ چمن میں رقص

وہ بت اگر چلے مری میت کے ساتھ ساتھ
تو کیا عجب کرے تن بیجاں کفن میں رقص

پایا شرف ہے جب سے قدوم حبیب کا
کرتے ہیں نجم سطحِ چرخِ کہن میں رقص

صابر کو وجد ہے بتقاضائے فرطِ ذوق
اس سے غرض نہیں ہے کہ داخل ہی فن میں رقص

ردیف ضاد منقوطہ

عاشق ہوں میں ترا مجھے دنیا سے کیا غرض
تیرے سوا نہیں ہے کوئی مدعا غرض

ذلت کے اپنے آپ سے کیا کیا سبب کہوں
خواہش مرا داد امید التجا غرض

یہ تجربے کی بات ہے دشمن تو در کنار
اٹکائے دوست سے بھی نہ ہرگز خدا غرض

میری برائی کرتے ہیں غیروں کے سامنے
اور مجھ سے کہتے ہیں مجھے کہنے سے کیا غرض

صابر خدا کا واسطہ اور وہ ستم شعار
ان سنگدل بتوں کو خدا سے ہے کیا غرض

ردیف طائے مہملہ

نکلا ہے رُخ پہ اے صنم گلعذار خط
گھر بیٹھے ہم کو بھیجو گے اب تم ہزار خط

آتا نہیں جواب وہاں سے کبھی مگر
ہم بھیجتے ہیں روز اُسے تین چار خط

لکھوں میں اُن کو دیدۂ خوں بار کا جو حال
بن جائے صاف رو کش ابرِ بہار خط

مضمونِ شوق اُس نے کسی دن پڑھا نہیں
ارسال ہم نے اُس کو کئے بے شمار خط

روئیدہ جیسے سبزہ ہو دیوارِ باغ پر
اس طرح روئے یار پہ ہے آشکار خط

شیدا نہ ہونگے اب گلِ رُخسارِ یار پر
گو سبز باغ ہم کو دکھائے ہزار خط

اُس جان جاں میں اب بھی نکلتی ہے ایک بات
صابر اگرچہ رخ پہ ہوا آشکار خط

ردیف ظائے منقوطہ

فقط اک مجھ سے ہی اُس شوخ کو منظور لحاظ
بزمِ اغیار میں ہو جاتا ہے سب دور لحاظ

پھر تعجب نہ ہوا اتنا مری بے ہوشی پر
گر کریں آپ سرِ واقعۂ طور لحاظ

اشک وہ پونچھتے ہیں میرے تبسم سے کبھی
گو تکلم سے اُنھیں رکھتا ہے معذور لحاظ

کچھ نہ کچھ ملتا مری عرضِ تمنا پہ جواب
بولتے وہ جو نہ کرتا اُنھیں مجبور لحاظ

تمکنت مانعِ گفتار ہے ورنہ صابر
یہ غلط ہے کہ کرے وہ بتِ مغرور لحاظ

ردیف عین مہملہ

بن گئی ہے بزم میں ہم صورت دیوانہ شمع
روئے روشن پر تمھارے ہو گئی پروانہ شمع

جائیگی اسکی سیاہی نورِ حسنِ یار سے
آکے روشن کر نہیں سکتی مرا کاشانہ شمع

دل پر اسکے ہے یہ پروانے کے جلنے کا اثر
دُھنتی ہے محفل میں سر اپنا جو بیتابانہ شمع

کان کی لو میں ہی اُس مہ رو کے ایسی آب و تاب
بن گیا ہی حُسن سے بُندے کا ہر دُردانہ شمع

جل بجھے آکر نہ کیوں اس بزمِ عشرت خیز میں
شعلۂ رخسار پر تیرے ہی خود پروانہ شمع

رُخ سے اپنے یار نے شب کو جو سرکائی نقاب
کیک سمجھا چاند اے صابرؔ اُسے پروانہ شمع

ردیف غین

ہے مرے داغِ جگر کا قبر میں روشن چراغ
کیا ضرورت ہے جلانے کی سر مدفن چراغ

روشنیٔ ظاہری کی کچھ مجھے حاجت نہیں
خانۂ دل کا ہے میرے وہ رخِ روشن چراغ

داغ دل کو رکھتی ہے تازہ ہوائے وصلِ یار
رات دن جلتا ہی سینے میں ہے بے روغن چراغ

جب لہو تن میں نہیں تو کیا امیدِ زندگی
دیکھ لو دم بھر نہیں جلتا ہی بے روغن چراغ

کوئی اتنا بھی نظر آتا نہیں صابرؔ مجھے
میرے مدفن پر جلائے جو پس مردن چراغ

ردیف فا

چال کا تیری ہے شہرہ اے ستمگر ہر طرف
ہے بپا دنیا میں اب تو شورِ محشر ہر طرف

کیوں نہ ہو جوشِ جنوں کا ہے شہرہ چار سمت
جیب و داماں اُڑ رہے ہیں پرزے پرزے ہو کر ہر طرف

بہرِ قتلِ عاشقاں مقتل میں مژگاں کا تری
چلتا رہتا ہے اشارہ شکلِ خنجر ہر طرف

سوزِ دل سے ہجر میں اُس آتشیں رخسار کے
ہیں شرر اُڑتے مری آہوں کے اکثر ہر طرف

قطع الفت سے عبث مایوس ہے دل اسقدر
اور مل جائینگے معشوق اُس سے بہتر ہر طرف

نور کس دل میں نہیں اُس چاند سے رخسار کا
جلوہ افگن ہو تم اے خورشید منظر ہر طرف

استراحت کے لئے اُس ماہ وش کے شل گل
بچھ گئے ہیں چرخ کے بستر پہ اختر ہر طرف

تا کُھلے پست و بلند دہر کا انساں کو حال
سیر کرنا چاہئے دنیا میں آ کر ہر طرف

وحشیٔ مژگاں نے تیرے جب نکالا گھر سے پاؤں
بچھ گیا اُسکے لئے کانٹوں کا بستر ہر طرف

یاد میں اُس بحرِ خوبی کے کبھی رویا جو میں
موج زن مجھ کو نظر آیا سمندر ہر طرف

خوب ہم جی بھر کے گھوریں گے بتانِ ہند کو
ہوتے جاتے ہیں نئے تعمیر مندر ہر طرف

ختم دہلی لکھنؤ پر ہو گیا لطفِ زباں
یوں تو ہیں کہنے کو اے صابر سخنور ہر طرف

ردیف قاف

ہوا ہے عشق میں دل اپنا داغ دارِ فراق
چُبھے ہیں پہلو میں اک عمر اپنے خارِ فراق

فزوں ہے دن سے کہیں روشنی میں وصل کی رات
سیاہ تر شبِ یلدا سے ہے نہارِ فراق

شبِ وصال تو دشمن بھی دوست بنتے ہیں
مگر کوئی نہیں ہوتا ہے غمگسارِ فراق

زباں پہ لاؤں تو چھالے ابھی دہن میں پڑیں
نہ پوچھو کیفیتِ آہِ پُر شرارِ فراق

لگا کے تیغ سبکدوش کر کہیں قاتل
کہ مدتوں سے ہے سر پر ہمارے بارِ فراق

ہمیں فراق میں رہتی ہے وصل کی امید
اُنھیں وصال میں رہتا ہے انتظارِ فراق

خزاں بہار جوانی کی ہے یہ لے صابر
خدا کرے کہ خزاں ہو کہیں بہارِ فراق

ردیف کاف فارسی

خدا لیجائے یثرب کی زمیں تک
کہ پہنچوں رحمۃ للعالمیں تک

حجاباتِ خودی کو دُور کر کے
میں پہنچا آخر اُس پردہ نشیں تک

اُسی خورشید رو کی روشنی ہے
سرِ افلاک سے فرشِ زمین تک
جو دیکھے خاک پر وانہ تو سمجھے
سلوکِ راہِ الفت ہے یہیں تک

دمِ رخصت یہ فرمایا کہ صابرؔ
رہے رازِ نہاں میرا ہمیں تک

دیگر

تیرے تیروں کے نہیں نکلے ہیں پیکاں ابتک
ہے وہی دل میں مرے کاوشِ مژگاں ابتک
دمِ آخر ہے مگر دردِ محبت نہ مٹا
ہے نہاں دل میں مرے آتشِ سوزاں ابتک
ہوتا اب تک نہ اگر گردشِ دوراں کا اثر
تو مرا کیا نہ نکلتا کوئی ارماں اب تک
دعوئ عشق جوانی میں نہ کرنا تھا کبھی
میں اس اپنی غلطی پر ہوں پشیماں ابتک
اس میں بھی ذرۂ حُسنِ ازلی جا چمکا
ہے جو یہ آئینۂ مہرِ درخشاں اب تک
ظلمِ قاتل کو زمانہ ہوا لیکن دیکھو
چرخ پر ہے اثرِ خونِ شہیداں اب تک
الفتِ زلفِ پریشاں کا اثر باقی ہے
دیکھ لیتا ہوں کبھی خوابِ پریشاں ابتک
یاد آجاتا ہے جب واقعۂ کرب بلا
ابر ہو جاتا ہے بیساختہ گریاں ابتک
اسکی وسعت میں چھپے رہتے ہیں سب عیبِ جنوں
پردہ پوش اپنا ہے دامانِ بیاباں ابتک
ایسا نظروں میں سمایا ہے جمالِ یوسفؑ
چشم وا رکھتا ہے اپنی چہِ کنعاں ابتک
نیچی رکھتے نہ سرِ بزم جو وہ اپنی نظر
زندہ رکھتی نہ مجھے نرگسِ فتاں ابتک
غم نہیں کانٹوں نے دامن جو اُلجھ کر پھاڑا
کہ مرے واسطے ثابت ہے گریباں ابتک

ہے ابھی سلسلۂ الفتِ گیسو باقی
خواب میں آتی ہے صابرؔ شبِ ہجراں ابتک

چار یارانِ ہمیبرؐ ہیں مگر چاروں ایک — مرتبے میں مجھے آتے ہیں نظر چاروں ایک

استر و شیشہ و سیماب و صفا چار ہیں گو — عکس کو دیکھو تو آتے ہیں نظر چاروں ایک

جلوۂ عکسِ نبی ہے انھیں چار آئینوں میں — چار صورت میں ہیں معنیٰ میں مگر چاروں ایک

دُوربیں ایک ہے، گو اُس میں ہیں آئینے چار — چشمِ بینا کو وہ آتے ہیں نظر چاروں ایک

چشمِ باطن سے جو دیکھے تو نظر آئیں اُسے — حذف و انجم و خورشید و قمر چاروں ایک

مسئلہ وحدت و کثرت کا ہوا تخم سے حل — یعنی ہیں شاخ و بن و برگ و ثمر چاروں ایک

دیکھو انساں کے عناصر میں ہے توحید کی رمز — گرم و سرد اور ہیں یہ یابس و تر چاروں ایک

آتشِ عشق سے میں جل کے ہوں صابر الکسیر
مجھ کو ہیں خاک و مس و نقرہ و زر چاروں ایک

بالوصف عیاں ہو کر بالذات نہاں کبتک — اے نام و نشاں والے بے نام و نشاں کبتک

چشمے مری آنکھوں کے ہر وقت رواں کبتک — فرقت میں تری ہر دم یہ شور و فغاں کبتک

مانا کہ جوانی کی دولت ہے بڑی لیکن — یہ حُسن بھلا کے دن انسان جواں کبتک

افسانہ محبت کا اے دل وہ سُنے تا کے — یہ ذوقِ سخنگوئی یہ جوشِ بیاں کبتک

ہے رویتِ ماہِ عید ابروے تری پیدا — دے جام مئے گلگوں ساقی رمضاں کبتک

آواز یہ کس کی ہے مخزن ہے کہاں اس کا — پھر شیخ یہ تفریقِ ناقوس و اذاں کبتک

ہر جلوہ اُسی کا ہے ہر دم بلباسِ نو — اے دل تو رہیگا یوں پابندِ گماں کبتک

اظہارِ تمنا کو کیا بھول گئے صابر
ہے وصل کی شب آخر خاموش زباں کبتک

تو ابکے سال تو ایسا ہو خوش خرام فلک — کہ جتنے بگڑے ہوتے ہیں بنیں وہ کام تلک

ہوں ایسے شاہ کی نظروں کا دیکھنے والا
کہ جس کی چشم کی گردش کا ہی غلام فلک

ہزار سر یہ اُٹھائے مگر قیامت تک
نہ دیکھ پائیگا اُس مہروش کی بام فلک

گدا کو شاہ کیا شاہ کو گدا اُس نے
ہمیشہ دہر میں کرتا رہا یہ کام فلک

کسی کو چین سے یہ دیکھتا نہیں دم بھر
کہ ہم کو رکھتا ہے گردش میں صبح و شام فلک

ہماری بادہ کشی کا یہ ظرف ہے ساقی
کہ اپنے آگے ہے چھوٹا سا ایک جام فلک

رہے ہیں تا دمِ معراج شوقِ مقدم میں
بشکل دیدۂ مشتاق وا تمام فلک

مجھی پہ خاص یہ کرتا ہے ظلم اے صابرؔ
وگرنہ عام کو رکھتا ہے شاد کام فلک

یوں رُخ ہے اُن کا گیسوئے خمدار سے الگ
خورشید جس طرح ہو شبِ تار سے الگ

مجھ سے نہ لن ترانی کی لو صورتِ کلیم
دیکھو رہو نہ طالبِ دیدار سے الگ

گریاں ہوا جو بیٹھ کے میں زیرِ قصرِ یار
دربان بولا سایۂ دیوار سے الگ

اُن کی گلی میں جا نہیں سکتا ہزار حیف
بلبل وہ ہوں کہ رہتا ہوں گلزار سے الگ

صابرؔ یہ دل میں آتا ہے جا کر وہاں رہیں
جو سرزمیں ہو چرخِ ستمگار سے الگ

بدلے یارب کہیں خزاں کا رنگ
سبز ہو جائے بوستاں کا رنگ

آنکھیں بے نور زرد چہرہ ہے
دیکھئے اپنے نیم جاں کا رنگ

ہے مرے دودِ آہ کا یہ اثر
نیلگوں ہے جو آسماں کا رنگ

دیکھ کر تیری چمپئی رنگت
ہو گیا زرد زعفراں کا رنگ

ہو گیا جل کے مثل خاکستر
آتش غم سے استخواں کا رنگ

میرے نالوں کا ہے اثر صابرؔ
فق جو ہے روئے جانِ جاں کا رنگ

ردیف لام

خوبیٔ قسمت سے ہے وہ میرا مہماں آجکل
گھر ہے اپنا منزلِ خورشیدِ رخشاں آجکل

ہے خیالِ مصحفِ رخسارِ جاناں آج کل
حفظ ہے فضلِ خدا سے مجھ کو قرآں آجکل

لیکے کیا انجام ہو اے حضرتِ دل دیکھئے
پھر ہوا ہے آپ کو عشقِ حسیناں آجکل

رات دن ہے جوشِ بارش فصل ہی برسات کی
تو بھی طغیانی دکھائے چشمِ گریاں آجکل

کوئی بچتا ہی نہیں ہے جس کے تیرِ ناز سے
اُس کماں ابرو پہ ہے جاں اپنی قرباں آجکل

جلوہ گر گیسوئے رخِ پرنورِ جاناں پر نہیں
گُل دکھاتا ہے بہارِ سنبلستاں آجکل

فصلِ گُل میں یاد میں اُس لف کی سیر کے لئے
مارِ پیچاں باغ میں ہے سنبلستاں آجکل

قتل تو وہ دل ہے میرا چشمِ تیرانداز میں
تیر کی مانند ہیں وہ موئے مژگاں آجکل

لے کے دل میرا بنے ہو دشمنِ جاں جب سے تم
دوست میرے بن گئے ہیں رنج و حرماں آجکل

سوجھتی کچھ بھی نہیں تدبیرِ وصلِ یار کی
صورتِ آئینہ رہتا ہوں میں حیراں آجکل

خود غنی ہیں ہم کو پروا ہی کسی شی کی نہیں
پُر گُہر اشکوں سے رہتا ہے یہ داماں آجکل

عشق میں اک غنچہ لب کے اسقدر کھاتے ہیں داغ
بن گیا ہے اپنا تن رشکِ گلستاں آجکل

ہو گیا مجھ کو جنوں اک مہوش کے عشق میں
مطلعِ خورشید ہے چاکِ گریباں آجکل

شرم سے رکھ لیتے ہیں اکثر وہ اپنے منہ پہ ہاتھ
ابر میں آجاتا ہے خورشیدِ تاباں آجکل

سُن کے میرے شعر کہتے ہیں یہ سب اہلِ سخن
ہے طبیعت زور پر صابرؔ علیخاں آجکل

اب درِ دلدار پہ ہر وقت رہتی ہی نشست
دوست اپنا بن گیا ہی اُس کا درباں آجکل

گرد و پیش اپنے پری زادوں کا رہتا ہی ہجوم
وقت کا اپنے بنا ہوں میں سلیماں آجکل

ان دنوں حاصل ہزاروں کو سبکدوشی ہوئی
کس کی گردن پر نہیں قاتل کا احساں آجکل

بنکے ناگن کس کو ڈستی ہے یہ ناگن دیکھیے
پیچ و خم کھاتی ہے اُن کی زلفِ پیچاں آجکل

دل کو پھر الفت ہوئی ہی ایک آہو چشم سے
ہو گیا مسکن ہمارا پھر بیاباں آجکل

دیگر

جسے ہم نے سمجھا جتانے کے قابل
وہ تھا رازِ الفت چھپانیکے قابل

نہیں وہ نزاکت سے آنے کے قابل
نہ ہم ہیں نقاہت سے جانیکے قابل

صنم خانۂ دل ہے ڈھانے کے قابل
یہ مندر رہے کعبہ بنانے کے قابل

نظر بھی اُٹھاتے نہ تھے جو حیا سے
ہوئے اب وہ آنکھیں دکھانے کے قابل

یہ سر اُنکے قدموں پہ جھکنے کے لائق
قدم اُنکے ہیں سر جھکانے کے قابل

دہن کا معمّا نہ کچھ کر سکے حل
زمانے کے دانا زمانے کے قابل

درِم بوسہ اُن کا یہ کہنا ادا سے
ہٹو تم نہیں مُنہ لگانے کے قابل

سر بزم وزدیدہ نظر و نے صابر
چُرا لی جو شے تھی چرانے کے قابل

یہ مدِ نظر تھا حجاب اوّل اوّل
کہ رُخ سے نہ سرکی نقاب اوّل اوّل

کہاں تھا یہ جوشِ شباب اوّل اوّل
کہ ہوتا ہے زردآفتاب اوّل اوّل

سکوتِ حیا ہم سمجھتے تھے اُس کو
کہ ملتا نہ تھا کچھ جواب اوّل اوّل

نہیں دوسرے دن کی اُسکو حاجت
پڑھے عشق کی جو کتاب اول اول

شبِ وعدہ وہ شام سے بیقراری
دلِ زار کا اضطراب اول اول

ہوا خوگرِ ضبط برسوں میں جاکر
نہ تھی عشق کی دل کو تاب اول اول

نہیں عشق پابندِ اسباب ظاہر
زلیخا نے دیکھا تھا خواب اول اول

وہ صابر زمانہ ہوا آخر آخر
رہے ہم پہ قہر و عتاب اول اول

ردیف میم

ہوں جان و دل مرے یارب فدائے ابراہیم
رہے ہمیشہ یہ سر زیرِ پائے ابراہیم

ہوائے خلد نہیں چاہیئے مجھے واعظ
سمائی ہے مرے سر میں ہوائے ابراہیم

یہی دعا ہے یہی آرزو یہی امید
کہ خود میں میری خودی کو گمائے ابراہیم

الٰہی یہ مری آنکھیں ہوں جلوہ گاہ جمال
کہ کچھ دکھائی نہ دے ماسوائے ابراہیم

ہوا ہیں گو ہمہ تن جلوہ لیکن اس پہ بھی
رہی فزونیٔ شوقِ لقائے ابراہیم

یہ درجِ لعل ہے شایاں ہی ایسے گوہر کے
حریم دل میں ہی بہتر ہے جائے ابراہیم

کروں مدام جلال و جمال کی سیریں
طفیلِ الفتِ زلفِ دوتائے ابراہیم

کبھی نہ حورِ جناں کو لگائے منہ واعظ
جو پائے بوسۂ جاں بخش پائے ابراہیم

میں جان و دل سے فدا کیوں نہ ہوں بھلا ضیا
خدا کی شان جو خود میں دکھائے ابراہیم

زلفوں کو حجابِ رخِ زیبا نہ کرو تم
ہے وصل کی شب آج تو پروا نہ کرو تم

دشمن وہ نظر آئینگے جو دوست ہیں میرے
زنہار شبِ وصل کا چرچا نہ کرو تم

اے عاشقو جل بجھنے کی پروا نہ کرو تم
دل شمعِ رخِ یار پہ پروانہ کرو تم

چرچا کبھی احباب سے اس کا نہ کرو تم
اے حضرتِ دل یار کو رسوا نہ کرو تم

اچھے نہیں آنکھوں سے رقیبوں سے اشارے
پُتلی کا سرِ بزم تماشا نہ کرو تم

رو رو کے شبِ فرقتِ دلدار میں آنکھو
دل کو مرے دریا میں ڈبویا نہ کرو تم

لایا گلہ ظلم و ستم میں جو زباں پر
وہ کہنے لگے شکوہ بیجا نہ کرو تم

صابر رخِ پُرنور کو ہے خوف نظر کا
ہر دم اُنھیں یوں پیار سے دیکھا نہ کرو تم

دیکھتے ہیں شمع پر جب اُس کے جل جانے کو ہم
عاشقِ شیدا ہیں پھر کیوں نہ پروانے کو ہم

آگئے ہیں دنیا میں ہی دل رنج و غم کھانے کو ہم
ابرِ باراں کی طرح سے اشک برسانے کو ہم

اُن کی صورت کے تصور سے ہی اپنی زندگی
کرتے ہیں آباد اپنے دل کے ویرانے کو ہم

آبِ خنجر کو سمجھتے ہیں ترے آبِ حیات
جانتے ہیں زندگی فرقت میں مر جانے کو ہم

شکل اس کی ملتی ہے اپنے دلِ صد چاک سے
دیکھتے ہیں غور سے اس واسطے شانے کو ہم

ضبطِ گریہ میں سراسر جان کا نقصان ہے
سمجھیں پھر بہتر نہ کیوں اشکوں کے بہ جانے کو ہم

سر پھراتا ہے ہمارا کیوں عبث بک بک کے تو
ناصحا کب مانتے ہیں تیرے سمجھانے کو ہم

اِس سے ہی اُگتا ہے نخلِ آرزو صابر کبھی
کیوں نہ پھر سمجھیں غنیمت اشک کے دانے کو ہم

دیگر

دامِ گیسو میں گرفتار رہیں ہم
چشمِ بیمار کے بیمار رہیں ہم

اُنگلیاں اُٹھتی ہیں جلتے ہیں جدھر
اب تو رسوا سرِ بازار رہیں ہم

مال و دولت کا نہیں تجھ سے سوال
محو دیدار رہا کرتے ہیں

ایک بوسے کے طلبگار ہیں ہم
بادۂ عشق کے سرشار ہیں ہم

ربط زلفوں سے بڑھا کر صابر
کن بلاؤں میں گرفتار ہیں ہم

فارسی

خوشا کہ جامۂ ہستی خویش پارہ کنم
ز سر حد خرد و ہوش خود کنارہ کنم

کشد چو قاتل خود بیں مرا بتیغ ستم
بحشر آرزوے قتل از و دوبارہ کنم

چو نیک منزلت جذب عشق میدانم
چرا بحسرت پئے وصل استخارہ کنم

برمز عشق بود گر کلام ناصح ما
بگوش ہوش خود از شوق گوشوارہ کنم

چو کار من ہتولاے اوست ای صابر
عجب مدار کہ رشک عدو گوارہ کنم

دل بنقش قدم یار تپاں می بینم
روح را در پئے جانانہ رواں می بینم

ہر زماں ذوق وصال تو بجاں می یابم
جلوۂ تازہ بچشم نگراں می بینم

از رہ عشق تو آنکس کہ بسوئیت بدوید
چوں دل گم شدہ بے نام و نشاں می بینم

آں امانت کہ سبک یافتہ بودم بازل
بعد برداشت و را کوہ گراں می بینم

برق حسنیکہ در افگند زپا موسیٰ را
من بعینہ برخ پیر مغاں می بینم

زاد راہ ملکوت و جبروت و لاہوت
بخدا بندگی پیر مغاں می بینم

دم نظارۂ آں ماہ جبیں ای صابر
جامۂ ہستی خود مثل کتاں می بینم

انچه در دیده عیاں بود نمی دانستم | پردۂ وہم و گماں بود نمی دانستم
دمِ رخصت پسِ دلدار دل خوں گشتہ | پیہم از دیدہ رواں بود نمی دانستم
آنکہ بُد در نظرم سلسلۂ تارِ نفس | جادۂ عمرِ رواں بود نمی دانستم
مدۃ العمر مرا نام و نشانش بفریفت | بے نشانیش نشاں بود نمی دانستم
بر ملا ذوق جمالیکہ نگاہم دریافت | پسِ صد پردہ نہاں بود نمی دانستم
جُست و جویش بحرم برد مرا چندیں بار | او قریں از رگِ جاں بود نمی دانستم
دوش تر سابچۂ راکہ دلم نیز ربود | آفتِ پیر و جواں بود نمی دانستم

گلشنِ دہر بہاریکہ نمود اے صابرؔ
ہمہ در اصل خزاں بود نمیدانستم

ردیف نون

یہ خوشی کیا کم ہے مجھ کو حُسن کی منزل میں ہوں | دور بیٹھا ہوں مگر میں یار کی محفل میں ہوں
گو بظاہر غیر بنکر غیر کی محفل میں ہوں | وہ بباطن ہیں مرے دل میں میں اُنکے دل میں ہوں
وصل میں بھی کثرتِ ارماں یا تا دل میں ہوں | مثلِ مستسقی میں لب تشنہ حدِ ساحل میں ہوں
ندا دی قیس کو لیلےٰ نے دشتِ نجد میں | میرے دیوانے ادھر آ پردۂ محمل میں ہوں
کنجِ عزلت میں ہوں پوشیدہ ہر اک کی آنکھ سے | سفر میں جانتے ہیں مجھ کو منزل میں ہوں
کیجئے حل میری ہر مشکل مرے مشکل کشا | اِن دنوں میں ہر طرح اُلجھا ہوا مشکل میں ہوں
عکس اُس کا آنکھ کی پتلی میں باقی ہے ابھی | قتل ہوکر بھی تو بس نظارۂ قاتل میں ہوں
وصل کی شب سر جھکائے وہ ادھر ہیں منفعل | شکوہ کرکے میں ادھر شرمندہ اپنے دل میں ہوں
میرے دل میں کون ہے کس کی آ رہی ہے صدا | محملِ ناقہ میں لیلےٰ تھی میں اس محمل میں ہوں

ہر گھڑی ہے اُس بُتِ سفاک سے ملنے کی دُھن
میں مریضِ عشق ہوں فکرِ علاجِ سِل میں ہوں

فخر ہے حامد علیخانِ بہادر ہے مجھے
یعنی میں موجود دورانِ شہِ عادل میں ہوں

انکساری اپنا شیوہ عجز اپنا کام ہے
یوں عزیزِ خاطرِ مخلوق ہر محفل میں ہوں

ہے یہ ہر اک اہلِ دل سے عارضِ جاناں کا قول
صورتِ داغِ محبت عاشقوں کے دل میں ہوں

علم ہے اچھی طرح ناکامیٔ انجام کا
عشق کے ہاتھوں سے لیکن سعیٔ لاحاصل میں ہوں

رشک کی آتش نے صابر مجھ کو بخشا ہی فروغ
شمعِ محفل کی طرح جلتا ہوا محفل میں ہوں

جو خم ہے اُس ابرو میں جو نوک ہے مژگاں میں
اُبرش ہی نہ وہ کاوش شمشیر میں پیکاں میں

اُلجھا ہے یہ دل جب سے اُس زلفِ پریشاں میں
افزوں ہے پریشانی طولِ شبِ ہجراں میں

عشق اُن کا ہوا وارد اول تو دل و جاں میں
اب فضلِ خدا سے ہے داخل مرے ایماں میں

منجھدھار میں ڈوبیگا یا پار لگیگا یہ
امید کا بیڑا اب اشکوں کے ہے طوفاں میں

یہ اشک مرے امت بھی کچھ کم نہیں گوہر سے
ہے آب وہی اس میں جو آبِ نیساں میں

تا صبح تصور میں اُن کے رہی محویت
ترکیب یہ ہاتھ آئی اچھی شبِ ہجراں میں

یہ خوب سمجھتا ہوں جھوٹے ہیں ترے وعدے
ملتا ہے مزا لیکن دل کو مرے ہاں ہاں میں

یہ پیرہنِ تقویٰ سے پھر بعد کو وہ پہنے
منہ ڈال لے ذرا واعظ پہلے تو گریباں میں

بیٹھوں تو کہاں بیٹھوں وحشت کا یہ عالم ہے
بستی ہے نہ دلچسپی فرحت نہ بیاباں میں

کچھ حُسن کی شوکت کا عالم ہی نرالا ہے
وہ دبدبہ قیصر میں وہ رعب خاقاں میں

تا حشر رہے قائم یہ دردِ محبت کا
یہ درد ہی درماں ہے درد اسکے ہی درماں میں

رنگِ سخن ای صابر جو داغ کو حاصل تھا
پاتا ہوں اُسے اپنے شبیر علیخاں میں

عاشقِ مصحفِ رخسارِ حسیناں ہوں میں
للہ الحمد کہ اب حافظ قرآں ہوں میں

مال اور دولتِ دنیا کی حقیقت کیا ہے
نذرِ جاناں کو لئے اپنا دل و جاں ہوں میں

ہے ہوس ماہ کو نقشِ کفِ پا بننے کی
مہر کہتا ہے کہ عکسِ رخِ جاناں ہوں میں

خوف ہے دل میں سیاہیِ شبِ فرقت کا
زلفِ شبگوں کی طرح سخت پریشاں ہوں میں

ہے یہی ابروے قاتل کا اشارہ ہر دم
قتلِ عاشق کے لئے خنجرِ بُرّاں ہوں میں

راہ میں تھک کے نہ رہ جاؤں کہیں اے صابر
منزلِ عشق ہے اور بے سر و ساماں ہوں میں

سالک اگر ہوں دونوں محبت کی راہ میں
پھر فرق کچھ نہیں ہے گدا اور شاہ میں

نسبت نہیں ہے دونوں سے کچھ روئے یار کو
حدت ہے آفتاب میں دھبا ہے ماہ میں

مجھ کو عزیز رکھتے ہیں سب ملکِ عشق میں
یوسف ہوا میں چاہِ زنخداں کی چاہ میں

دل اپنا آشنائے ندامت ضرور ہے
گو تا بفرق غرق ہوں بحرِ گناہ میں

ذلت کے جھیلنے سے مجھے آبرو ملی
ہو کر سبک گراں ہوں کسی کی نگاہ میں

رشکِ عدو ضرور تھا میرا عدوئے جاں
دل کو اگر کلام نہ ہوتا نباہ میں

پہنچے ہیں تا بمنزلِ مقصود چند لوگ
سب ورنہ تھک کے رہ گئے الفت کی راہ میں

بہتر نہیں ہے دلشکنیِ شکستہ دل
ناصح ترا زیاں ہے ہمارے رفاہ میں

تاثیرِ گردشِ فلکی آتی ہے نظر
صابر کسی کی گردشِ چشمِ سیاہ میں

اغیار کے گھر سے وہ یہاں آتے ہوئے ہیں
نیچی جو نظر اُن کی ہے شرماتے ہوئے ہیں

گو اس کا یقیں ہے کہ غلط ہے ترا وعدہ
لیکن دلِ بیتاب کو بہلاتے ہوئے ہیں

کیا جانے محبت کا مزا ناصح ناداں
بے فائدہ سمجھاتے ہیں جا کر انھیں احباب

اس ذائقۂ عشق کو ہم پائے ہوئے ہیں
کیا راہ پہ وہ آئیں وہ بہکائے ہوئے ہیں

سرگرم فغاں اپنی زباں سے میں ہوں صابر
کیوں دشمن جانی مرے ہمسائے ہوئے ہیں

جا پہنچی اُس کے جلوے پہ تیری نظر کہاں
ناصح طریقِ عشق میں خوف و خطر کہاں
سمجھا رہا ہوں لاکھ نشیب و فرازِ عشق
گم ہو گیا طریق محبت میں مجھ سمیت

اب تجھ کو چین اے دلِ شوریدہ سر کہاں
شوریدگانِ عشق کو پروائے سر کہاں
آتے مگر ہیں حضرتِ دل راہ پر کہاں
لیجا رہا تھا مجھکو مرا راہبر کہاں

صابر بکوئے میکدہ تنہا بوقتِ شام
حضرت قدم بڑھائے ہوئے یہ کدھر کہاں

ہم تصور جو کئے بیٹھے ہیں
کیوں نہ اشعار پڑھیں بیدل کے
یاد ہے کاوشِ مژگاں تیری
شغل کو دستِ جنوں کے پھر ہم
نذر کے واسطے دل اے شہِ حسن
آج ہم کوئے بتِ قاتل میں

اُن کو پہلو میں لئے بیٹھے ہیں
ہم بھی دل اپنا دیئے بیٹھے ہیں
رخنے ہم دل میں لئے بیٹھے ہیں
چاکِ دامن کو سئے بیٹھے ہیں
دیر سے ہم بھی لئے بیٹھے ہیں
جان مرنے پہ دیئے بیٹھے ہیں

دے چکے دل اُنھیں ہم اے صابر
جان کو صبر کئے بیٹھے ہیں

کیا اُن کے پاس خط مرا لیکر گیا نہیں
قاصد جواب لیکے ابھی تک پھرا نہیں

وہ کونسا ستم ہے جو مجھ پر ہوا نہیں
لیکن مجھے خیال نہیں کچھ گلا نہیں

ہوں پاکباز میری حقارت روا نہیں
جو آپ سمجھے ہیں وہ مرا مدعا نہیں

کس پر نگاہ ناز کا خنجر چلا نہیں
وہ کون ہے جو کشتۂ تیغِ ادا نہیں

حاصل ہوا مقامِ رضا جس کو عشق میں
پھر وہ کسی بلا کو سمجھتا بلا نہیں

آپس میں ساکنانِ خرابات ایک ہیں
کچھ امتیازِ عزتِ شاہ و گدا نہیں

جو ہے مریضِ عشق ہمارے مسیح کا
وہ طالبِ علاج و دوا و شفا نہیں

ناحق غرور کرتے ہیں اتنا بتانِ ہند
کچھ یاد ہے سلوکِ خلیل ان کو یا نہیں

میں بے زباں ہوں حسنِ ستمگر کے رعب سے
پہلو میں ورنہ کچھ دلِ بے مدعا نہیں

ہے میرے شوقِ دل کے مقابل غنائے یار
دونوں کی دیکھتا ہوں تو کچھ انتہا نہیں

ممکن تھا ربطِ غیر کا دینا انھیں جواب
کیا کیجیے کہ عشق کا یہ اقتضا نہیں

سچ تو یہ ہے کہ اپنی ہی غفلت ہے وجہِ ہجر
عاشق سے ورنہ دوست کسی دم جدا نہیں

پورا ہوا ہے وعدۂ دیدار خواب میں
کیونکر کہوں کہ یار مرا با وفا نہیں

تیرے سوا کسی سے کھلیگی نہ حشر تک
دل میں گرہ پڑی ہے یہ بندِ قبا نہیں

آخر میں حسن و عشق کا مٹتا ہے اختلاف
یہ رمز ابتدا میں کوئی جانتا نہیں

تم نے چھپا لیا ہے مرے دل کے چور کو
مٹھی یہ بند کیوں ہے جو دزدِ حنا نہیں

مقطع مرا مؤیدِ نقصِ کلام ہے
صابر بیانِ عشق کی حد انتہا نہیں

یہ ہم جو مضطرب و بیقرار بیٹھے ہیں
تمہارِ عشق میں دل اپنا ہار بیٹھے ہیں

ملے دوائے وصال ان کو اے مسیحِ جہاں
مریض در پہ ترے بے شمار بیٹھے ہیں

ضرور جائینگے مہمان شب کو غیر کے گھر
کئے ہوئے جو وہ دن سے سنگھار بیٹھے ہیں

کبھی وہ آئے ہیں وعدے پہ اپنے حضرت دل
جو آپ آج کئے انتظار بیٹھے ہیں

مریض عشق ترے در سے کس طرح اٹھیں
کیا ہے ضعف نے بے اختیار بیٹھے ہیں

کسی کے گیسو و عارض کے عشق میں صابر
سڑی بنے ہوئے لیل و نہار بیٹھے ہیں

نخل خزاں رسیدہ کچھ پھول پھل رہے ہیں
بیمار عشق اُن کے اب تو سنبھل رہے ہیں

اللہ رے تلوّن یہ شان کم سنی ہے
دم میں بہل گئے ہیں دم میں مچل رہے ہیں

چشموں کی ہیر حالت آنکھوں سے اپنی دیکھو
آب حمیم کے دو چشمے اُبل رہے ہیں

کہتے ہیں جس کو دنیا وہ کارواں سرا ہے
ٹھیرے تھے کل جو آکر وہ آج چل رہے ہیں

رشک عدو گوارا پہلے تھا اب نہیں ہے
از حد بگڑ چکے تھے اب ہم سنبھل رہے ہیں

اے رہروان بزم جاناں ذرا تو دم لو
ہم کو بھی ساتھ لے لو ہم بھی تو چل رہے ہیں

فرقت میں جان لب تک آکے رہ گئی ہے
ہاتھوں سے عشق کے ہم مشق اجل رہے ہیں

نواب کا کبھی ہو یارب نہ بال بیکا
وہ دم رہے سلامت جس دم سے پل رہے ہیں

شکر خدا کہ صابر وہ بت ہے رام اپنا
ہم عیش کر رہے ہیں اغیار جل رہے ہیں

اُس گل خنداں کی خواہش ہے جو گلشن میں نہیں
جوہری اُس لعل کا ہوں میں جو معدن میں نہیں

بے حجابانہ ہے نور ذات وحدت ہر طرف
تاب نظارے کی لیکن چشم روشن میں نہیں

ہاتھ اُٹھالے نفس کی خواہش سے گر انسان تو پھر
سچ تو یہ ہے فرق کچھ بھی دوست دشمن میں نہیں

قید بخیہ سے بھی اب حاصل سبکدوشی ہوئی
نام کو بھی تار باقی اپنے دامن میں نہیں

سنا ہے صابر حجابِ زلفِ جاناں اُٹھ گیا
اب سرِ مو بھی طبیعت میری اُلجھن میں نہیں

خوشامد سے ہزاروں خواہشِ بیداد کرتے ہیں
کہیں مجروحِ تیغِ ناز بھی فریاد کرتے ہیں

تصور کا سبق تعلیم جب اُستاد کرتے ہیں
ہم آنکھیں بند کر کے دل ہی دل میں یاد کرتے ہیں

جفا پر ہم وفا اے بانیٔ بیداد کرتے ہیں
وفا پر تو وہ کہتا ہے کہ جو جلاد کرتے ہیں

جب اُن سے نالہائے غم بھرے فریاد کرتے ہیں
تو بدلے رحم کے وہ اور بھی بیداد کرتے ہیں

مرے اشعار پر اصلاح جب اُستاد کرتے ہیں
تو وصفِ چشم کے مضموں پہ اکثر صاد کرتے ہیں

خدا کے جذبے جب عشقِ بتاں کے آپ طالب ہوں
تو پھر ناحق یہ واویلا کہ سب بیداد کرتے ہیں

رُلانا اور ہنسانا وصل کی شب کھیل ہے اُن کا
مجھے مایوس کر کے پہلے پھر دل شاد کرتے ہیں

کہا میں نے جو اُن سے بندۂ بے زر تمہارا ہوں
تو بولے ہنس کے اچھا تم کو ہم آزاد کرتے ہیں

لئے چلتے ہیں پھر بزمِ عدو میں یار کی خاطر
ترا ہم آخری کہنا دلِ ناشاد کرتے ہیں

خصوصیت جو میرے ہی لئے ہوتی تو کیا غم تھا
وہ ہر اک کو شہیدِ خنجرِ بیداد کرتے ہیں

کلام حق ہے مٹ جاتا ہے حق کے سامنے باطل
بھُلا دیتے ہیں ہم سب کو جو تم کو یاد کرتے ہیں

یہ اُن کا قول ہے نسیاں سے انساں مرکب ہے
ہم اپنے وعدہ کی قائم نہیں میعاد کرتے ہیں

جو ذکر اُن کا یہاں پر ہے تو اپنا بھی وہاں پر ہے
ہم اُنکو یاد کرتے ہیں وہ ہم کو یاد کرتے ہیں

مری جانب جو فرمایا ہے ناصح نے قدم رکھیے
مجھے بھی دیکھنا ہے آپ کیا ارشاد کرتے ہیں

دفورِ شوق میں ہم مانگتے ہیں تم سے ہی تم کو
تمہارے ہی ستم کی تم سے ہی فریاد کرتے ہیں

بتانِ ہند کا گھر کیوں نہ ہو فردوس کی مانند
خدائی کا یہ دعویٰ صورتِ شداد کرتے ہیں

بحمد اللہ زمانہ ہجرِ جاناں کا ہوا آخر
بٹھا کر سامنے اُن کو ہم اب دل شاد کرتے ہیں

ہے مکتب شاعروں کے واسطے بزم سخن گویا
سبق وہ عشق کا اشعار پڑھکر یاد کرتے ہیں

بھلا کہنے کو گر بالقصد ذکر غیر آتا ہے
بُرا کہکر وہ بھولے سے مجھے بھی یاد کرتے ہیں

جو سنتے ہیں کبھی افسانہ حسن و عشق کا صابر
تو ہم گذرا ہوا اپنا زمانہ یاد کرتے ہیں

جلوہ جمالِ یار کا کس جا کدھر نہیں
سچ پوچھیے تو اپنی ہی صابر نظر نہیں

مشتاقِ وصل ہی کبھی طالب ہے موت کا
تجھ کو قیام اے دلِ شوریدہ سر نہیں

قاتل سے پہلے جائینگے مقتل میں سر کے بل
وہ من چلے ہیں جان کا ہم کو خطر نہیں

لذاتِ عشق سے تمہیں ناصح خبر نہیں
رکھتا جو دل میں عشق نہ ہو وہ بشر نہیں

پہلو میں ہمنشیں جو وہ رشک قمر نہیں
قابو میں دل مرا بس میں جگر نہیں

روزِ جزا سے کم نہیں طولِ شبِ فراق
یہ وہ بلا کی رات ہے جس کی سحر نہیں

کیونکر کہوں کہ پاس نہیں ہے وہ جانِ جاں
پہلو میں ہے مگر مجھے اُس کی خبر نہیں

یا ہم ہی ہم تھے بزم میں اُن کی ہزار حیف
یا کوئے یار تک بھی ہمارا گذر نہیں

صابر غریقِ لجۂ الفت ہے اس قدر
دنیا کی اور دین کی اُس کو خبر نہیں

تو جو کہتا ہے شب وصل میں ہر بار نہیں
ہم سمجھتے ہیں یہ اقرار ہے انکار نہیں

کس کے دل میں تری الفت کا چھپا خار نہیں
کون ہے وہ جو ترا طالبِ دیدار نہیں

کفر و دیں کچھ سبب سبحہ و زنار نہیں
اس سے ہوتا کوئی کافر کوئی دیندار نہیں

اپنا وہ حال ہے جو قابلِ اظہار نہیں
وہ زباں اپنی ہے جو لائق گفتار نہیں

کیا ہے وہ عشق کہ جسکی نہ ہو شہرت سب میں
کیا وہ عاشق ہے جو رسوا سر بازار نہیں

عشق میں اک بتِ کافر کے ہمارے تن پر
کونسی رگ ہے جو ہمصورت زنار نہیں

مشغلہ دستِ جنوں کے لیے اب کیا ہوگا
ایک بھی اپنے گریباں میں رہا تار نہیں

بولو آہستہ شبِ وصل خدا کو مانو
کوئی بدخواہ کھڑا ہو پسِ دیوار نہیں

ایسی حالت میں ہو کیونکر مجھے امیدِ وصال
میرے کہنے میں وہ معشوقِ طرحدار نہیں

اب بلانا ہے ہمیں اُسکا عبث ای قاصد
تاب اُٹھنے کی نہیں طاقتِ رفتار نہیں

زیست کی بات تو ہے اور مگر ظاہر میں
مرضِ عشق سے بچنے کے کچھ آثار نہیں

حالِ دل اپنا بیاں کس سے کروں ای ضیا
کوئی مونس نہیں ہمدم نہیں غمخوار نہیں

مجھ سے وہ کہتے ہیں کہ ہم یہ نہیں کہتے آئے کیوں
اس دلِ بیقرار کو ساتھ تم اپنے لائے کیوں

رنج خلافِ وعدگی بعد کو پھر اُٹھائے کیوں
عقل ذرا بھی ہو اگر اُنکے کہے پہ جائے کیوں

پورا جو امتحان میں پائے تو پھر ستائے کیوں
جب ہے ستانا ہی غرض پھر کوئی آزمائے کیوں

رشکِ عدو کے ذکر پر بولے وہ بزمِ غیر میں
کس نے بُلایا آپ کو آپ یہاں پہ آئے کیوں

ہو نہ خفا جو روئیں ہم اپنے تو دیکھو تم ستم
دوسرا رو دے اسقدر آدمی گڑگڑائے کیوں

ہونے پہ میرے بیقرار رونے پہ میرے زار زار

کچھ تو مجھے بتایئے آپ یہ مسکرائے کیوں
میری شکایتوں پہ وہ کہتے ہیں ہو کے لاجواب
ہو جو خیالِ رنج و غم دل ہی کوئی لگائے کیوں
جتنے تھے پہلے باوفا اُتنے ہی ہو کے بےوفا
دفعتاً اے مرے خدا مجھ سے چھُٹے وہ ہائے کیوں
اب تو جو ہوتا تھا ہوا صابرؔ اسد نے سچ کہا
روئیے زار زار کیا کیجئے ہائے ہائے کیوں

طالبِ دیں ہوں نہ جوئندہ دنیا ہوں میں
بجز اس کے کہ ترا بندۂ ادنیٰ ہوں میں
اس تمنا میں کہ آ جاؤں کبھی زیرِ قدم
اپنے سائے سے کہا بیٹھ کے پہلو میں مرے
بولی جب خاکِ قدم اُنکی کہ ہوں سرمۂ طور
رخ کا اظہار یہ ہے میں نے کیا دل روشن
ہیں وہ پہلو میں مرے آج تو اُٹھ اے ساقی
تیرا بہلانے کو جی یاد ہے سر تک قاتل

صرف رکھتا ترے ملنے کی تمنا ہوں میں
نہیں معلوم مجھے کون ہوں اور کیا ہوں میں
ذرۂ ریگ تری راہگذر کا ہوں میں
بیٹھ تو آ کے مرے پاس کہ تنہا ہوں میں
تِل ہتیلی کا پکارا یدِ بیضا ہوں میں
زلف کہتی ہے سوادِ شبِ یلدا ہوں میں
دیر سے منتظرِ ساغر و مینا ہوں میں
بن گیا عرصۂ مقتل میں تماشا ہوں میں

زیست زیرِ قدمِ دخترِ رز اے صابرؔ
کیوں نہ ہو ختم کہ خشتِ خمِ صہبا ہوں میں

ہوا ہے دوستی کا شوق تم کو کیوں لڑکپن میں
یہ آزادی کا پایا ہے مزا عریانیٔ تن میں

تفاوت جب سمجھتے کچھ نہیں ہو دوست دشمن میں
ہے زنجیرِ گراں میرے لئے ہر تارِ دامن میں

بہار نرگس و سرو و سمن ہے سامنے میرے
نظارا ہی تمہارا یا کہیں بیٹھا ہوں گلشن میں

لگا ہے زندگی میں موت کا کھٹکا مرے دل کو
خطر ہے جان کا ہر وقت اپنی مجھکو مامن میں

مجھے طاؤس رقصاں صحن گلشن میں نظر آیا
چلے وہ پائچوں کو تھام کر جس وقت آنگن میں

مرے سر میں سمایا جب سے سودا زلف مشکوں کا
پریشاں حال ہر دم میں پڑا رہتا ہوں الجھن میں

خودی کا مادہ گر دور ہو انسان کے دل سے
جو الفت دوستوں کو ہے وہی پیدا ہو دشمن میں

تمہاری زلف کا ہی شب کو چھا جاتا ہے اندھیرا
ضیائے حسن دن کو پھیلتی ہے شہر و برزن میں

بتان سخت دل کا خشم ہی ہوتا ہے رحم آور
کہ ہو کر گرم آ جاتی ہے نرمی ذات آہن میں

ہنر ور پا نہیں سکتا وطن میں منزلت ہرگز
جواہر کی نہیں ہوتی ہے کچھ بھی قدر معدن میں

کیا ہے قید حسن و عشق نے دونوں ہی کو ضیا
جو میرے پاؤں میں بیڑی تو ہے طوق انکی گردن میں

کیا وہ جانے رہ الفت میں خطر ہے کہ نہیں
جو نہ سمجھے کہ مرے دوش پہ سر ہے کہ نہیں

آپ اوپر لیٹے سر رکھ کے مرے بازو پر
دیکھئے کچھ جذب محبت میں اثر ہے کہ نہیں

آنکھ جب کھلتی ہے پاتا ہوں وہی تاریکی
یا الٰہی شب فرقت کی سحر ہے کہ نہیں

پرتو حسن سے دھوکے میں رہا میں شب وصل
سوچتا تھا کہ یہی نور سحر ہے کہ نہیں

ہنس کے پوچھا یہ شب وصل کسی نے مجھ سے
اب بھی کچھ سوزش دل درد جگر ہے کہ نہیں

ہر گھڑی روتے ہو فرقت ہی کا رونا صابر
اور بھی کچھ تمہیں دنیا کی خبر ہے کہ نہیں

یہ خال عنبریں ہے خط سبز یار میں
یا دانہ مرغ دل کے لئے سبزہ زار میں

اوصاف ہیں جو عارض و گیسوئے یار میں
آئینہ حلب میں نہ مشک تتار میں

ظاہر خدا کی شان ہوئی حسن یار میں
صانع کی ہی تجلی ہے نقش و نگار میں

آنکھیں ہوئیں جو بند شبِ انتظار میں
آئے وہ ساتھ خواب کے میری کنار میں

سچ ہے کسی کا قول کہ تل اوٹ ہی پہاڑ
ہیں جستجو میں آپ ہیں میری کنار میں

کیوں دل کو ہے امید شبِ وصل مہروش
شب اور مہر وہ بھی پھر آئے کنار میں

اغیار سے معانقہ روزِ عید ہے
میں مبتلا ہوں آج لحد کے فشار میں

ساقی شہ و گدا کی حکومت کا فرق ہے
تیرے گدائے میکدہ و تاجدار میں

کس کی تلاش میں ہے ہرن کو دوا دوش
ہے بوئے مشک نافہ تو اسکی کنار میں

قطعہ

بیشک ہے لطف خاص مرے حالِ زار پر
حاضر ثبوت قول کے ہے اعتبار میں

کس کے لئے عدو ہے محک امتحان کی
اکثر برا بھلا کسے کہتے ہو پیار میں

جامِ نگاہِ ساقیِ کوثر سے مست ہوں
حاصل عروجِ نشہ ہے مجھ کو خمار میں

ہے اس کی ذات میری رگ جاں سے متصل
ہر وقت دوست کی خبر آتی ہے تار میں

ہو کر امیدِ وصل مبدل وصال سے
میں فائز المرام ہوا انتظار میں

مدفن سے بن کے ریگ رواں میں رواں ہوا
رکھا نہ جستجو نے کسی کی مزار میں

بادِ سموم ہجر سے برباد ہے شباب
ظالم خزاں بھی آئی تو عہدِ بہار میں

میں قبر میں ہوں قبر سے لپٹے ہوئے ہیں وہ
کیا لطف آرہا ہے لحد کے فشار میں

پایا مریضِ ہجر نے یہ لاغری سے فیض
روزِ شمار وہ نہیں آیا شمار میں

پیوستگی ابروئے قاتل کی آن بان
ہم کو بسِ تلاش ملی ذو الفقار میں

مانا عدو میں بھی وہی آتش ہے شعلہ تن
جو عشق کی ہے آپ کے اس دل فگار میں

تمیز فرق علوی و سفلی بھی ہے ضرور
ضو دیکھئے تو ایک سی ہے نور و نار میں

لیتا ہوں اب میں راہ بیاباں برہنہ پا
پایا ہے لطف یہ خلشِ نوکِ خار میں

جوشِ جنوں سے کام بڑا مجھ نحیف کو
اُلجھا ہوا ہے ہاتھ گریباں کے تار میں

فرقت کی وہ مصیبتِ جانکاہ الاماں
دشمن بھی مبتلا نہ ہو جس حالِ زار میں

آنکھیں اِدھر کھلی ہیں اُدھر در کھلا ہوا
کیا ذکر نیند کا ہے شبِ انتظار میں

جینے کی گر ہوس ہو تو ہو موت ہی نصیب
ہے آرزوے مرگ مگر کوئے یار میں

تیغِ اجل کو سمجھوں میں لطفِ حیاتِ عشق
کٹ جائے زندگی جو مری ہجرِ یار میں

اُس مہرباں کے دل کی کدورت عیاں ہے صاف
خط بھی مجھے لکھا ہے تو خطِ غبار میں

جاگا تھا ایک عمر جو خواب گراں میں ہوں
صابر وگرنہ موت کہاں ہجرِ یار میں

دل بیقرار جان پڑی ہے عذاب میں
روزِ فراق ہوں میں عجب اضطراب میں

تحریرِ شوق وصل کیا اضطراب میں
کیا لکھتے ہیں وہ دیکھئے خط کے جواب میں

بیداریِ فراق سے ہوں پیچ و تاب میں
جاگے مرا نصیب جو وہ آئے خواب میں

ایک اور ہاتھ تیغ کا اے قاتلِ جہاں
زخمی کی تیرے جان پڑی ہے عذاب میں

تو نے بتوں کے صدمۂ فرقت سے اے خدا
کیوں ڈال دی ہے جان ہماری عذاب میں

فردِ جہاں ہے ناز میں اُس بے نیاز نے
خود منتخب کیا ہے تجھے انتخاب میں

اُس گلبدن کا جب کبھی آیا مجھے خیال
اشکوں سے میں نہا گیا بحرِ گلاب میں

جوزا ہے مہر چاکریِ اسپ سعد
اور ہے ہلالِ عید تمہاری رکاب میں

آثارِ مہر صاف نمایاں وہ لطف سے
انداز مہر خاص وہ پنہاں عتاب میں

انساں کے دل پہ غور سے گر کیجئے نظر
عکس جمال ہے جلوہ نما اس حباب میں

صابر تعجب آتا ہے بالکل نہیں رہا
صبر و سکوں مرے دلِ خانہ خراب میں

مرہم داغِ دلِ سوختگاں فخر الدین
چارۂ سینۂ پرشور و فغاں فخر الدین

قم باذنی کا اثر کرکے عیاں فخر الدین
قلبِ مردہ میں مرے ڈال دے جاں فخر الدین

فخر فقر و ملل و فخر جہاں فخر الدین
تاجِ فرق ہمہ شاہانِ شہاں فخر الدین

بے حجابانہ در آ از رہِ الطاف و کرم
خالی ہے تیرے لئے دل کا مکاں فخر الدین

جلوۂ نورِ الٰہی کا ہوا ہے اشراق
آپ کی طلعتِ زیبا سے عیاں فخر الدین

کثرتِ شوق میں کیونکر نہ نظر آئے مجھے
ہر بنِ موئے و رگ و ریشۂ جاں فخر الدین

محترق روح ہے اب آتشِ الفت سے تری
تجھ پہ قربان مرے یہ دل و جاں فخر الدین

فرطِ بیتابی و آلامِ غمِ الفت میں
بہرِ تسکیں ہے مرے وردِ زباں فخر الدین

دعوئ عشق بڑی بات ہے اور چھوٹا منہ
صابر خستہ کہاں اور کہاں فخر الدین

جب وہ جامِ مئے توحید پلا دیتے ہیں
اپنے ہشیاروں کو دیوانہ بنا دیتے ہیں

دل پہ کھا کر تری شمشیرِ نظر کا ہر زخم
سرِ مقتل ترے مقتول دعا دیتے ہیں

عالمِ خواب میں جلوہ وہ دکھا کر اپنا
بختِ خوابیدۂ عاشق کو جگا دیتے ہیں

مرے عیسیٰ دلِ مردہ مرا زندہ ہو جائے
آپ تو مردۂ صد سالہ جلا دیتے ہیں

لکھ رہا ہوں شہِ مسکیں کی صابر تعریف
دیکھئے کیا مجھے سرکار صلا دیتے ہیں

محبت ذاتِ حق کی پائی میں نے تیری صورت میں
حقیقت نے مجھے صورت دکھائی تیری صورت میں

صفات و ذات اپنی کا نہ کچھ باقی نشان پایا
فنا ہو کر بقا جب میں نے پائی تیری صورت میں

مری تقلید ہی دراصل تھی نقصان کا باعث
ملی اب قیدِ ہستی سے رہائی تیری صورت میں

ہر اک جا اپنا ہی جلوہ نظر آنے لگا مجھ کو
عجب حاصل ہوئی ہے خودنمائی تیری صورت میں

مرا دل ساغرِ جم بادۂ وحدت تری صورت
کہ حاصل مجھکو ہے سیرِ خدائی تیری صورت میں

دکھائی طور پر تھی جو تجلی حق نے موسیٰ کو
مجھے شانِ تجلی وہ دکھائی تیری صورت میں

تری صورت سے ہے بیشک عالمِ معنی کا دروازہ
یہ صابر کو حقیقت ہاتھ آئی تیری صورت میں

غور سے دیکھیں اگر اہلِ نظر پتھر میں
تو نظر آنے لگیں نفع و ضرر پتھر میں

سنگِ اسود بھی وہی سنگ منات و عزا
اب تو صاف آئے نظر نفع و ضرر پتھر میں

زنگ پیدا ہو جواہر کا بہنگامِ خرام
اُن کی ٹھوکر سے سرِ راہ گذر پتھر میں

اہلِ عالم اُسے آنکھوں میں جگہ دیتے ہیں
یہ کیا تیری تجلی نے اثر پتھر میں

آتشِ بغض ہے یوں سنگدلوں کے دل میں
پردہ پردہ میں کہ جس طرح شرر پتھر میں

اس طرح میں نے ترے دل میں جگہ پیدا کی
جس طرح کرتا ہے گھر عکسِ شجر پتھر میں

سینۂ سخت پہ اُس بت کے نمو پستان
اک تماشا ہے کہ آئے ہیں ثمر پتھر میں

ہر گھڑی پیارے اُس بت کو نہ دیکھو صابر
کیونکہ کر جاتی ہے تاثیر نظر پتھر میں

وہ رہ و رسمِ محبت کو گھٹاتے بھی نہیں
گھر مرے وعدے پہ لیکن کبھی آتے بھی نہیں

بتِ سفاک ہر اک کام کی حد ہوتی ہے
اسقدر چاہنے والے کو ستاتے بھی نہیں

لطفِ اغیار یہ ہے صرف جلانے کو مرے
ورنہ ایسوں کو کبھی مُنہ وہ لگاتے بھی نہیں

چار آنکھیں ہوں تو کچھ اُن کو مزّا آئے
لیکن افسوس کہ وہ آنکھ ملاتے بھی نہیں

وعدۂ وصل پہ کیا ہاتھ ملائینگے بھلا
وہ تو بھولے سے کبھی آنکھ ملاتے بھی نہیں

خوب ہی حیلۂ شرمندگی وصل عدو
یعنی اس وجہ سے وہ شکل دکھاتے بھی نہیں

ہم ادب سے وہ چلے شبِ وصل ای صابر
بات کرتے بھی نہیں آنکھ ملاتے بھی نہیں

پندِ ناصح کی نظر میں مری توقیر نہیں
ہیں ابھی پیر نہیں کچھ وہ مرا پیر نہیں

اُن سے ملنے کے ہوں اسباب وہ تقدیر نہیں
نالہ بے سوز ہے اور آہ میں تاثیر نہیں

لکھ گیا شکوۂ فرقت کی جگہ شکرِ وصال
ہوش قائم مرے رہتے دمِ تحریر نہیں

سادگی دیکھئے قاتل کی مرے مقتل میں
بل بھی ابرو پہ نہیں ہاتھ میں شمشیر نہیں

رہتے ہیں تیرے اسیرانِ محبت آزاد
طوق گردن میں نہیں پاؤں میں زنجیر نہیں

کس طرح حسرتِ دل آج بیاں ہو شبِ وصل
کام دیتی ہے زباں کچھ دمِ تقریر نہیں

ٹکڑے ٹکڑے نہ کروں کیوں اسے ہنگام بہار
کہ یہ زنجیر ہے کچھ زلف گرہ گیر نہیں

تابعِ حکم ہے تو بھی تو کسی کا آخر
تجھ سے کچھ شکوہ مجھے ای فلکِ پیر نہیں

بال باندھا ہو تری زلف کا جو دیوانہ
اُس کی پابندی کو پھر حاجتِ زنجیر نہیں

اُس سے اقرار کی امید کوئی کیوں رکھے
جبکہ ہو تکیہ کلامِ بتِ بے پیر نہیں

شکوہ مُنکر یہ کہا میں نے تو ہاں لکھا تھا
لکھ دیا ہوگا قلم نے دمِ تحریر نہیں

ناوک انداز کا انداز لڑکپن دیکھو
دو کمانوں میں بھی سیدھا کوئی ایک تیر نہیں

پرتوِ حسن وہ ہے جس کے مقابل صابر
مہرِ تاباں کی ضیا ماہ کی تنویر نہیں

جبکہ نفرت دل کو اُنکی بے وفائی سے نہیں
پھر شکایت کچھ بھی اُنکی کج ادائی سے نہیں

خاک ہونے پہ بھی پھیر دہ ہیں دامن کشاں
اب بھی باز آئے وہ اپنی بے وفائی سے نہیں

اپنی خوئے جور سے مجبور وہ سفاک ہے
ورنہ کچھ اُس کو غرض تیغ آزمائی سے نہیں

غیر مجھکو دیکھ کر ہنستا ہے اس کا رنج ہے
ورنہ میں شاکی تمھاری کج ادائی سے نہیں.

اس غزل سے مدعا خوشنودی احباب ہے
ورنہ **صابر** کام کچھ فکر آزمائی سے نہیں

بے دہن جیسے کہ معشوق زباں رکھتے ہیں
بے زباں ایسے ہی عشاق دہاں رکھتے ہیں

منہ سے کہتے نہیں کچھ گو کہ زباں رکھتے ہیں
صفتِ قبلہ نما دل کو طپاں رکھتے ہیں

لب پہ لاتے نہیں ہم شکوۂ دلدار کبھی
پئے گفتار فقط منہ میں زباں رکھتے ہیں

خاکسارانِ محبت صفتِ نقشِ قدم
صرف مٹنے کے لئے نام و نشاں رکھتے ہیں

میں نے کب آپ کی الفت کا کیا ہے دعوی
آپ ہی میری طرف ایسا گماں رکھتے ہیں

یاں غمِ ہجر ہے واں رشکِ رقیب اے **صابر**
ہم تو آرام یہاں اور نہ واں رکھتے ہیں

دراثناء راہ اجمیر شریف بہنگام عرس بحالتِ علالت

ضعف سے میں یہ سمجھا کہ رہا جاتا ہوں
شکر ہے راہِ محبت میں چلا جاتا ہوں

حسن میں بھی ہے عجب طاقتِ مقناطیسی
خود بخود میں سوئے دلدار کھنچا جاتا ہوں

آتشِ عشق بھڑک اُٹھی مری رگ رگ میں
مدد اے سیلِ سرشک اب میں پھنکا جاتا ہوں

ساتھ والے مرے جا پہنچے قریبِ منزل
مدد اے جذبۂ الفت میں رہا جاتا ہوں

کیا تماشا ہے کہ کھائے ہیں ہزاروں دھوکے
پھر فریب بتِ عیار میں آجاتا ہوں

مرکبِ شوق کو مانع نہیں ضعفِ صابر
آگے اب منزلِ ہستی سے بڑھا جاتا ہوں

روز کیا دیکھتا ہے غور سے تو آئینہ میں
کیا نظر آتا ہے کچھ آئینہ رو آئینہ میں

ٹوٹ کر دل کسی انسان کا جڑتا ہی نہیں
شل جامہ نہیں ہوتا ہے رفو آئینہ میں

شیشۂ مے کا دکھایا مجھے شیشے نے یہ عکس
یا نظر آیا ہے ساقی کا گلو آئینہ میں

پا چکی ہوتی جو تلقین سلیماں بلقیس
چاہتی کرنا لبِ فرش وضو آئینہ میں

اک صفائی کے سبب جلوہ گری ہے سب کی
ورنہ دراصل ہے اک عالمِ ہو آئینہ میں

آئینہ ہوتا تو اس وقت دکھاتا ضرور
منہ چڑھاتا ترا اے آئینہ رو آئینہ میں

ایسے ہی مجھ میں ہے تو اور ہوں میں بھی تجھ میں
جیسے آئینہ تری آنکھوں میں تو آئینہ میں

کام تزویر کا کیا صاف دلوں کے آگے
پشت کا عکس دکھاتا نہیں رو آئینہ میں

اُن کا ہے آئینہ خانہ دلِ صد پارہ مرا
نظر آتے ہیں وہ صابر ہمہ سو آئینہ میں

اس طرح ہم درِ دلدار پہ جم جاتے ہیں
سر اگر جائے تو جائے کہیں ہم جاتے ہیں

ایسا کچھ اُن کی تسلی میں اثر دیکھا ہے
فرطِ گریہ میں بھی آنسو مرے تھم جاتے ہیں

تو جلانے کو ہمارے جو چلا غیر کے گھر
ہم تری ضد سے سوئے باغِ ارم جاتے ہیں

نامہ بر پاؤں سے تیرے نہ ملوں کیوں آنکھیں
کہ درِ جانِ جہاں تک یہ قدم جاتے ہیں

خواب میں آتے ہیں اُس روز وہ صابر اکثر
اپنے آنے کی وہ جب کھا کے قسم جاتے ہیں

چمن عشق کا شجر ہوں میں — نخلِ اندوہ کا ثمر ہوں میں

ہجر میں تیرے یوسفِ ثانی — شکلِ یعقوب بے بصر ہوں میں

الفتِ گیسوئے پریشاں میں — کیا پریشان سر بسر ہوں میں

جان پیکِ قضا کو دی ہم نے — جب کہا اُس نے نامہ بر ہوں میں

عشق میں لاغری کے ہاتھوں سے — بن گیا یار کی کمر ہوں میں

مُنہ سے بولو مری طرف دیکھو — خشک لب اور چشم تر ہوں میں

اشکِ عاشق یہ گر کے کہتا ہے — غیرتِ دانۂ گُہر ہوں میں

جذبۂ عشق دل سے کہتا ہے — تو نہ گھبرا کہ راہبر ہوں میں

روبرو ان کے ہیں کہاں صابر — جھوٹ سمجھو کہوں اگر ہوں میں

اُن کی رغبت کو دیکھتا ہوں میں — جذبِ الفت کو دیکھتا ہوں میں

کیا ہوئی عشقِ ماہ طلعت میں — اپنی راحت کو دیکھتا ہوں میں

بارِ فرقت اُٹھالیا اے دل — تیری طاقت کو دیکھتا ہوں میں

تم جو ہوتے نہیں تو پہلو میں — دردِ فرقت کو دیکھتا ہوں میں

مجھکو سیرت سے کچھ نہیں مطلب — اُن کی صورت کو دیکھتا ہوں میں

کوچۂ گل رُخاں میں اے واعظ — باغِ جنت کو دیکھتا ہوں میں

ہجرِ جاناں میں صورتِ عنقا — استراحت کو دیکھتا ہوں میں

دارِ فانی میں توام اے صابر — رنج و راحت کو دیکھتا ہوں میں

ہے جویا دِ رُخ جاناں دل میں
للہ الحمد ہے ایماں دل میں

رہے کب تک غمِ ہجراں دل میں
اب نہیں تاب مری جاں دل میں

آپ کے جور پہ میری یہ وفا
کیجئے انصاف مری جان دل میں

ہم نے کیوں دیر و حرم میں ڈھونڈھا
تم تو موجود تھے پنہاں دل میں

غیر کو خاک ملے اُس کا پتہ
مدتوں سے ہے وہ مہماں دل میں

اُن کو شکووں سے پشیماں کر کے
ہم ہوئے آپ پشیماں دل میں

عنبریں زلف کا سودائی ہوں
ہیں خیالاتِ پریشاں دل میں

مرتے دم تک نہ ہوا وصل نصیب
لے چلے ہم یہی ارماں دل میں

بڑھ گیا ظلم اُٹھا کر تیرے
شوقِ الفت کا دوچنداں دل میں

وصل میں بھی ہے وہی بے چینی
جاگزیں ہے غمِ پنہاں دل میں

رکھ شفاعت پہ بھروسا **صابر**
کیوں ہوا اتنا غمِ عصیاں دل میں

رُخِ صنم سے اُٹھیگی نقاب برسوں میں
اُٹھیگا شرم و حیا کا حجاب برسوں میں

چھٹا ہے گیسوئے پُرپیچ کی اسیری سے
ہمارا یہ دلِ پُراضطراب برسوں میں

سوال بوسۂ لب کا کیا تو ہے لیکن
یقیں ہے ہم کو ملیگا جواب برسوں میں

ہماری آنکھ سے پل بھر میں جتنے اشک بہے
برس سکیگا نہ اتنا سحاب برسوں میں

وہ بولے دیکھ کے **صابر** کے اشک کا قطرہ
کہ ایسا دیکھا ہے دُرِّ خوش آب برسوں میں

مرغِ دل میں جو حرارت ہے سمندر میں نہیں
چشمِ تر میں جو تموج ہے سمندر میں نہیں

صبحِ تاباں کی چمک مہرِ منوّر میں نہیں
دُرِ دنداں کی جھلک دانۂ گوہر میں نہیں

دیدے سے تیری پہنچتی ہے جو دل کو راحت
ٹھنڈکی آنکھوں کے لئے وہ مہِ انور میں نہیں

یہ کسی دستِ مبارک کا ہے ہر جام میں کیف
نشۂ عشق وگرنہ مئے کوثر میں نہیں

آدمی کو ہُبزِ اخفش نہ سمجھئے ناصح
میں سنوں آپ کی طاقت یہ مرے سر میں نہیں

تجھ سے عشاق کو امیدِ مروت کیوں ہے
جب مروّت ہی تری چشم فسونگر میں نہیں

کیوں تعلّی مجھے پھر آئے پسند اے صابر
جب تعصب ہی مری طبعِ سخنور میں نہیں

ردیف واو مہملہ

وصل سے جس کے دل کو راحت ہو
پھر کہو کیوں نہ اُس کی چاہت ہو

میری آغوش میں وہ خود آئیں
جذبِ دل کھینے کی نہ حاجت ہو

تجھ کو اُس بُت کے رو برو واعظ
بات کرنے کی بھی جو طاقت ہو

شاعری میں دکھاؤں میں جدّت
مجھکو افکار سے جو فرصت ہو

کیا بچے جس کو دردِ فرقت سے
سانس لینے کی بھی نہ مہلت ہو

عشقبازی کے فن میں اے صابر
اس زمانے میں تم غنیمت ہو

دیکھ لینگے جو ترے پھول سے رخساروں کو
باغباں آگ لگا دینگے چمن زاروں کو

نشۂ حسن کو بھولیں یہ نشیلی آنکھیں
دیکھ لیں بادۂ الفت کے جو سرشاروں کو

جاکے اُس کافرِ کیش کو بھی سمجھائیں
اتنی توفیق خدا دے مرے غم خواروں کو

اُس پری زاد کے سایے سے بھی اللہ بچائے
اپنا دیوانہ بنا لیتا ہے ہشیاروں کو

یاد آتی ہے کسی زلف کی افشاں صابرؔ
دیکھتا ہوں میں شبِ ہجر میں جب تاروں کو

دیکھئے اس چرخِ کج رفتار کو
کر دیا ہے دور ہم سے یار کو

بے سبب کھاتی ہے ہم پر پیچ و تاب
کیا ہوا ہے کاکلِ خمدار کو

زخمیِ تیغِ نظر پہلے سے ہوں
کھینچئے اب کیوں ہو تم تلوار کو

ہجر کی شب اے پری رو خواب ہے
کیا علاقہ دیدۂ بیدار کو

ہر قدم ہے فتنۂ محشر بپا
دیکھو اپنی شوخیِ رفتار کو

دل مرا ہوتا ہے کیسا باغ باغ
دیکھتا ہوں جب گلِ رخسار کو

مثلِ گل زخمِ دلِ صابرؔ کھلے
آفریں تیغِ نگاہِ یار کو

غضب ہو قہر ہو فتنہ ہو آفت ہو قیامت ہو
مجسم تم ادا و ناز و شوخی و شرارت ہو

نہ دم بھر چین ہو دل کو نہ شب کو استراحت ہو
کہے کس طرح یہ جانِ حزیں جب ایسی صورت ہو

تمہیں کیونکر کہوں میں با وفا و با مروت ہو
نہ میری جان کی تسکین ہو نے دل کی راحت ہو

ترے رخسار کو تشبیہ مہر و ماہ سے جب دوں
اگر مہ میں نہ دھبا اور سورج میں نہ حدت ہو

بجز اسکے کہو تو اور عاشق کیا کہیں تم کو
کہ سر سے پاؤں تک تم اے صنم اللہ کی قدرت ہو

ہوا سر میں سمائی ہے جو عشقِ زلفِ شبگوں کی
کہیں اے حضرتِ دل آپ کی آئی نہ شامت ہو

بھلا معشوق پہلو میں نہ آئے اسکے کیا معنے
مگر یہ شرط ہے انسان کو سچی محبت ہو

لگانے اور بجھانے سے کسی کے کچھ نہ ہوئی دل
مری جانب سے طینت میں نہ انکی گر شرارت ہو

بہت جاتے ہو چھپ چھپ کر وہاں پر حضرتِ صابرؔ
کہیں ایسا نہ ہو رسوائے عالم ہو ندامت ہو

غضب ہے اِن بتوں کے ابرو و مژگاں اگر دیکھو
تو دل کے واسطے پھر تیغ و ناوک نیشتر دیکھو

نہ لو تم مول مرکر ان بتوں پر درد سر دیکھو
نہیں گر مانتے صابرؔ تو سر پر خاک مر دیکھو

تمہارا نقصِ اعضا پر غرورِ حُسن بیجا ہے
نہ باور ہو تو تم اپنا دہن دیکھو کمر دیکھو

قلم ہو کر گرا بھی تو گرا ہے پائے قاتل پر
زہے خوش قسمتی اُسکے قدم دیکھو یہ سر دیکھو

جو اُسکے دھیان میں ای عاشقو تم محو ہو جاؤ
تو ہر جانب رُخِ محبوب ہر دم جلوہ گر دیکھو

تمہاری ناز کی ترچھی نظر پر جان و دل صدقے
دوبارہ پھر اُسی انداز سے اک بار ادھر دیکھو

ترقی چاہئے گر حضرتِ دل پاکبازی میں
تو اُنکے مصحفِ رخسار کو شام و سحر دیکھو

جو برسوں کی رہ و رسم محبت مبتدا ٹھہری
تو پھر آئندہ اب نکلے کہاں جاکر خبر دیکھو

چلو بھی حضرتِ دل شوقِ الفت رہنما خود ہے
برائے منزلِ الفت نہ راہِ راہبر دیکھو

سرِ چشمہ گرفتن ابتدا میں تھا تمھیں لازم
رہے غافل تو اب سیلِ سرشکِ چشمِ تر دیکھو

صفائی ہو چکی تو اب شکر رنجی نہ ہو باہم
نہ بعدِ عہد ہونا غیر سے شیر و شکر دیکھو

تمھیں شایاں نہیں ہے عیب چینی غیر کی صفاؔ
یہاں تم معنئ خُذ ما صفا دع ما کدر دیکھو

برجاست گر ہوش و خرد دیوانہ شو دیوانہ شو
یعنی ز صہبائے مغاں مستانہ شو مستانہ شو

از پرتوِ حسنش اگر داری مذاقِ عاشقی
بر شمعِ روئے یار خود پروانہ شو پروانہ شو

اے دل بوادئ دوئی رنج و بلا تا کے کشی
بگذشتہ از حدِ خودی جانانہ شو جانانہ شو

در ہفتخوانِ جستجو مسگرز دہشت چار شو
فرمایداو لَا تَقْنَطُوْا مردانہ شو مردانہ شو

پیمانۂ مے گشتن اے صابرؔ نمی زیبد ترا
چشمے طلب از ساقی و میخانہ شو میخانہ شو

یہ اپنی صدا ہے کہ جیتے رہو
بڑے غیر سے ہم سے لپٹے رہو

تسلّی کی صورت یہی ایک ہے
مرے دل پہ تم ہاتھ رکھے رہو

مصیبت کا ہے سامنا یا نہیں
سہو رشک اور مت سر چڑھے رہو

سنا ہے غیروں سے پردہ ضرور
مرے خانۂ دل میں بیٹھے رہو

بڑھانا ہے صابرؔ اگر اُن سے ربط
تو اپنی طبیعت کو روکے رہو

دردِ فرقت کمال ہے مجھکو
زندگانی وبال ہے مجھکو

دور کیوں اتنے آپ کھنچتے ہیں
صرف ذوقِ جمال ہے مجھکو

میں توقع کبھی نہ توڑونگا
کہ امیدِ وصال ہے مجھکو

بسترِ خاک مسندِ شاہی
دلقِ بوسیدہ شال ہے مجھکو

سیر چشمی ہو دید سے حاصل
کس لئے یہ خیال ہے مجھکو

آنکھ اُٹھانا بھی ناتوانی سے
ایک امر محال ہے مجھکو

جب دلاتا ہوں یاد وعدا انھیں
کہتے ہیں ہاں خیال ہے مجھکو

غیر سے رنج کیوں شکایت کیا
دوست سے ہی ملال ہے مجھکو

محوِ دیدار ہوں جوئے صابرؔ
ہجر میں بھی وصال ہے مجھکو

اگر مل جاؤ تو آرامِ جاں ہو
نہ ملنے پر تمھیں دردِ نہاں ہو

ہے شرطِ قرب مقطوع اللساں ہو
وہ بزمِ جانِ جاں کا رازداں ہو

نظر اُنکی ہی گر سیدھی ہو مجھ سے
تو پھر کیوں برسرِ کیں آسماں ہو

فقط اک مجھ سے تم آنکھیں نہ پھیرو	مرا بدخواہ گو سارا جہاں ہو

سرِ بالیں کھڑا ہے کون دیکھو
تم اس دم حضرتِ صابرؔ کہاں ہو

پہلے اپنے جذبِ الفت کا اثر ہونے تو دو
حضرتِ دل بے خبر کو باخبر ہونے تو دو
دیکھنا ملتے ہی آنکھیں دل سے دل ملجائیگا
اک نظر اُس چشمِ فتّاں کی ادھر ہونے تو دو
یہ سنا ہے ہم نے جھک جاتی ہے شاخِ باردار
پیدا اُنکے نخلِ قامت میں ثمر ہونے تو دو
ہے زمانے کی روش ناصح خود انساں کے لئے
حضرتِ ناصح محبت میں غضر ہونے تو دو
خود سمجھ جائیگا الفت کی حقیقت کو عدو
دردِ پہلو دردِ دل دردِ جگر ہونے تو دو
کہتے ہیں کیوں وصل میں رونا ہو روزِ ہجر کا
یہ بھی کر لینا ذرا وقتِ سحر ہونے تو دو
قابلیت رفتہ رفتہ اُن میں بھی آجائیگی
اے خضرؑ موسٰی کو اپنا ہم سفر ہونے تو دو
حق میں میرے قابلِ فخر اُسکی ہے چارہ گری
زخمِ دل کا اُسکو ہی خود بخیہ گر ہونے تو دو
عشق کے کوچہ میں گم ہو جائینگے وہ میرے ساتھ
خضر جیسے راہبر کو راہبر ہونے تو دو

پہلے ہی فقرے پہ استدلال مایوسی ہی کیوں
ختم اے صابرؔ بیانِ نامہ بر ہونے تو دو

دل اگر اُس کے تصور سے کبھی غافل نہ ہو
خلوتِ جاناں کو مانع جلوتِ محفل نہ ہو
آرزو ے قتل کیا ایسی ہے جو حاصل نہ ہو
کیا علاج اس کا کہ جب قاتل مرا قاتل نہ ہو
دم فدا عاشق کرے معشوق کچھ مائل نہ ہو
عشق وہ ناقص ہے جس میں جذبہ کامل نہ ہو
گر امید کامیابی یاس کے شامل نہ ہو
تو کسی سے ارتکابِ سعیِ لاحاصل نہ ہو
وائے ناکامی کہ میں جھیلوں مصیبت عمر بھر
اور اس پر بھی مرادِ دل مجھے حاصل نہ ہو

چاہتا ہے وقتِ نظارہ یہ اپنا شوقِ دید — آنکھ کا پردہ بھی اُس دم درمیاں حائل نہ ہو

پھر نہ کسنا ناتواں ہیں آپ ہم نازک نہیں — تم سے گر مقتل میں مجھ سا ناتواں بسمل نہ ہو

امتحانِ عشق لینا ہے تو میں طیار ہوں — لیکن اتنا سوچ لو سر کاٹنا مشکل نہ ہو

اُسنے عرضِ وصل فرمایا ہے دیکھا جائیگا — دیکھئے اب مدعا حاصل ہو یا حاصل نہ ہو

حشر کے دن بھی یہی بیباکیاں قائم رہیں — ہم تو جب جانیں خدا کے سامنے قائل نہ ہو

دل کو ہے ہر دم کسی کی بے نیازی سے ہراس — ہے یہی کھٹکا کہ کوشش میری لاحاصل نہ ہو

دل کی بیماری نے صابر کر رکھا ہے مضمحل — میں بہت اچھا ہوں گر پہلو میں میرے دل نہ ہو

ردیف ہائے مختفی

ہوا جس روز سے تفویض مجھکو کارِ میخانہ — مجھے کہتے ہیں رند بادہ کش مختارِ میخانہ

عروجِ نشۂ مے ہے گُلِ گلزارِ مے خانہ — خمارِ بادہ کو کتنا بجا ہے خارِ مے خانہ

دعا دیتا ہے یہ ساقی کو ہر مے خوارِ میخانہ — ترقی پر رہے یہ گرمی بازارِ مے خانہ

رہا ہو عمر بھر جو دُور از دیدارِ میخانہ — تو اُس محروم پر پھر کیا کھلیں اسرارِ میخانہ

نہ جانو بے خبر اُس کو جو بیکر مست و بیخود ہو — جو ہے سرشار و بیخود ہے وہی ہشیارِ میخانہ

فراقِ ساقی مہوش میں ہے یہ صورتِ تسکیں — زباں پر نامِ ساقی زیبِ گوش اذکارِ میخانہ

خزاں میں بند ہو جاتا ہے فصلِ گل میں کھلتا ہے — نہیں رہتی ہے قائم ایک سی رفتارِ میخانہ

نہیں دیتا ہے زائد ایک قطرہ ظرفِ میکش سے — مرا وہ ساقی مہوش بتِ عیارِ میخانہ

مرا ساقی مسیحا ہے تو دارو ہے مئے گلگوں — مرا دارالشفا میخانہ میں بیمارِ میخانہ

نہیں ممکن مرا ساقی کبھی مجھ سے نظر بدلے — کہ میں اُس کا ہوں دیرینہ سبو بردارِ میخانہ

نشاطِ مے نے مستغنی کیا ہے تختِ شاہی سے
کہ مسند ہے ہماری سایۂ دیوارِ میخانہ

اسی امید پر شاید طلب کر لے کبھی ساقی
پڑا رہتا ہوں زیرِ سایۂ دیوارِ میخانہ

کوئی پیرِ مغاں کے فیض سے پیاسا نہیں جاتا
عجب ہے شانِ میخانہ عجب دربارِ میخانہ

غمِ دارین سے آزاد مے آشام ہوتے ہیں
نظر آیا یہ صابرؔ کتبۂ دیوارِ میخانہ

حُسن اُن کا فزوں کیوں نہ ہو زیور سے زیادہ
تلوار چمک جاتی ہے جوہر سے زیادہ

ہے ربط اسے زانوئے دلبر سے زیادہ
آئینے ہے قسمت میں سکندر سے زیادہ

کیا کوئی جیئے وقت مقرر سے زیادہ
سطریں نہیں بڑھتیں خطِ مسطر سے زیادہ

ایمان ہو یا جان ہو یا عزت و دولت
پیارا نہیں کوئی مجھے دلبر سے زیادہ

ہے اک زنِ آوارہ جسے کہتے ہیں دنیا
الفت یہ نہیں رکھتی ہے شوہر سے زیادہ

ابرو و مژہ اُن کے مرے دل کے ہیں دشمن
خنجر سے سوا وہ تو یہ نشتر سے زیادہ

آغوش کو کس شوق سے وا کرکے لیا ہے
میت کو مری قبر نے مادر سے زیادہ

تم اور فلک دونوں ستمگار ہو لیکن
ظالم نہیں کوئی دلِ مضطر سے زیادہ

شیریں سخنی قند لبی ختم ہے اُن پر
وہ رشکِ نبات اور یہ شکر سے زیادہ

قاتل مجھے خنجر کی ذرا آب دکھا دے
پانی یہ گذر جائے مرے سر سے زیادہ

اصرار یہ میرے تری گالی یہ یہ گالی
شیریں ہے مجھے قندِ مکرر سے زیادہ

کب مجھ سے بیاں ہو لب و دنداں کا ترے وصف
وہ لعل سے بڑھ کر تو یہ گوہر سے زیادہ

ہے دل میں عبث خواہشِ افزونیٔ دولت
ناداں کہیں ملتا ہے مقدر سے زیادہ

ضد میں وہ کہیں وصل سے انکار نہ کر دے
صابرؔ نہ الجھ بتِ خود سر سے زیادہ

یہ عشق روگ بساتا ہے اپنی جان کے ساتھ
ہے دشمنی دلِ ناداں یہ میہمان کے ساتھ

وفا کے قول سے وابستہ ہے زباں میری
رہیگا فعلِ وفا زندگی میں جان کے ساتھ

مذاق قندِ مکرر کا تا رہے حاصل
دیا کرو لبِ شیریں مجھے زبان کے ساتھ

وہ جبکہ ہے مرا آرامِ جان و راحتِ دل
عزیز کیوں نہ رکھوں اُسکو اپنی جان کے ساتھ

خموش رہتے ہیں جب تک وہ مخاطب ہوں
ہی عشق حضرتِ صابر کو آن تان کے ساتھ

اشک آنکھوں میں بھر آئے تو کہاں کا پردہ
کھل گیا آج مرے رازِ نہاں کا پردہ

ہے جو خواہش کہ رہے رازِ نہاں کا پردہ
چاہیے پہلے ہمیں اپنے بیاں کا پردہ

لازم انسان کو ہے رازِ نہاں کا پردہ
ہیں وہ نافہم جو کرتے ہیں عیاں کا پردہ

شرم سے آگے وہ میرے جو نہیں کرتے بات
مجھ سے منظور اُنھیں شاید ہے زباں کا پردہ

یاد میں اُس بتِ خوبی کے جو رو دیا میں کبھی
پڑ گیا رُخ پہ مرے آبِ رواں کا پردہ

یار دم بھر نہیں آنکھوں سے ہماری اوجھل
ہے یہ اپنے ہی فقط وہم و گماں کا پردہ

نالہ کش یہ بھی ہیں الفت میں بتوں کی جن سے
رکھتے ظاہر میں ہیں نادان کا پردہ

ہے شبِ وصل اُٹھا دو رُخِ روشن سے نقاب
تم نے اس وقت نکالا ہے کہاں کا پردہ

جس کے بے دیکھے نہیں چین ہے دل کو صابر
قہر ہے مجھ سے تو اُس آفتِ جاں کا پردہ

ردیف یائے تحتانی

کیوں مرگِ عدو کا نہیں افسوس ہوا ہی
قائم کوئی دنیا میں رہیگا نہ رہا ہے

میں بھر وفا اُن کے لئے جور و جفا ہے
کرتے ہیں وہ بیجا تو سمجھتا ہوں بجا ہے

ہے عکس فگن دل میں وہ بر عکسِ تمنا
صد شکر کہ آئینہ مرا عکس نما ہے

آتا ہے نظر صنعتِ صانع کا تماشا
حسنِ بتِ بے مہر بھی کیا نامِ خدا ہے

قربان ہوں میں حوصلۂ عشق پہ اپنے
محبوب وہ میرا ہے جو محبوبِ خدا ہے

فوراً ہی وہ پژمردہ ہوا بادِ خزاں سے
اس باغِ جہاں میں جو کوئی غنچہ ہنسا ہے

پوچھا جو کبھی میں نے مزاجِ بتِ کم سن
فرمایا کہ تم جیسے بزرگوں کی دعا ہے

یہ تجربۂ عشقِ زلیخا کا ہے مفہوم
جذبِ دلِ بیتاب ہی خود راہنما ہے

عاشق کی محبت پہ عداوت کی نظر ہے
یہ بھی بتِ بے مہر کوئی تیری ادا ہے

عصمت مرے دلدار کی ہے دل کی صفائی
عفت جسے کہتے ہیں وہ اندازِ حیا ہے

تمہید ہی پر عرضِ تمنا کی وہ صابر
تیور پہ شکن ڈال کے فرماتے ہیں کیا ہے

یا الٰہی تیری عالی جاہ وہ سرکار ہے
دوست کا کیا ذکر دشمن بھی وظیفہ خوار ہے

آتشِ نمرود تیرے دوست پر گلزار ہے
اور غرقِ آب ہو کر بھی عدو فی النار ہے

رحمۃٌ للعالمیں ہے تیرے نائب کا خطاب
اور نامِ پاک اُس کا احمدِ مختار ہے

اس سے بڑھکر کیا ہو اُسکے حسن و خوبی کا ثبوت
لن ترانی کہنے والا طالبِ دیدار ہے

اللہ اللہ کالمنیب اُسکی صفت پھر کیوں نہ ہو
کیسا نائب جو حبیبِ داورِ دادار ہے

بحرِ رحمت جوش زن اور وہ ہمارا ناخدا
اُمتِ عاصی کا آسانی سے بیڑا پار ہے

ذرّے ذرّے سے ہی نورِ ذاتِ اقدس آشکار
آئینہ روئے مصفا کا در و دیوار ہے

مہ سے کیونکر رُخِ پُرنور کو تشبیہ دوں
اس میں اور اُس میں تو بیّن فرقِ نور و نار ہے

جس نے صابر ہوش کھوئے مصطفٰے کے عشق میں
جانتی عقلِ سلیم اُس کو ہی کچھ ہشیار ہے

کسقدر عیار و پرفن وہ بُت مغرور ہے
دل میں رہتا ہے مگر پہلو سے کوسوں دور ہے

چاہنے والے کا اپنے قتل کیوں منظور ہے
یہ کہاں کی رسم ہے کس ملک کا دستور ہے

ماہِ کامل کیا مقابل ہوگیا تھا آپ کے
زرد کیوں ہے شکل اسکی کس لئے بے نور ہے

دل خراشی ہی جو ہر دم شغل اس سفاک کا
تاک میں اُسکی مژے ہر زخم کا انگور ہے

اللہ اللہ قلبِ عاشق اُس تجلی کا ہی گھر
جس کے اک جلوے سے سرمہ جلکے کوہِ طور ہے

نقص ہی اپنی سمجھ کا ورنہ وہ جانِ جہان
پاس سمجھو پاس ہے گر دور سمجھو دور ہے

چہرۂ انور پہ ڈالی ہے عبث تم نے نقاب
شمع زیرِ دامنِ فانوس کب مستور ہے

عاشقوں کو حور اور جنت سے واعظ کام کیا
کوچۂ جاناں ہے جنت خود وہ رشکِ حور ہے

مہربانی اور وہ بُت اللہ اللہ کیجیے
جذب دل سے آپکی صابر وہ کچھ مجبور ہے

چھیڑنے سے ترے ہنس ہنس کے جو گریاں ہونگے
چھڑکے یہ چشم تر آمادۂ طوفاں ہونگے

للہ الحمد بنا شوقِ محبت رہبر
مرحلے عشق کی منزل کے اب آساں ہونگے

تشنۂ شربتِ دیدار جو ہیں ساقی کے
حشر کے روز بھی وہ جام کے خواہاں ہونگے

ہم شب و روز اُسے یاد کریں گے اتنا
حافظِ مصحفِ رخسارۂ جاناں ہونگے

لا دوا ہے مرضِ عشق نہ ہوگی صحت
نسخے لکھ لکھ کے طبیب آپ پشیماں ہونگے

شانہ کش شانہ نہ اُلجھے کہیں ایسا سُلجھا
ورنہ زلفوں سے سوا خود وہ پریشاں ہونگے

دم نکل جائیگا لیکن یہ نہیں نکلینگے
دور کب دل سے مرے آپکے ارماں ہونگے

آپ کے دردِ محبت کا ہے جن کو آزار
چارہ سازوں سے وہ کب طالبِ درماں ہونگے

کہتے ہیں شکوہ دلی کیجے نہ پشیماں شبِ وصل
ورنہ پھر ہم سے سوا آپ پشیماں ہونگے

بخیہ گر چاکِ گریباں کو سئینگے کب تک
ایک دامن کے مرے بیس گریباں ہونگے

صحنِ گلزار میں طاؤس نہ ہونگے رقصاں
پائنچے تھام کے جس دم وہ خراماں ہونگے

جب کہا میں نے ہزاروں ہیں تمھارے مقتول
بولے شرما کے کس انداز سے جی ہاں ہونگے

مرگِ شادی سے شبِ غم کا چکیگا قصہ
وہ کسی دن مرے گھر آکے جو مہماں ہونگے

وہ نہ چھوٹینگے کبھی دامِ بلا سے صابرؔ
جو گرفتارِ خمِ گیسوے پیچاں ہونگے

مجھ کو حیرت ہے محبت میں وہ طاقت کیا ہوئی
اُٹھ نہیں سکتا ہوں بستر سے یہ حالت کیا ہوئی

جائے عبرت ہے کہ شاہوں کی وہ شوکت کیا ہوئی
ہیں کہاں طبل و علم آخر یہ نوبت کیا ہوئی

اُس سے مل کر اور دونی بیقراری بڑھ گئی
وصل میں بھی اس دلِ مضطر کی راحت کیا ہوئی

وعدۂ دیدار گر سچ ہے تو پھر کچھ غم نہیں
محفلِ عشرت ہوئی وہ تو قیامت کیا ہوئی

ذکرِ دشمن پر وہ مجھ کو دیکھکر چیں بر جبیں
ہنسکے فرمانے لگے کہئے محبت کیا ہوئی

ہجر میں اُس بت کا شاکی تھا دلِ خانہ خراب
وصل میں یارب مرے دل کی شکایت کیا ہوئی

اُس کے کوچہ سے نکل کر مل گئی راہِ خدا
ہوگیا دل صاف اُس بت سے کدورت کیا ہوئی

بات تو جب ہے کہ ناصح کا بیاں دلچسپ ہو
دل شکن ہو جو نصیحت وہ نصیحت کیا ہوئی

عشق میں صابرؔ خموشی کس لئے ہے اسقدر
طبعِ شوخ و بذلہ سنجی و ظرافت کیا ہوئی

در نعت

زخمِ تیغِ ابرو و پیکانِ مژگاں چاہیئے
دل کو پھر شورِ تبسم کا نمکداں چاہیئے

ہر مسلماں کے لئے تکمیلِ ایماں چاہیئے
دردِ عشقِ مصطفےٰ ہو وہ دل و جاں چاہیئے

شکر ہے شانِ کرم میں فرد ہیں شاہ و وزیر
مانگنے کے واسطے توسیع داماں چاہیئے

کیوں نہ میں پلکوں سے جھاڑوں صحنِ اقدس کی خاک
اس صفائی کے لئے جاروبِ مژگاں چاہیئے

مصطفےٰ پیارے کا پیارا ہی نہیں اس میں کلام
پاسِ خاطر اس لئے اُس کا دوچنداں چاہیئے

ترشیںِ دل کی رونق سرورِ عالم سے ہے
ایسے اعلےٰ قصر کا ایسا ہی مہماں چاہیئے

دردِ عشقِ مصطفےٰ ہے راحتِ قلبِ حزیں
ایسے پیارے درد کا پھر کس کو درماں چاہیئے

ہے سراسر ہفتخوانِ عشقِ احمد پُر خطر
سالکِ راہِ محبت مردِ میداں چاہیئے

حد سے گذرا اشتیاقِ روئے زیبائے حبیب
جمع ہونا اب تجھے زلفِ پریشاں چاہیئے

صرف حضرت کے غلاموں کی غلامی ہو نصیب
جنت الماویٰ نہ مجھ کو حور و غلماں چاہیئے

لا الٰہ الا اللہ اُس کا محمدؐ ہے رسول
اس سے بڑھکر تجھکو کیا صابرؔ علیحاں چاہیئے

اب بھی جانا رخِ محبوب کا جلوا کیا ہے
دیکھ تو حال ترا دیدۂ بینا کیا ہے

ایک مالک کے ہوا کرتے ہیں صدہا مملوک
کیوں بُرا مانوں مرا آپ پہ دعویٰ کیا ہے

ہوں وہ مایوس تمنا کہ مرے قاتل نے
مجھ سے پوچھا نہ کبھی تیری تمنا کیا ہے

دیکھتے ہی مجھے دشمن کی طرف کیوں دیکھا
آپ فرمائیں تو کچھ آپ کا ایما کیا ہے

مائلِ جور و جفا بانیِ بیداد و ستم
مرتے ہیں اُن پہ یہ عشاق کو سوجھا کیا ہے

جانتا ہوں کہ ہے ناصح کی عنایت مجھ پر
یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ کہتا کیا ہے

دل دیا تھا اُسے جس وقت نہ سوچا اُس دم
صابرؔ اب شوخِ ستمگار کا شکوا کیا ہے

یہ تو مانا وہ سراسر پیکرِ اخلاق ہے
غیر سے برتاؤ اُس کا میرے دل کو شاق ہے

اُن کی محفل کا دلِ ناداں عبث مشتاق ہے
گو بہ نسبت مہر کے وہ ظلم میں مشاق ہے
عشق کی کیا بات شہرت اسکی رسوائی نہیں
کھلتے ہیں ہفتاد دو گر بند ہو جاتا ہے ایک
غم نہیں اُن کو ذرا بھی کثرتِ اولاد سے
لطف کیا گر جفت ہیں کہنے کو باہم جسم و جاں
ہے فنا اُن کو بقا نام آوروں کے نام کو
یہ کرم ہے فی الحقیقت یا کہ تمہیدِ ستم

بزمِ عشرت وہ نہیں ہے مجمعِ عشاق ہے
لیکن اُسکے جور سہنے کا یہ دل مشتاق ہے
کس لئے نازاں نہ ہو دل شہرۂ آفاق ہے
فی السماء رزقکم وعدہ خدا رزاق ہے
یاد جن کو آیۃ من خشیۃ الاملاق ہے
اپنے دل کی جب غمِ فرقت سے طاقت طاق ہے
ذکرِ خیر اُن کا جہاں میں زینتِ اوراق ہے
عاشقِ زار آجکل کیوں موردِ اشفاق ہے

کیا تلافی ستم اُن سے عمل میں آ گئی
کل تو صابر مضمحل تھا آج چست و چاق ہے

عشق کم ظرف سے یہ حسن کی مطعونی ہے
تپشِ قلب کی یہ ہجر میں افزونی ہے
عمر کا جزو وہی ہے کہ جو جا کر آ جائے
کوئی اُس حسن کی کیا کنہ حقیقت سمجھے
دلِ عاشق حرمِ خاص تو سینہ ہے حریم
ہے لپٹ آتشِ نمرود کی آہوں میں مری
آپکے وعدۂ فردا سے وہ دل کیا خوش ہو
ایک حالت پہ مرا دردِ جگر ہے قائم
کم سخن نام ہمارا بھی رہا ہے صابر

کہیں محبوب ستمگر ہے کہیں خونی ہے
کل سے ہے آج سوا آج سے کل دونی ہے
اعتبار اُس کا ہے کیا سانس جو بیرونی ہے
جسکے ہر جلوے میں بے کیفی و بے چونی ہے
وادیِ چشم جو ہے منظرِ بیرونی ہے
جوششِ اشک میں طغیانیِ جیحونی ہے
یاس کی جس میں سمائی ہوئی محزونی ہے
نہ کمی ہے کوئی اُس میں نہ کچھ افزونی ہے
لقبِ غیر اگر بزم میں باتونی ہے

خوش نصیبی سے سرِ شام جو آنا دیکھے
اُس کا رُخ آنکھوں سے وہ صبح کو جانا دیکھے

سگِ محبوب بھی عاشق جو کسی جا دیکھے
اپنے کو ادنےٰ اُسے اپنے سے اعلےٰ دیکھے

کس طرح آنکھ ترے حسن کا جلوا دیکھے
ضو سے جب خیرہ بصارت ہو تو پھر کیا دیکھے

خر موسےٰ صعقا کا وہی نقشا دیکھے
ہے تجلّی اُسے سو بار جو موسےٰ دیکھے

گر تمنا ہے تو صرف اُس کی تمنا یہی
خلق کے دل میں وہ اپنی ہی تمنا دیکھے

تنگ دامانِ نگاہ و گلِ حُسنت بسیار
چشمِ مشتاق ادائیں تری کیا کیا دیکھے

اپنی نظروں میں تو ہے یار کا ہر فعل بجا
نقص اُس آنکھ کا ہے جا کو جو بیجا دیکھے

باتیں کرتا ہوں تصور میں شبِ غم اُس سے
مجھ سے چھپ کر وہ مرا کاش تماشا دیکھے

حق میں اوروں کے ہو انسان ہنر بیں صابر
عیب جینے کے لئے عیب وہ اپنا دیکھے

بوالہوسی و عشق کی صرف بقا عیار ہے
دیکھنے میں وگرنہ ایک پرتو نور و نار ہے

عاشقِ زار کا یہ اوج سر بفلکِ غبار ہے
سر تو اُٹھا کے دیکھئے چرخ یہ اک مزار ہے

بولے وہ میری قبر پر آکے مقامِ عار ہے
آج تو ہم کو چھوڑ کر گور سے ہمکنار ہے

زمزمہ سنج عندلیب باغ میں گو ہزار ہے
میرے فغاں کے لحن سے دردِ دل آشکار ہے

آپ کو کب ہے عشقِ غیر اس کا یقین ہے مجھے
آپ قسم نہ کھائیے آپ کا اعتبار ہے

عاشقِ زار پر ستم ڈھاتا ہے آنکھ پھیرنا
گردشِ چشمِ فتنہ زا گردشِ روزگار ہے

جب سے مجھے چڑھا ہے زہر افعیِ زلفِ یار کا
کہتا ہے دیکھ کر ہر ایک عشق کی اس کو مار ہے

قابلِ قدر ہے وہ اشک ٹپکے جو تیرے عشق میں
لعلِ گراں بہا ہے وہ گوہرِ شاہوار ہے

جس کا کہ نام نیند ہے کانٹوں پہ بھی وہ آگئی
یادِ مژہ میں گو ہوا بسترِ خواب خار ہے

لطمۂ خورِ سموم جب فصل خزاں نہیں رہی
موسم گُل میں اے بہار تیرا کب اعتبار ہے

صابرِ خستہ دل پہ بھی ہو کبھی لطف کی نظر
ایک وفا شعار ہے تخلص جاں نثار ہے

چشم تر اشک کا مینہ ہجر میں برساتی ہے
دل پہ ہر وقت مرے غم کی گھٹا چھاتی ہے

ہجر ساقی میں یہ برسات ستم ڈھاتی ہے
جو گھٹا آتی ہے اک رنج بڑھا جاتی ہے

خبر قربِ اجل لاتی ہے جب آتی ہے
اک نفس عمر کا ہر سانس گھٹا جاتی ہے

اُن کو بے چین اثر سے نہیں کرنا منظور
عرش تک گرچہ مری آہ رسا جاتی ہے

اپنے وعدے پہ اگر تو نہیں آتا تو نہ آ
خانۂ دل میں تو صورت تری آ جاتی ہے

اُن کی اک شان کرم پہ ہی نہیں میں مفتوں
جور کی شان سوا اُس سے پسند آتی ہے

آپ کیا پوچھتے ہیں عیب و ہنر صابر کے
صلحِ کُل اور وہ اک رندِ خراباتی ہے

تا قیامت تیرا اے حامد علی خاں دم رہے
اور لہراتا ہوا میں یہ سدا پرچم رہے

یہ دعا دیتے ہمیشہ اُس صنم کو ہم رہے
نور ہے عالم میں اور یہ حسن کا عالم رہے

دیدِ جاناں کو ترستے دیدۂ پُرنم رہے
ہجر میں تا زندگی ہم مبتلائے غم رہے

چاہنے والا نہ ہو تو حُسن پھر بیکار رہے
یہ دعا مانگو حسینو عاشقوں کا دم رہے

خون تھمتا ہی نہیں ہے ایسے کاری زخم ہیں
کس طرح زخموں پہ میرے چارہ گر مرہم رہے

جبکہ جانا ہی تو کیا دنیا میں رہنے کی خوشی
رہنے کو صد ہا برس تک نوحؑ اور آدمؑ رہے

عمر بھر عجز و اطاعت کا رہے ہر دم خیال
گردنِ طاعت حضورِ پیر و مرشد خم رہے

میرے ہم سن یار دیتے ہیں مجھے اکثر یہ داد
یار پیری میں بہت اچھے ترے دم خم رہے

اپنی ہم کس سے کہیں دنیا میں اور کس کی سنیں
ہمنفس باقی رہے اپنے نہ اب ہمدم رہے

صبح پیری جب نمایاں ہو گئی رخصت ہو گئے
ہم تو اس باغِ جہاں میں صورتِ شبنم رہے

پائے وہ گر ملکِ باطن کی حکومت کا مزا
ناصیہ سا میکدے کے در پہ شاہِ جم رہے

مجھکو یکساں کیوں نہ ہو ہر وقت صابر وصل و ہجر
رات دن جب اُنکی صورت قلب سے منضم رہے

ہر چیز کو زوال ہے جس کو کمال ہے
ہاں عشق جس کو کہتے ہیں وہ لازوال ہے

خالِ رُخِ حبیب عدیم المثال ہے
ہے بھی کہیں مثال تو وہ خال خال ہے

وحشت میں بھی امید کا ٹوٹا نہ سلسلہ
جوشِ جنوں میں بھی تو خیالِ وصال ہے

لکھا ہی اُس نے جو خطِ توام میں مجھکو خط
میرے لئے یہ وصل کی فرخندہ فال ہے

خالی نہیں ہے نقص سے افراط اور کمی
ہر چیز کا پسند مجھے اعتدال ہے

دیکھا جسے وہ محو ہے اپنے خیال میں
جو کچھ بھی آدمی میں ہے بس وہ خیال ہے

دلبستگی غیر کا جب سے ہوا ہے علم
حق میں مرے وہ زلفِ پریشاں وبال ہے

ہے اُس بہارِ حسن کی آمد جو باغ میں
ہر اک شجر چمن کا خوشی سے نہال ہے

غم یار کے کمالِ ستم کا نہ کیجیے
صابر ہر اک کمال کو آخر زوال ہے

نگاہِ یار میں جس کا وقار ہوتا ہے
اُسی کا عشق میں سر زیب دار ہوتا ہے

غضب کا دل کو اِدھر انتظار ہوتا ہے
تمام شب اُدھر اُن کا سنگھار ہوتا ہے

نگاہِ ناز کا ہر اک شکار ہوتا ہے
نظر کا تیر ہر اک دل کے پار ہوتا ہے

کسی کا ذکر دلِ مضطرب کی ہے تسکین
کسی کی یاد میں دل بیقرار ہوتا ہے

کبھی جو پڑتی ہے اُن پر نظر محبت کی
تو یہ بھی خاطرِ نازک پہ بار ہوتا ہے

ستم ہیں اُن کے کبھی شانِ رحم پاتا ہوں
کبھی کرم میں ستم آشکار ہوتا ہے

نہیں ہے بحرِ محبت میں نا خدا کوئی
خدا کے فضل سے بیڑا یہ پار ہوتا ہے

یہ گردشِ فلکی بے سبب نہیں ہرگز
وہ گرد پھر کے کسی پر نثار ہوتا ہے

نہ پوچھیئے شبِ وعدہ امید و بیم کا حال
کسی کے آنے کا جب انتظار ہوتا ہے

عبث ہے تجھ کو خلشِ رشکِ غیر سے اے دل
ہمیشہ پھول کے پہلو میں خار ہوتا ہے

گلے لگا کے وہ بولے کہ اب نہ رو **صابر**
وصال میں بھی کوئی اشکبار ہوتا ہے

جو دیکھو گے کبھی فرقت میں بیتابی مرے دل کی
تو تڑپائیگی تم کو بیقراری مرغِ بسمل کی

مقامِ عشق میں یوں رستگاری ہم نے حاصل کی
کہ ہر منشاءِ جاناں میں رضا اپنی بھی شامل کی

اب اُنکے ذکر میں ہر وقت جنبش ہے مرے دل کو
نہیں حاجت رہی تسبیح اور عقدِ انامل کی

مری یہ عرض ہے اُن سے کہ میرا کچھ نہیں مطلب
جواب اُن کا یہ ہے صورت نہیں چھپتی ہے سائل کی

انا لیلیٰ کی حالت سے کھلا عقدہ یہ مجنوں پر
کہ ہے یہ درحقیقت عشق میں تحصیل حاصل کی

پڑے جب عقل پر پردے تو دل کھو یا گیا میرا
کسی کا قول یہ سچ ہے گرہ کٹتی ہے غافل کی

نہیں لیلیٰ وہ مجنوں ہے نہیں مجنوں وہ لیلیٰ ہے
انا لیلیٰ کی حالت نے ہٹا دی اوٹ محمل کی

وہ فرماتے ہیں مجھ سے بیوفائی کا گلہ سنکر
کہ ایسے بے وفا پر کیوں طبیعت تم نے مائل کی

مقامِ عشق میں جب بیخودی ہو پھر خبر کیسی
نہ اصلیت ہے آساں کی حقیقت ہے نہ مشکل کی

بڑھانا ربط معمولی کا اُن سے ہو گیا آفت
یہ آساں راہ خود پر اپنے ہاتھوں ہم نے مشکل کی

حیاتِ جاودانی قتل کے پردے میں ہے پنہاں
نہیں کم آبِ حیواں سے ہے آبِ تیغ قاتل کی

میان عاشق و معشوق کب پردہ ہے ای خدا
دکھاؤ کی یہی بہر خلق حائل اوٹ محمل کی

تڑپ جاتا ہوں صورت دیکھ کر ہر ایک دلبر کی
نگاہِ لطف ہو گو غیر کی جانب ہی دلبر کی
قدِ دلجوے ہمت پست ہے سرو و صنوبر کی
ہوئی اُنکے دُرِ دنداں سے پانی آب گوہر کی
نہ خواہش جاہ و منصب کی نہ کچھ مجھکو ہوس زر کی
سخنور کے ہی دل میں قدر ہوتی ہے سخنور کی
شبِ فرقت یہ ہو جاتی ہے حالت دیدۂ تر کی
پھر آگے کامیابی منحصر ہے جذبِ الفت پر
وہاں بجرم غیروں نے مجھے مجرم بنایا ہے
جلا یا میرا نامہ پہلے پھر قاصد سے فرمایا
صفائی ہاتھ کی یہ ہے نظر آتا نہیں دیکھو
دوئی باقی نہیں جاتی ہے جو تم ہو وہی یہ ہی
پڑھے جاتے ہیں میرے سامنے خطاب تو غیروں کے
جسے کہتے ہیں بحرِ عشق وہ ذخار دریا ہے
سرِ بزم آپنے پونچھے جو آنسو اپنے دامن سے

وہ جاپانی ہو یا روسی ہو یا انگلش ہو یا ٹرکی
گلہ میں کیوں کروں اُس سے مجھے عادت نہیں شر کی
گلِ عارض کے آگے پھیکی رنگت ہے گلِ تر کی
خجل سرخی لبِ خنداں سے ہے یاقوتِ احمر کی
محبت دل میں ساقی کی طلب ہے دورِ ساغر کی
مثل ہے جوہری ہی جانتا ہے قدر گوہر کی
کہ طوفاں خیز موجیں جس طرح ہوں سمندر کی
پہنچنے کو وہاں تک ہے ضرورت ایک رہبر کی
شہادت دے رہی ہے اسکی ہر اک مہر محضر کی
جوابِ خط میں لیجا خاک تو یہ اُنکے دفتر کی
وگرنہ دل مرا مٹھی میں ہے اُس شعبدہ گر کی
یہ آئینہ نہیں ہے اب یہ ٹکر ہے برابر کی
وہ پیش آئی ہے جو تحریر تھی اپنے مقدر کی
کہ زہرہ آب طاقت ہوتی ہے زائل شناور کی
قسم کھانے لگے اغیار میرے دیدۂ تر کی

رہیگی تابِ نظارہ کبھی تم کو بزم میں صابر
کسی دن وہ نقاب چہرۂ زیبا اگر سرکی

اگرچہ عادت ہے خود نمائی کی / دھوم ہے اُس کی پارسائی کی
وصل میں بھی تو بیقراری ہے / تھی شکایت بہت جدائی کی
درِ دلدار تک میں جا پہنچا / جذبۂ دل نے رہنمائی کی
اُن کی ہمتائی کی بریت میں / پیش آئینے نے صفائی کی
یدِ بیضا سے کچھ مشابہ ہے / روشنی اُس کفِ حنائی کی
نہ کرے بات تک بہت مغرور / شان ہے اُس کی کبریائی کی
کفرِ شدّاد کا قلق **صابر** / فکر ہے تم کو بھی خدائی کی

تعجب کیوں ہوا تم کو نگارہ دیدۂ دل سے / بصارت میں سویدا کم نہیں ہے آنکھ کے تل سے
زنخداں پر تمھارے شیفتہ جو ہو گیا دل سے / رہائی پھر نہیں ملتی ہے اُس کو چاہِ بابل سے
نہیں مجھکو رقیب روسیہ سے تاب یکجائی / قرینِ مصلحت ہے دور رہنا اُنکی محفل سے
وہاں درکار ہے آدابِ مجلس میں لبِ ہو دیوانہ / قرینِ مصلحت ہے دور رہنا اُن کی محفل سے
مقام اپنا رہا ہر روز چل کر راہ اُلفت میں / سفر میں ہی کٹی ہے زندگی دوری منزل سے
نہیں ہم پلّہ میرا غیر پھر کیوں رشک ہو مجھکو / کہ پیدا رشک مجنوں کو ہوا کب عشقِ نوفل سے
کوئی سمجھا مجھے زندہ کوئی سمجھا مجھے مردہ / میں تھک کر سو رہا جب راہ میں دوری منزل سے
کہا میں نے یہ دل کیوں آپ کا بھرتا ہے دم ہر دم / تو بولے ہنسکے پوچھیں آپ خود یہ اپنے ہی دل سے
اگر بیٹھا تو پھر ہرگز نہ اُٹھونگا نہ اُٹھونگا / جنازہ ہی اُٹھیگا پھر تو اپنا کوئے قاتل سے
دھمال اپنا ہوا ہی وصل سے ہوتے ہی مایوسی / میسر کیسی آسانی ہوئی ہے ہم کو مشکل سے
تصور جب سامنے ہے تو کیسا ہجر کا صدمہ / ہے دور آنکھوں سے ظاہر میں مگر نزدیک ہے دل سے

یہ ذوق وشوق تیرے وحشیوں کو ہوا اسیری میں
کہ طاری وجد ہو جاتا ہے آوازِ سلاسل سے

درِ جاناں ملا تو فرطِ شادی نے کیا بیخود
ملی منزل مگر میں منزلوں ہوں دور منزل سے

انا لیلیٰ کا درجہ جب سے جذبِ عشق میں پایا
غرض کچھ بھی رہی مجنوں کو لیلیٰ سے نہ محمل سے

نہ کیوں مرہونِ منت ہو کے لوٹوں اسکے قدموں پر
سبکدوشی مجھے حاصل ہوئی ہی میرے قاتل سے

جوابِ جاہلاں باشد خموشی حضرت ناصح
کوئی عاقل کبھی کرتا نہیں ہے بحث جاہل سے

وہ اپنے آپ آئینہ بنے حیرت سے ای صابر
ہوا ہے آئینہ سکتے میں جب تیرے مقابل سے

جاں اپنی وقفِ دیدۂ بینا کرے کوئی
جب کہ رزو ہی برقِ تجلےٰ کرے کوئی

پہلے تو نذر جبّہ تقوے کرے کوئی
ساقی سے پھر کرم کی تمنا کرے کوئی

بیدردِ دل اگر ہے تو دیکھا کرے کوئی
کچھہ درد ہے تو دل کا مداوا کرے کوئی

شانِ کرم تو دیکھئے میرے کریم کی
ہے اذنِ عام عرض تمنا کرے کوئی

شہرت جب اپنی آپ ہی درکار ہی اُسے
ایسے کو کیا جہان میں رسوا کرے کوئی

پڑتی ہے غیر پر نظرِ لطف بزم میں
کب تک ستم یہ آنکھ سے دیکھا کرے کوئی

دل ڈھونڈھتا ہی وصلِ حقیقی کا اب مزا
مجھ کو دوئی سے یار کی تنہا کرے کوئی

جب ربط ہی نہیں ہے لطیف و کثیف میں
امید وصل آپ کی پھر کیا کرے کوئی

رشکِ علے وکا ئبن کے گلہ اس نے یہ کہا
ہم غیر کے اگر ہیں تو اپنا کرے کوئی

آرام جان و دل کا یہی ذکرِ خیر ہے
ہر وقت حسن و عشق کا چرچا کرے کوئی

اس واسطے نظر سے لڑاتے ہیں وہ نظر
خواہش ہے پتلیوں کا تماشا کرے کوئی

دنیا کے اور ذکر ہیں دشمن کے واسطے
کیوں میرا اور آپ کا چرچا کرے کوئی

کہتے ہیں ہم کوئی نظر آنے کی چیز ہیں
آئیں نظر تو شوق سے دیکھا کرے کوئی

بولے عدو سے شکوۂ صابر نہ کیجئے
پہلے تو وہ خلوص ہی پیدا کرے کوئی

ہر اک کے لئے خانۂ دل اپنا نہیں ہے
مالک وہی اس گھر کا ہے جو اسکا مکیں ہے

ہنس ہنس کے یہ انکار جو اے ماہ جبیں ہے
سو ہاں کی برابر یہ تری ایک نہیں ہے

اب اسکے سوا عشق میں کچھ شغل نہیں ہے
سنگ درِ دلدار ہے اور اپنی جبیں ہے

آبادیٔ نظم اپنے ہی اب زیرِ نگیں ہے
ہر بیت میں اپنے ہی قلمرو کی زمیں ہے

وہ بت مرے نزدیک تو اک لعبتِ چیں ہے
جس عشق کا عاشق کے اُسے کچھ بھی نہیں ہے

کب اُس کے لئے فاصلۂ عرش و زمیں ہے
جس جا بھی اُسے ڈھونڈھئے موجود وہیں ہے

گر دل ہی نگیں بنا تو ہے نقش وہ صورت
خاتم ہے مرا قلب تو شکل اُس کی نگیں ہے

تھی جن کے کبھی زیر قدم اطلس و دیبا
ہے اُنکا لباس آج کفن فرش زمیں ہے

صرف آپ کے دیدار کی ہم کو ہے تمنا
اور اس کے سوا خواہشِ دنیا ہے نہ دیں ہے

زیور تری پیشانیِ روشن کا ہے دھبّا
عشاق میں یوں تیرا لقب ماہ جبیں ہے

فرماتے ہیں صابر ہیں کہ ہر نسل کا افغاں
نخوت ہی نہ جہل و حسد و بغض نہ کیں ہے

آہ و نالہ ہے اشکباری ہے
ہجر میں شکل یہ ہماری ہے

صبح وصل اب نصیب ہو کہ نہ ہو
ہجر کی رات ہم پہ بھاری ہے

مر مٹے تم پہ اور نہیں
آج تک ہم سے پردہ داری ہے

تیری شمشیر ہجر کا قاتل
دلِ عاشق پہ زخم کاری ہے

اُن کی جانب سے ہے غرور و ستم
میری جانب سے انکساری ہے

ہیں جو سرشارِ بادۂ الفت
اُن کی غفلت بھی ہوشیاری ہے

قتلِ عشاق کے لئے قاتل
نگہِ ناز کی کٹاری ہے

بوسہ اپنی جبیں کا دیں وہ ہمیں
ایسی قسمت کہاں ہماری ہے

شام سے ہجرِ یار میں تا صبح
ہم نے رو رو کے شب گذاری ہے

بے حجابی ہے تیری دشمن سے
اور عاشق سے پردہ داری ہے

آپ کے حسن کی ملاحت سے
پانی چاہِ ذقن کا کھاری ہے

خطِ رخسارِ یار اے صابر
باغِ جنت کی سبز کیاری ہے

تیری رنجش اے بتِ بے پیر کہنا چاہیئے
یا کہ میری گردشِ تقدیر کہنا چاہیئے

آگے اُس ابرو کماں کی چشمِ تیر انداز کے
اِس دلِ رم خوردہ کو نخچیر کہنا چاہیئے

روبرو اُس چہرۂ پُر نور کے خورشید کو
ذرۂ ناچیز و بے توقیر کہنا چاہیئے

پاس رہکر بھی وصالِ یار جب ممکن نہ ہو
اس کو اپنی شامتِ تقدیر کہنا چاہیئے

حُسن کی شہرت کا باعث عشق ہی اے جانِ جاں
عاشقوں کو باعثِ تشہیر کہنا چاہیئے

گوش و بینی و دہان و چشم و لب اُس کے بھی ہوں
ماہ کو جب آپ کی تصویر کہنا چاہیئے

تو خرامِ ناز فرمائے جہاں اے سیم تن
اُس زمیں کی خاک کو اکسیر کہنا چاہیئے

کر دیا ہے اِس دلِ وحشی کو پابندِ بلا
زلفِ مشکیں کو تری زنجیر کہنا چاہیئے

تیری اس ناآشنائی اور بے پروائی کو
دل لگانے کی مرے تعزیر کہنا چاہیئے

حضرت صابر جہاں میں عشق کی بنیاد کو
قصرِ دل کی آپ کے تعمیر کہنا چاہیئے

سمجھے ہوئے ہر ایک جسے اُنکی کمر ہے
وہ بال کوئی زلف کا یا تارِ نظر ہے

ہر وقت وہ خوش چشم مرے پیشِ نظر ہے
پُتلی کی طرح اُس کا مری آنکھوں میں گھر ہے

کیا حالِ دلِ زار ہے کیا دردِ جگر ہے
بے درد مرے درد کی کچھ تجھ کو خبر ہے

نرگس جسے کہتے ہیں وہ ہی آنکھ تمھاری
اور لالہ پُر داغ مرا داغِ جگر ہے

آبادی ہمسایہ کی اللہ کرے خیر
کچھ جوش پہ پھر آج مرا دیدۂ تر ہے

عاشق کہیں یہ سوچتے ہیں ناصحِ ناداں
دل دینے میں کیا نفع ہے اور کیسا ضرر ہے

کہنا وہ کسی کا یہ شبِ وصل ادا سے
سونپا تمھیں اللہ کو لو وقتِ سحر ہے

جس کا کہ کسی طرح سے ملنا نہیں ممکن
وہ اے دلِ ناداں ترا منظورِ نظر ہے

عشاق کے اشکوں کے بخارات ہیں نیساں
نیساں سے صدف میں ہوئی تخلیقِ گہر ہے

دیکھے ہوئے ہوں میں تپشِ ہجر کو صابر
کب گرمیِ محشر کا مجھے خوف و خطر ہے

جان اب تنگ زندگی سے ہے
طالبِ مرگ دل خوشی سے ہے

اپنی صورت پہ اے بتِ کم سن
تجھ کو اتنا غرور ابھی سے ہے

شکلِ انساں تو کیسی اب اُن کو
دعویٰ ہمسری پری سے ہے

بوسے دے ڈالو اے صنم مجھکو
راضی اللہ بھی سخی سے ہے

دل میں جن کے ہی عشق ہو گئے گم
کام کیا اُن کو فربہی سے ہے

کھینچ لاتا ہے ہر گھڑی مجھکو
دل کو الفت تری گلی سے ہے

عشق کے باب میں تمھیں صابر
بحث بیکار مولوی سے ہے

بے چین کیا جذب محبت کے اثر نے
لیکن انھیں اُٹھنے نہ دیا اُن کی کمر نے

اس جوشش گریہ نے مرا کام بگاڑا
خط یار کا پڑھنے نہ دیا دیدۂ تر نے

رسوائی سے بچنے کے لیے ہم کو جگایا
کیا وصل کی شب کام دیا مرغِ سحر نے

کام آیا شب ہجر نہ بیگانہ نہ اپنا
آخر کو مرا کام کیا دردِ جگر نے

یہ نکتہ کہ ہر دن ہی حسینوں کی نئی شان
اک ماہ میں تعلیم کیا ہم کو قمر نے

وہ دور کھچے دیکھ کے آثارِ محبت
افسوس ڈبویا ہے مجھے دیدۂ تر نے

جب گم ہوئے خود پائی رہِ چشمۂ حیواں
یہ نکتہ سکندر کو بتایا نہ خضر نے

میں عکس رُخِ یار رخِ یار کو سمجھا
افسوس یہ کیا کی غلطی میری نظر نے

ذی ہوش نہ تھا لائقِ تعزیر نہ ٹھیرا
گو صاف کہا انی انا اللہ شجر نے

دیکھا جو مرا عجز تو دل ان کا پسیجا
کی قوتِ بازو نے مدد میری نہ زر نے

شیرینی نہ کیوں ہو مرے اشعار میں **صابر**
فرمایا ہے مقبول مجھے گنج شکر نے

کیا بڑا مانوں میں اُس غولِ بیابانی سے
کر رہا ہو جو نصیحت مجھے نادانی سے

نہ انھیں آگ سے ہے خوف نہ کچھ پانی سے
ڈرتے ہیں گریۂ عاشق کی وہ طغیانی سے

تو بگڑتا ہے جو کھچکر تو تعجب کیا ہے
کھچکے تصویر بگڑتی ہے تری مانی سے

گر نہیں عاشقِ گریاں کے نظارے کا اثر
کیوں ٹپکتا ہے عرق آپ کی پیشانی سے

اب اثر ضبط کا مجھ تک نہیں محدود رہا
وہ بھی بے چین ہیں ضبطِ غمِ پنہانی سے

وصل میں شوق کا ضبط اور غمِ ہجر میں صبر
دور ہے دائرۂ طاقتِ انسانی سے

سیلِ گریہ سے مراد آئی تو یہ وحشی کی
بن گیا شہر بیابان جو ویرانی سے

وصل یا ہجر ہو کٹ جاتا ہے انسان کا وقت | اس میں تفریح ہے اور اُس میں پریشانی ہے

ہو گئی جب جذبِ محبت کو ترقی صابر
مشکلیں حل تری ہو جائینگی آسانی سے

دل جانتا جس کو با وفا ہے
وہ حد سے زیادہ پر جفا ہے

مشتاق وصالِ دلربا ہے
کیا خبط یہ دل کو ہو گیا ہے

جب سے رہِ عشق میں مٹا ہے
دل طالبِ بادۂ فنا ہے

ہے نالہ و آہ کا مرے ورد
دنیا سے جانتی گھٹا ہے

جو عرض کروں ہے وہ بیجا
جو آپ کہیں وہ سب بجا ہے

وصلیت سنگدل ستمگر
ہو مجھکو یہ کیسا مدعا ہے

شمشیرِ ستم سے قتل کرنا
ادنے سی یہ اُن کی اک ادا ہے

ہے دور جو وہ صنم تو کیا غم
جب پاس مرے مرا خدا ہے

اے ہجر ستائیگا کہاں تک
انجام کو وصل دلربا ہے

بے وجہ جنوں نہیں یہ صابر
سودا کسی زلف کا ہوا ہے

فصدوں سے گیا جنوں نہ کچھ بھی
دیکھا کم جوشِ خوں نہ کچھ بھی

ہیہات ہے دوا مسیحا کا قول
آزاد میں رہ سکوں نہ کچھ بھی

قاتل تن زار سے ہمارے
نکلا دمِ ذبح خون نہ کچھ بھی

آجاتے ذکر جو اُس دہن کا
میں چپ رہوں کہہ سکوں نہ کچھ بھی

جاتے رہتے ہوش ورنہ اُن سے
میں حالِ دل اور کہوں نہ کچھ بھی

اک بوسے پہ کیوں ہیں لاکھوں اقسام
دل دیجیے ہیں تم سے لوں نہ کچھ بھی

اس دیدۂ تر سے اپنے صابر
جز گریہ ہوا فزوں نہ کچھ بھی

تلاش یار کی پیدا ہوئی تھی آرزو اچھی
کہ ہستی اپنی کھوئی کی یہ ہم نے جستجو اچھی

سمجھتے ہیں جسے بے عزتی عشاق دنیا میں
مری عزت وہ ذلت ہے مجھے وہ آبرو اچھی

مجھے کافی ہے وہ تارِ نظر اور سوزنِ مژگاں
نکل آئی ہے بھر چاک دل شکلِ رفو اچھی

گلِ گلزار کو بے فائدہ کیوں سر چڑھایا ہے
نہ گل رخ کا تمھارے اس سے رنگ اچھا ہے بو اچھی

تمھاری آرزو ہونے سے تو پہلو میں تم اچھے
نہ ہو گر تم تو پہلو میں تمھاری آرزو اچھی

عبث تم کیوں مکدر ہو گئے میری صفائی سے
کہ ہے تعریف پیچھے اور شکایت روبرو اچھی

تمھاری آرزو دشمن ہماری آرزو تم ہو
تمھاری آرزو سے ہے ہماری آرزو اچھی

ہے میری اور تیری دونوں کی قائم نمود ان سے
محبت وہ بھی اچھے ہیں نہ میں اچھا نہ تو اچھی

وہ کہتے ہیں وکالت پر عدو کے پاس بھیجوں گا
کہ صابر کی ہی تقریر اور طرزِ گفتگو اچھی

کیوں نہ دنیا کو کرے عاشقِ ہیجاں خالی
کر گیا چھوڑ کے آغوش کو جاناں خالی

باعثِ کثرتِ تحریر خطوطِ الفت
روشنائی و قلم سے ہے قلمداں خالی

اہل امید کے دامن کو درِ مقصد سے
اس طرح رکھیے نہ اے شاہِ حسیناں خالی

سلسلہ یار کی زلفوں کا نہیں ہاتھ آتا
یوں ہی جاتے ہیں مرے خواب پریشاں خالی

اب ترا دھیان بھی لاتا نہیں تشریف یہاں
خانۂ دل ہے کئی دن سے مری جاں خالی

دل بھر آتا ہے ہمارا شبِ فرقت صابر
یار سے دیکھتے ہیں جب کہ شبستاں خالی

بے پردگی ہے دیدۂ اغیار کے لئے
ہے عذر پردہ طالب دیدار کے لئے
مجرم وہ ہوں کہ غم نہیں پاداشِ جرم کا
خوش ہوں کہ وہ بلائینگے اظہار کے لئے
یہ بات تو ہے خواب کی بیجا عتاب ہی
سوتے میں بوسے آپکے رخسار کے لئے
انسان کی فلاح ہے قسمت پہ منحصر
احمق کے واسطے ہی نہ ہشیار کے ہے

سردار ملکِ عشق کا صابر وہی تو ہے
سر اپنا جس نے وقف کیا دار کے لئے

ماہِ نو دلدار کا ابرو نظر آیا مجھے
سرو ہمشکلِ قدِ دلجو نظر آیا مجھے
دین و ایماں وہ رُخِ نیکو نظر آیا مجھے
کعبۂ جاں وہ خمِ ابرو نظر آیا مجھے
رازِ دردِ عشق کا اظہار گو بیکار تھا
کہدیا دل پر نہ جب قابو نظر آیا مجھے
گریۂ الفت کا آخر ہوگیا اُن پر اثر
نرگسِ فتاں میں بھی آنسو نظر آیا مجھے
بیخودیٔ عشق نے آخر کو بے غم کردیا
دونوں عالم سے دل اب یکسو نظر آیا مجھے
تیری فرقت بھی نہیں کم وصل سے میرے لئے
محو ایسا ہوں کہ ہر سو تو نظر آیا مجھے

کہتی ہے مخلوق صابر جس کو سحر سامری
وہ نگاہِ ناز میں جادو نظر آیا مجھے

اُن کو جس وقت خطِ شوق رقم ہوتا ہے
میرے قابو میں نہ دل اور نہ قلم ہوتا ہے
جس گھڑی ساقیٔ مہوش کا کرم ہوتا ہے
حال میکش کا نہ پوچھو کہ جم ہوتا ہے
سرِ توحید ترا کس سے رقم ہوتا ہے
سر ہیاں لکھنے سے پہلے ہی قلم ہوتا ہے
گرد ہن میں صفتِ چشمۂ حیواں ہو تو
نگہِ نرگسِ فتاں میں تو سم ہوتا ہے
دل عاشق سے یہ بالکل نہیں مٹتا لیکن
دردِ فرقت میں سوا وصل میں کم ہوتا ہے

آنکھ اُٹھا کر بھی کبھی دیکھا میری جانب
اُن کے نزدیک یہ اک کارِ اہم ہوتا ہے

اُس سے گاہ بنا پاس سے وہ گاہ مٹا
عاشقِ زار ترا نقشِ قدم ہوتا ہے

حرصِ دنیا جسے کرلیتی ہے اپنا پابند
حق میں اُس شخص کے ہی دام۔ درم ہوتا ہے

کہتے ہیں میرے ستم کو بھی کرم تم سمجھو
ہر گھڑی اُن کا ستم پر یہ ستم ہوتا ہے

کان سے آپ کے اغیار کے منہ کا کیا کام
ایسی باتوں سے مرا ناک میں دم ہوتا ہے

جان ہوتی ہے مری وقفِ طوافِ ساقی
دل میں جب ولولۂ طوفِ حرم ہوتا ہے

مرے کوچے سے کسی دن جو گزر جاتا ہے
سر مرا اور ترا نقشِ قدم ہوتا ہے

مردِ میداں کے لئے فاصلۂ فتح و شکست
بڑھنے ہٹنے کا وہی ایک قدم ہوتا ہے

رُخِ پُر نور پہ وہ چھوڑ کے گیسو بولے
رات سے دن سرِ شام ایسے بہم ہوتا ہے

مجھکو کردیتا ہے خاموش یہ کہکر وہ شوخ
داستاں آپ کی سننے سے الم ہوتا ہے

محفلِ ناز میں یہ دیدۂ مشتاق مرا
محوِ نظّارہ زسر تا بقدم ہوتا ہے

عشق میں آئی مصیبت تو یہ سمجھے **صابر**
دل لگانا بھی حسینوں سے ستم ہوتا ہے

اے یارِ ستمکیش و جفاکار خبر لے
مرتا ہے ترے عشق کا بیمار خبر لے

اس تیرِ جگر دوز سے جاں آگئی لب پر
مژگاں سے تری ہوں میں دل افگار خبر لے

خالق سے دعا یہ ہے کہ یارب کہیں جلدی
وہ پردہ نشیں یارِ طرحدار خبر لے

جلد آکے ذرا دیکھ تو اے رشکِ مسیحا
جاتا ہے عدم کو ترا بیمار خبر لے

دشمن مرے سب دوست ہوئے عشق میں تیرے
اب کوئی نہیں مونس و غمخوار خبر لے

تقدیر پر اپنی ہو نہ کس طرح مجھے ناز
ہے جائے تعجب کہ وہ دلدار خبر لے

ہیں ہجر میں حیران و پریشان ہوئے بیکس
بہ نسبتِ آئینۂ رخسار خبر لے

گھونگٹ کو صنم بہرِ خدا رخ سے اٹھا دو
صابرؔ ہے ترا طالبِ دیدار خبر لے

وہ عیادت کے لئے آج ہیں آنے والے
ہجر میں جن کے تھے ہم جان سے جانے والے

نظرِ لطف و کرم بھی تو کبھی کر مجھ پر
شمع ساں روز مرے دل کے جلانے والے

ان کی منزل ہی نہیں ہے کہیں او حسرتِ دل
وادیِ عشق کے جو لوگ ہیں جانے والے

شعلہ رو دیکھ نظر تو مری جانب سے نہ پھیر
خرمنِ دل میں مرے آگ لگانے والے

چرخ سے آئیں مسیحا بھی تو کیا کام بنے
ہم تو ہیں نقشِ ہستی کے مٹانے والے

یہ تو مانا کہ وہ خوش رہتے ہیں تجھ سے صابرؔ
لیکن اچھے نہیں ہوتے یہ لگانے والے

نہ پوچھو دردِ دل یارو نہیں دیتی زباں میری
کہوں کیا اپنے منہ سے تم پہ ہے حالت عیاں میری

بہت ہی فرق قول و فعل میں کھل جائیگی اک دن
حقیقت سامنے غیروں کے وقتِ امتحاں میری

غضب نازل ہوا آفت میں جان آئی ستم ٹوٹا
بتِ سفاک پر جب سے ہوئی الفت عیاں میری

زلیخا کی طرح پیری سے فرق آیا نہ الفت میں
امیدِ وصلِ جاناں نہ رہی ہر دم جواں میری

پیادہ لیلیٰ محمل نشیں کے ساتھ میں بھی ہوں
رعایت کچھ رہے ملحوظِ خاطر ساربان میری

یہاں تک انکو ہے مرغوب عشق آمیز افسانہ
کہ وقتِ خواب سنتے ہیں وہ اکثر داستاں میری

دہانِ زخم میں جس دم زبانِ تیغ گویا ہو
تو پھر البتہ ہے سننے کے قابل داستاں میری

میں جب ان کے معمائے دہن کی شرح کرتا ہوں
تو لب فرطِ خوشی سے چوم لیتے ہیں زباں میری

ق

کیا اک روز میں نے ان سے شکوہ جور کا صابرؔ
کہ کیوں پیشِ عدو تذلیل کی جانِ جہاں میری

تو فرمایا کہ تم پر ہر طرح سے ہے مجھکو حق حاصل | تمھارا مال میرا جسم میرا اور جان میری

آسماں پر نہ وہ زمیں پہ ہے | خانۂ دل کہ عرش نشیں پہ ہے

اُس کو دیکھا کسی نے نہیں کہیں | ڈھونڈھتے جس جگہ وہیں پہ ہے

اول اول نگاہ کس سے لڑی | حیرت اس چشم دوربیں پہ ہے

دل سے مٹتا نہیں تصور یار | نقش بیٹھا ہوا نگیں پر ہے

جس سے کی اُس نے بات اُس کے لئے | چشمۂ جانفزا وہیں پر ہے

خونِ عاشق ہے یا یہ قطرۂ اشک | داغ سرخ اُس کی آستیں پر ہے

خانۂ دل جو سارا شکستہ ہے | کرشمہ حسن کا وہیں پر ہے

صرف ہاں پر ہے تصفیہ موقوف | جھگڑا جو کچھ ہے وہ نہیں پر ہے

کیا لکھوں کوئے یار کی تعریف | چرخ کو رشک اُس زمیں پر ہے

وجہ کیا انفعالِ بیجا کی | کیوں عرق آپ کی جبیں پر ہے

کون بے عیب ہے سوائے خدا | داغ روئے مہِ مبیں پر ہے

خلوتِ ناز بن گیا صابر
فخر مجھکو دلِ حزیں پر ہے

مجھے کچھ بھی گو ہوش اپنا نہیں ہے | انا الحق کا اس پر بھی دعوی نہیں ہے

جو گم گشتہ دریا میں ہوا ایک قطرہ | تو وہ ایک قطرہ ہی دریا نہیں ہے

جو لوہا ہے آتش میں ہمرنگِ آتش | وہ کیا سرخ ہونے سے لوہا نہیں ہے

بجز پردۂ چشم کے ہم میں اُن میں | حقیقت میں دیکھا تو پردہ نہیں ہے

ہوئی عشق سے خود خدا کی ہی شہرت | وہ عاشق نہیں ہے جو رسوا نہیں ہے

سہو گر نہیں علم بندے کو اپنا
خدا کو بھی کیا علم اُس کا نہیں ہے

سکوت اس جگہ پر مناسب ہے صفا
کہ بندہ حقیقت میں مولیٰ نہیں ہے

کب مرے پیش نظر دلبر کی زیبائی نہ تھی
چشم بینا کو میسر تاب بینائی نہ تھی

جب طبیعت اُس بتِ سفاک پر آئی تھی
ہر طرف سے دل پہ یہ غم کی گھٹا چھائی نہ تھی

خلق اُن کے حُسن دلکش کی تماشائی نہ تھی
بیشتر ایسی طبیعت اُن کی ہرجائی نہ تھی

اب یہ کیا باعث کہ نظریں غیر سے ملتی نہیں
پہلے تو ایسی تمہاری آنکھ شرمائی نہ تھی

کسقدر ہوتا تھا غم جور و تغافل کا ہمیں
ظلم کی جب تک ادا اُن کی پسند آئی نہ تھی

میرا کارندہ جو تھا اُس نے چرائے دو ہزار
چوٹ وہ کھائی ہے دل پر جو کبھی کھائی نہ تھی

عرصۂ شماہ میں رخصت ہوکے دو نورِ عین
چوٹ وہ کھائی ہے دل پر جو کبھی کھائی نہ تھی

اُن کے آگے کب بجا رہتے ہیں میرے عقل و ہوش
اُن سے اور اظہار الفت کا یہ دانائی نہ تھی

یاد ہے صابر مجھے آزادیِ ایامِ عشق
خوف مطعونی نہ تھا کچھ فکر رسوائی نہ تھی

یہ دل جو اپنا صورتِ آئینہ صاف ہے
تصویرِ یار کے لئے فوٹو گراف ہے

تیرِ مژہ ہے لیس تو سینہ اُدھر سپر
یوں تُرکِ خانہ جنگ سے میری مصاف ہے

بے باک ہو کے دیتے ہو دشنام وقت عذر
صاحب زباں کو رد کو یہ کیا لام و کاف ہے

فرقت میں خط نہ لکھنے سے اے جانِ جاں مرے
مانندِ خامہ دل میں ہمارے شگاف ہے

عذرِ گناہ بوسہ پہ کیا ناز سے کہا
تقصیر خیر اب تو تمہاری معاف ہے

بے امتحاں کے آپ ہی تسلیم کیجئے
اظہارِ جاں نثاری دشمن گزاف ہے

صابرؔ کا حال آج زبانیِ رقیب کے
جو کچھ سنا ہے آپ نے وہ سب خلاف ہے

فرقت کہ شوق و ذوق بھرا کچھ اسی میں ہے
یہ وصل میں کہاں ہے مزا کچھ اسی میں ہے

ملتا ہمارے دل کا پتا کچھ اسی میں ہے
پیچیدہ کیوں ہے زلف سا کچھ اسی میں ہے

اُٹھتی نہیں ہے خلوت و جلوت میں چشمِ یار
سارے جہاں کی شرم و حیا کچھ اسی میں ہے

ملنے سے اجتناب اُنھیں ہم کو شوقِ وصل
ناز و نیاز کا تو مزا کچھ اسی میں ہے

گھبرا نہ تو جو آیا ہے دم لب پہ ہجر میں
اے دل مریضِ غم کی دوا کچھ اسی میں ہے

مستِ خیالِ بادۂ کوثر ہے رات دن
واعظ کو بیخودی کا مزا کچھ اسی میں ہے

اک ہی دلِ رقیب کہ بیباک اُن سے ہے
ایک اپنا دل کہ خوف کی جا کچھ اسی میں ہے

فرقت میں مبتلا رہوں یارب میں حشر تک
وہیں سہی جو اُس کی رضا کچھ اسی میں ہے

صابرؔ وہ تم کو جان کے کرتا ہے بیقرار
اظہارِ لطفِ یار کا کیا کچھ اسی میں ہے

تنگ واں میرے آزمانے سے
چڑ ہے یاں عشق کے جتانے سے

وصل ہے ہجر اُن کے آنے سے
ہجر ہے وصل اُن کے جانے سے

گریے نے سوزِ دل دوچند کیا
آگ یہ جل اُٹھی بجھانے سے

چور پکڑا گیا مرے دل کا
نگہِ شرمگیں چُرانے سے

اے خدا دولتِ وصالِ صنم
ہم کو دے غیب کے خزانے سے

صفتِ شمع ہم نے پیدا کی
رونے جلنے بدن گھلانے سے

ہو گئی قدر اُن کے عاشق کی
وہ پشیماں ہیں آزمانے سے

بچ گیا غیر ہیں ہوا بسمل
تیر چوکا ترا نشانے سے

طرفہ یہ ماجرا ہے اے صابر
رنج بڑھتا ہے اُن کے آنے سے

وہ سُنکر بات اک میری زباں سے
ہوئے ہیں اپنے دل میں بدگماں سے

عیاں ہے اُن کے اندازِ بیاں سے
کہ ہیں اغیار پر کچھ مہرباں سے

ہوا وعدہ جو پورا بعدِ وعدہ
نہیں سو بار بہتر ایسی ہاں سے

وہ مضطر ہونگے ای دل ہو نہ جائے
خبر اُن کو ترے دردِ نہاں سے

بوقتِ خواب میرا قصۂ غم
سنا کرتے ہیں اکثر قصہ خواں سے

اُسے ہم پہلوئے اغیار دیکھوں
بھلا یہ ضبط میں لاؤں کہاں سے

جوابِ بوسۂ لب چاہتا ہوں
کہو آخر تو کچھ اپنی زباں سے

درم لطفِ تکلم بھی ہائے صابر
نہ نکلا حرفِ مطلب کچھ زباں سے

دل مرا تنگ رہا کرتا ہے
رنگ بیرنگ رہا کرتا ہے

ہر گھڑی مجھ سے وہ تُرکِ خونریز
بر سرِ جنگ رہا کرتا ہے

تجھ سے وہ پوچھیں تو کہنا قاصد
زیست سے تنگ رہا کرتا ہے

اشکباری سے مرا دیدۂ تر
ساحلِ گنگ رہا کرتا ہے

دیکھکر تجھکو بچشمِ حیرت
آئینہ دنگ رہا کرتا ہے

غیر ہم پلہ ہو میرا کیا ذکر
مثلِ پاسنگ رہا کرتا ہے

غیر سے غیر ہوئے صورتِ بزم
اور ہی رنگ رہا کرتا ہے

دوست ہو یا کہ عدو ہو صابر
سب سے یکرنگ رہا کرتا ہے

شکایت ہی کرنے کی عادت نہیں ہے — کسی سے مجھے کچھ شکایت نہیں ہے
یہ مانا کہ بیجا نصیحت نہیں ہے — مگر دل میں ناصح کی وقعت نہیں ہے
اگر تم کو اُس سے محبت نہیں ہے — تو مجھکو عدو سے عداوت نہیں ہے
تصوّر سے گر دل کو غفلت نہیں ہے — تو فرقت میں پھر کچھ اذیت نہیں ہے
یہ ہے آجکل کیسا ناقص زمانہ — پسر اور پدر میں محبت نہیں ہے
مرے دل کو اغیار کا رشک کیوں ہو — کسی کی اُنھیں جب مروّت نہیں ہے
خلش صدمۂ ہجر کی ہے جو باقی — شبِ وصل بھی دل کو راحت نہیں ہے
تمھاری تو تصویر ہی تم سے اچھی — تمھاری طرح بے مروّت نہیں ہے
وہ لیجائیں ساتھ اپنے بزمِ عدو میں — ستم ہے یہ اُن کی عنایت نہیں ہے
مشابہ تو ہے اُن کے عارض سے کچھ کچھ — مگر بدرِ کامل وہ صورت نہیں ہے
ممثل ہے امکان میں شانِ واجب — وہ قدرت خدا کی ہے صورت نہیں ہے
سلوکِ مہ و خور ہے کسبِ ضیا تک — مگر اُن کو حاصل وہ صورت نہیں ہے
رضا جوئی ہے بس اثر نقشِ حُب کا — کوئی اس سے بڑھکر عظمت نہیں ہے
گر اُس کی طلب میں نہ ہو نامرادی — تو کوئی مصیبت مصیبت نہیں ہے
بُرائی مری اُن سے کی ہے عدو نے — مرے لب پر اُس کی شکایت نہیں ہے
رواں ہیں شبِ وصل بھی اشکِ شادی — کبھی دل کو رونے سے فرصت نہیں ہے
بجاتے ہیں اغیار کیوں شادیانے — ابھی نوبتِ کوس رحلت نہیں ہے

شب وصل یہ کھل گیا آخر اُن پر
کہ صابرؔ میں صبر و قناعت نہیں ہے

زخمہائے نوکِ مژگاں سے سراسر چور ہے
میں جسے کہتا ہوں دل وہ خانۂ زنبور ہے

دستِ جورِ چرخ سے جانِ حزیں رنجور ہے
روزِ فرقت پاس ہے اور یار مجھ سے دور ہے

رنگ کہتا ہوں جسے ہے صبح کی مانند فق
بخت لکھتا ہوں جسے میں وہ شبِ دیجور ہے

ایک مجھکو ہی نہیں ہے کچھ شکایت ظلم کی
تیری بے رحمی کا قصہ ہر جگہ مشہور ہے

تابِ نظارہ کسی کی آنکھ کو ہو کیا مجال
مہر کی مانند روشن وہ رخِ پرنور ہے

کچھ نہیں اس کی دوا جز شربتِ دیدار کے
عشق کے آزار سے عاشق ترا رنجور ہے

ہر جگہ چرچا رہا کرتا ہے میرے صبر کا
صبر میں اب نام صابرؔ کا بہت مشہور ہے

عاشق ترا ہر کافر دیندار نہ ہو جائے
ہم رشتہ کہیں سبحہ و زنّار نہ ہو جائے

ڈر ہے کہ مری آہ شرربار نہ ہو جائے
اس سوزشِ دل کا کہیں اظہار نہ ہو جائے

دل شیفتۂ گیسوئے خمدار نہ ہو جائے
اس دامِ بلا میں یہ گرفتار نہ ہو جائے

یہ خوف مجھے سختیٔ جاں سے ہے دمِ قتل
بے آب کہیں آپ کی تلوار نہ ہو جائے

خاموش نہ کر شکوۂ بیدادِ شبِ وصل
اے دل کہیں شرمندہ وہ دلدار نہ ہو جائے

ممکن نہیں وہ جلوہ نظر آئے کہ جب تک
موسیٰ کی طرح طالبِ دیدار نہ ہو جائے

ایسا بھی نہ اندھیر کر اے گیسوئے جاناں
شرمندہ کہیں تجھ سے شبِ تار نہ ہو جائے

گر ضعف و نقاہت کا یہی حال ہے اے دل
میرا تنِ لاغر کمرِ یار نہ ہو جائے

صابرؔ نہ کرو ذکرِ جمال اُن کا ہر اک جا
مخلوق کہیں طالبِ دیدار نہ ہو جائے

نہیں یہ دل لگی دل کی لگی ہے
مذاق اس کو سمجھتا آدمی ہے

ہے برق حُسن کی اُس کے یہی شان
کبھی غائب ہے نظروں میں کبھی ہے

نہیں معلوم شاید تجھ کو ناصح
پئے الفت جہاں میں آدمی ہے

دہن کیوں چشمۂ حیواں نہ ہو جب
کلام اُس کا ہماری زندگی ہے

قلق کیسا محبت میں کہ دل کو
تمھارے جور بیجا پر خوشی ہے

خطائے غیر ہے مستوجب عفو
خطاؤں سے مرکب آدمی ہے

صفائی میں ہمارے دل کی اُستاد
تمھارے ہاتھ کی یہ آرسی ہے

عدو کا ماجرا سچ سچ بتا دو
کہ دنیا میں عجب شے راستی ہے

وہ میرے دل میں ہیں میں اُنکے دل میں
مٹایا اسقدر نقشِ دوئی ہے

وہ مجھ سے بات کرکے مسکرائے
شگفتہ یوں مرے دل کی کلی ہے

انوکھا ہے یہ بازار محبت
کہ بِک جاتا یہاں ہر مشتری ہے

خدا کا نور نورِ مصطفےٰ ہے
خدا کی شان کیا شانِ نبی ہے

نہیں دشنام تک دینا گوارا
مرے حق میں یہاں تک عُجزرسی ہے

ہے کیوں بے وجہ اتنی مہربانی
جفا کیا اور کچھ باقی رہی ہے

ادا سے وہ یہ فرماتے ہیں صابر
ترے رونے پر آجاتی ہنسی ہے

افسوس ہنرمند گذر جاتے ہیں کیسے
نام اپنا یہ آفاق میں کر جاتے ہیں کیسے

عشاق ترے جی سے گذر جاتے ہیں کیسے
بے موت شبِ ہجر یہ مر جاتے ہیں کیسے

اب عاشقِ گیسوے سیاہ و رُخِ روشن
کوچے میں ترے شام و سحر جاتے ہیں کیسے

رہتے ہیں یہاں آکے جو دیدار سے محروم
عشاق ترے خستہ جگر جاتے ہیں کیسے

آتا نہیں اک بال برابر بھی سمجھ میں
اوہام سوئے موئے کمر جاتے ہیں کیسے

کنے میں یہاں کے ہیں اُنھیں لاکھ بہلانے
گھر غیر کے مہمان مگر جاتے ہیں کیسے

اے پردہ نشیں بھید نہ مجھے اس کا بتادے
نادیدہ ترے حُسن پہ مرجاتے ہیں کیسے

اُلجھن ہے مجھے اس کی کہ ہو ہو کے پریشاں
یہ طرۂ پرپیچ سنور جاتے ہیں کیسے

صابر مری تقدیر نہ برگشتہ اگر ہو
دیکھوں تو یہاں آکے وہ گھر جاتے ہیں کیسے

جو نہ دم بھر کو کبھی جم کر نظر میں بھی رہے
کب یہ ممکن ہے کہ اغیار کے گھر میں بھی رہے

تیغ ہی سے نہ فقط کام چلیگا قاتل
چاہیے ایک چھری تیری کمر میں بھی رہے

تجھ کو دیکھا نہ کبھی گرچہ بشوقِ دیدار
مدتوں ہم تو تری راہگذر میں بھی رہے

ہم نے اظہار محبت نہ مناسب سمجھا
ساتھ گو اُن کے سفر اور حضر میں بھی رہے

طرزِ آگاہ پہ لکھ ایسی غزل اے صابر
نام کچھ باقی ترا اہلِ ہنر میں بھی رہے

رُخِ روشن دکھا دیا کس نے
دل کو شعلہ بنا دیا کس نے

اے خدا یہ کرشمہ یہ انداز
اِن بتوں کو سکھا دیا کس نے

نعشِ عاشق کو مار کر ٹھوکر
پھر دوبارہ جلا دیا کس نے

نقش آئینہ رو کا حیرت ہے
دل میں میرے جما دیا کس نے

دامِ کاکل میں رکھ کے دانۂ خال
مرغِ دل کو پھنسا دیا کس نے

خواب میں یار سے تھے راز و نیاز
سوتے سوتے جگا دیا کس نے

کوئے جاناں کا حضرت صابرؔ
تمہیں رستا بتا دیا کس نے

بہت معشوق ہیں دنیا میں دولت دیکھنے والے
قدم اور دیدۂ قاصد بھی لائق چومنے کے ہیں
بامیدِ کشائش جھیل لیتے ہیں مصیبت بھی
مقام شکر ہی برسوں سے جن کو ہم نفرت تھی

مگر کمیاب ہیں سچی محبت دیکھنے والے
وہ اُن تک جانے والے اور یہ صورت دیکھنے والے
الم نشرح لک صدرک کی صورت دیکھنے والے
ہم اب اُنکے ہیں لطاف و عنایت دیکھنے والے

مری صورت میں صابرؔ دیکھتے ہیں جلوۂ جاناں
جو دنیا میں ہیں از چشم حقیقت دیکھنے والے

کسی کے دہن میں ہمیں گفت گو ہے
ہر اک دل میں پنہاں تری آرزو ہے
نہیں خواہشِ دل کی اب جستجو ہے
نہیں بے سبب دل تری اضطرابی
وہ ہر دم ان آنکھوں میں ہے جلوہ فرما
مئے عشق سے تیرے ہوں مست و بیخود
میں صانع کو صنعت ہی میں دیکھتا ہوں
مجھے نا امیدی ہو رحمت سے کیونکر
فقط میں کے اور تو کے سب تفرقے ہیں
دوئی کے یہ جھگڑے ہیں ورنہ مری جاں
خود آ جاؤ جب بھی نہ پہچانوں تم کو

کسی کی کمر کی ہمیں جستجو ہے
عیاں ہر زباں سے تری گفتگو ہے
کہ نشانِ جاناں مری آرزو ہے
مقدر کسی کی تجھے جستجو ہے
جو مشہور عالم میں آئینہ رو ہے
نہیں کچھ تمنائے جام و سبو ہے
نظر میں وہی شکل بس ہو بہو ہے
کہ قرآن میں آیا لا تقنطو ہے
میں سوچا تو سمجھا کہ بس تو ہی تو ہے
نہ تجھ سے جدا میں ہوں مجھ سے نہ تو ہے
تمہارے تصور میں اتنا غلو ہے

کہا طور پر جب شجر نے انا اللہ — تو بیجا نہ منصور کی گفتگو ہے

کرم کی نظر ہو ادھر بھی وگرنہ — تری تیغ ابرو پہ میرا لہو ہے

میں رکھتا ہوں تجھ سے امید ساقی — کہ دیوانہ پن کی مری گفتگو ہے

کہیں پھر دامان دل دشت وحشت — کہیں خود وہ چاک جگر کا رفو ہے

ہوا اعتبارات اٹھنے سے ظاہر — نہ ہجر و وصل و فرقت نہ میں ہوں نہ تو ہے

صلوٰۃ محبت کے پڑھنے کو **صابر**
کیا میں نے خون جگر سے وضو ہے

جبکہ انسان کی تقدیر بگڑ جاتی ہے — جو بناتا ہے وہ تدبیر بگڑ جاتی ہے

خط لکھوں ان کو تو تحریر بگڑ جاتی ہے — کچھ کہوں منہ سے تو تقریر بگڑ جاتی ہے

دیکھ کر جب کبھی بل آتا ہے تری ابرو میں — سخت جاں وہ ہوں کہ شمشیر بگڑ جاتی ہے

صفت غیر مجھی سے ہے انھیں باتوں پر — میری تیری بت بے پیر بگڑ جاتی ہے

بدمزاجی کی یہ صورت ہے کہ مانی سے بھی — کھینچتے کھینچتے تری تصویر بگڑ جاتی ہے

جب سے اس زلف پریشاں کا ہے سودا سر میں — مری ہر خواب کی تعبیر بگڑ جاتی ہے

مری تقدیر ہے برہم تو بوقت فریاد — نالۂ و آہ کی تاثیر بگڑ جاتی ہے

روز آنے کو جو کہتا ہوں تو فرماتے ہیں — جلد جلد آنے سے توقیر بگڑ جاتی ہے

ہاتھ رکھتا ہوں جو میں سر پہ قسم کھلنے کو — آپ کی زلف گرہگیر بگڑ جاتی ہے

وصل کا کہہ کے وہ اقرار مکر جاتے ہیں — ہائے بن بن کے یہ تقدیر بگڑ جاتی ہے

کیا ہوا وہ جو نہ دعوت میں بھی آئے **صابر**
یہ تو تقدیر ہے تقدیر بگڑ جاتی ہے

دل کو ہوئی ہے الفت کیا جانیے کس بلا کی — اُس زلف پر شکن کی اُس گیسوئے رسا کی

ہر چند وہ بظاہر تصویر ہیں جفا کی — اس پر بھی اُن سے دل کو امید ہے وفا کی

اُس آفتابِ رخ کو زلفِ سیہ نے ڈھانکا — ہنگامِ ظہر نیت باندھوں نہ کیوں عشا کی

کیوں دردِ عشق میں ہوں منت کشِ مسیحا — ہم ہیں قضا کے طالب حاجت نہیں شفا کی

جل جل کے سوزِ غم سے انجام کار ہم نے — مثل شرر بتوں کے دل میں ہے اپنی جا کی

کیونکر مشام کو ہو اُس گل کی بو میسر — اُس کوچے میں رسائی ممکن نہیں صبا کی

یہ عشق وہ بلائے بد ہے کہ جس کے باعث — آفت میں جان اپنی تا زندگی رہا کی

جو دل میں ہے ہمارے وہ تم پہ خود عیاں ہے — پھر کیا ہمیں ضرورت اظہار مدعا کی

جب رہبرِ محبت رکھتا ہو جذبِ الفت — حاجت نہیں پھر اُس کو ای خضر رہنما کی

روتا ہوں یاد کر کے با صد ہزار حسرت — میں اپنا وہ زمانہ لے دل قسم خدا کی

راز و نیازِ الفت وہ قصے اور وہ لذت — اپنی وہ جانگدازی دلجوئی دلربا کی

ہو کر حسین یکتا چاہت سے اُن کا ملنا — اپنی وہ نوجوانی الفت وہ ابتدا کی

اُس مہروش کی یادِ رخ میں مدام ضحا
وردِ زباں ہے صورت والشمس والضحیٰ کی

انداز تو یہ دیکھے کوئی اُن کی چال کے — چلنا قدم قدم پہ کمر کو سنبھال کے

جویاں ہیں ہم تو اُس صنمِ مہ جمال کے — پابند ہو گئے ہیں فقط اک خیال کے

بوسے لیتے ہیں اُس لبِ شیریں مقال کے — منہ میں ہیں میرے ذائقے آبِ زلال کے

اسد سے طولِ عرض نہ جب بھی کھلی زباں — آثار اُنکے چہرے پہ گو تھے ملال کے

جب بھی نہ ہو یقیں مری چاہت کا آپکو — دیدوں دل و جگر کو اگر میں نکال کے

ہے اُس طرف سے ناز اور اِس سمت سے نیاز
انداز ہیں عجیب جواب سوال کے

یہ بھی تو ناگوار ہوا رشک سے کہ کیوں
باتیں مجھے سناتے ہیں غیروں پہ ڈھال کے

اُن سے امیدِ وصل عبث ہے جنابِ دل
خواہاں ہوئے بھی آپ تو امرِ محال کے

انکار وصلِ غیر سے بیجا ہے آپ کا
قطرے ٹپکتے ہیں عرقِ انفعال کے

اے خامہ لکھ مثالِ اسد مختصر کلام
قائل نہیں ہیں لوگ بہت قیل و قال کے

صابرؔ یہ کوئے عشق سے آئی ندا مجھے
رکھنا قدم یہاں پہ ذرا دیکھ بھال کے

غلط فہمی تھی پہلے ہم جو تم کو آشنا سمجھے
ہوا جب تجربہ تب رفتہ رفتہ بے وفا سمجھے

تمہارا مجھ سے شرمانا کسی دن بھید کھولیگا
ذرا تم غور سے سوچو جو کچھ میں نے کہا سمجھے

کمر تک جا پہنچتی ہے نظر اسکے وسیلے سے
ہم اُن کی زلف کو ملکِ عدم کا راستا سمجھے

کوئی صورت نہیں وہ جس سے رسم و راہ ہو پیدا
بتِ کم سن سے حالِ زار کہئے بھی تو کیا سمجھے

دہن نے کر دیا مشکوک خود تقریر سے اُن کو
جو ہر اک بات پر تکیہ کلام اُنکا ہی کیا سمجھے

سمجھ میں کچھ نہیں آتا ترے سر کی قسم ناصح
تری تقریر خود تو سمجھے یا تجھ سے خدا سمجھے

رہے ہم ایک تم پر مبتلا اوّل سے آخر تک
تمہیں کو ابتدا سمجھے تمہیں کو انتہا سمجھے

صفا داب خاک میری قبر پر روزانہ آنے سے
وہ بعدِ مرگ میری منزلت سمجھے تو کیا سمجھے

یہی باعث ہے اُنکے روبرو میری خموشی کا
خدا جانے زباں میری کیا نکلے وہ کیا سمجھے

خفا ہونے لگے اُلٹا منانا پڑ گیا مجھ کو
یہ عیاری تو دیکھو جب وہ مجھ مجھ کو خفا سمجھے

مرا افسانہ دردِ عشق کا مجذوب کی بڑ ہے
کوئی راز و نیازِ عشق کا کیا ماجرا سمجھے

کبھی دل میں یہ آتا ہے کہوں دل آ گیا تجھ پر
مگر یہ خوف ہے دل کو نہ وہ آیا گیا سمجھے

ہوا صابرؔ خجل تمہیدِ حالِ دل سنا کر میں
بنے خود مدعی جب کچھ وہ میرا مدعا سمجھے

چشمِ گریاں کی آبرو تو ہے
دلِ بریاں کی آرزو تو ہے

میرا ساقیٔ ماہ رُو تو ہے
بلکہ خود ساغر و سبو تو ہے

منزلِ دل میں آ نظر میں سما
دیدہ و دل کی آرزو تو ہے

قبلہ و کعبہ مرشد و ہادی
جانِ جاں ذاتِ پاک ہو تو ہے

چشمِ وحدت سے دیکھتا ہوں جدھر
میری آنکھوں کے روبرو تو ہے

در و دیوار میں ترا ہے جمال
بلکہ ہر ذرہ ہو بہو تو ہے

آسمان و زمین و ما فیہا
کوہ و دشت و بحار و جو تو ہے

کبھی نشترئے خلش گاہے
دلِ صد چاک کا رفو تو ہے

کہیں خالِ رُخِ حبیب بنا
کہیں زلفِ دراز مو تو ہے

کبھی جانانِ دلستاں گاہے
عاشقِ زارِ زرد رو تو ہے

فی الحقیقت جو غور سے دیکھا
صابرِؔ سوختہ لہو تو ہے

خط اُس نے پڑھا آج عدو کا مرے آگے
آیا مری تقدیر کا لکھا مرے آگے

کافی ہے مجھے گردنِ ساقی کا تصور
فرقت میں نہ ہو ساغر و مینا مرے آگے

جب دونوں جگہ ایک ہی جلوہ نما ہے
پھر ایک ہیں کعبہ و کلیسا مرے آگے

گو تذکرۂ غیر بُرائی سے ہے لیکن
کیوں اُسکو بُرا بھی کہوں اچھا مرے آگے

یہ ڈر ہے رقیبوں کو نہ کچھ اور گماں ہو
شرماؤ سرِ بزم نہ اتنا مرے آگے

اُس شوخ کا عیاری سے خالی نہیں ہرگز
اغیار سے ہر وقت بگڑنا مرے آگے

صابر وہ تجلی مری نظروں میں ہے جس سے
ہے طور کا جلوہ یدِ بیضا مرے آگے

اثر یہ عشق میں آخر کو پیدا ہو ہی جاتا ہے
کہ مجنوں ایک آن ہمشکلِ لیلےٰ ہو ہی جاتا ہے

نہیں کہتا ہے گو قطرے کو دریا کوئی بھی لیکن
فنا دریا میں ہو کر قطرہ دریا ہو ہی جاتا ہے

کبھی دردِ جدائی ہے کبھی رشکِ عدو دل میں
مرا اک دشمنِ جاں روز پیدا ہو ہی جاتا ہے

ڈراتا عشق میں کیا تم کو بدنامی سے ہے ناصح
جو کوئی دل لگاتا ہے وہ رسوا ہو ہی جاتا ہے

دلِ نا فہم فریاد و فغاں سے کارِ نادانی
انھیں باتوں سے انسان سب میں سوا ہو ہی جاتا ہے

رہا گو کچھ تعلق ہی نہیں تقریر سے اُس کی
مگر تا ہم کبھی واعظ سے جھگڑا ہو ہی جاتا ہے

تجرد ما حصل دیکھا زمانِ وصلِ جاناں کا
پسِ ختمِ دوئی انسان تنہا ہو ہی جاتا ہے

یہی عشقِ حقیقی نزد بانِ عشقِ مجازی ہے
کہ حاصل لفظ کے پڑھنے سے معنی ہو ہی جاتا ہے

مجھے واجب نہ کیوں ہو پھر طوافِ سجدہ اے صابر
گھر اپنے دوست کا آخر کو کعبا ہو ہی جاتا ہے

وہ کچھ اس شان سے جلوہ کناں تھے
حجابِ نور میں بالکل نہاں تھے

وہ کیا دن تھے جو تم مہماں یہاں تھے
تمھارے وصل سے ہم شادماں تھے

ملی اظہارِ الفت کی یہ تعزیر
دگر نہ یہ ستم مجھ پر کہاں تھے

رہا فرقت میں بھی میں محوِ دیدار
نگاہوں میں وہی جلوے عیاں تھے

مجھے پوچھیں تو کہنا اُن سے قاصد
تمھارے تذکرے وردِ زباں تھے

بہار آئی تو اب گلچیں ہے دشمن
اور اس سے پہلے ایامِ خزاں تھے

ملی ہے مجھکو آسائش پسِ مرگ — مصیبت تھی جو باہم جسم و جاں تھے
وہی ہیں مجھ سے اب دست و گریباں — کہ جو مجھ سے کبھی دامن کشاں تھے
مری الفت پہ ہے جب ناز تم کو — تو پہلے مجھ سے کیوں تم بدگماں تھے
پڑا کیوں فرق اب گردش میں انکی — یہی پہلے زمین و آسماں تھے
پڑا ہوں ہجر میں ہمشکلِ مُردہ — مرے پہلو میں وہ مانندِ جاں تھے
صفِ عشاق میں اُس مہ کے آگے — گریباں سیکڑوں مثلِ کتاں تھے
ہوا معلوم بعدِ ختمِ منزل — ہم اُس محمل نشیں کے سارباں تھے
غنیمت جان اے دل اُن کا ملنا — وگرنہ وہ کہاں اور ہم کہاں تھے
وہ در کی آڑ میں بیٹھے تھے ایسے — ق — کہ اکثر کی نگاہوں سے نہاں تھے
تھا ایسوں کے لبوں پر اُن کا چرچا — وہ سب خاموش تھے جن پر عیاں تھے

بتائیں کیا کہ اب ہم کیا ہیں صابر
کبھی خاکِ درِ پیرِ مغاں تھے

نہ دیکھوں کبھی سرگرانی تمھاری — سدا مجھ پہ ہو مہربانی تمھاری
کبھی خواب میں بھی نہ ہو بال بیکا — رہے عافیت جاودانی تمھاری
نشاں طالبِ دید کا کچھ نہ پایا — ہوئی ختم جب لن ترانی تمھاری
تمھاری بقا عین میری بقا ہے — مری زندگی زندگانی تمھاری
میں لے جاؤں اے کاش مر کر لحد میں — یہ داغِ محبت نشانی تمھاری
یہ متوالی آنکھیں ہیں یا جامِ وحدت — نگاہیں ہیں مئے ارغوانی تمھاری
تنِ زارِ صابر میں دم کی طرح سے — محبت رہے جاودانی تمھاری

کس طرح عاشق ناشاد کا ایمان رہے
عشق دل میں بتِ کافر کا جو ہر آن رہے

کام آئی دمِ نظارہ مری محویت
کہ مرے سامنے وہ جان کے انجان رہے

عاشقِ زار کے پہلو میں رہا دردِ فراق
رات بھر پہلوئے دشمن میں تم ایجان رہے

نہ رہے ہوش تو فریاد کی نوبت پہنچی
ضبط کرتا رہا جب تک کہ اوسان رہے

دل میں کہتا ہوں میں ناصح کی نصیحت سنکر
تابکے دیکھیے اس شخص کو ہذیان رہے

پائیں احباب مری نصف ملاقات کا لطف
یادگار اپنا جو دنیا میں یہ دیوان رہے

جمع ضدین محالات سے ہے اے صابر
دل میں ہو عشق صنم اور پھر ایمان رہے

ہمارے حال پر کیوں بے سبب یہ مہربانی ہے
ستم کے بعد اب فرمائیے کیا دل میں ٹھانی ہے

ترقی پر ہنوز اُن کا وہی حسنِ جوانی ہے
جوابِ خواہشِ دیدار اب تک لن ترانی ہے

وہ کب دشنام دیتے ہیں مجھے یہ گلفشانی ہے
عنایت ہے نوازش ہے کرم ہے مہربانی ہے

بنا ہے نقش بر آب اسکی یہ اک موجِ دریا ہے
بقا ہے ذاتِ حق کے واسطے انسان فانی ہے

دل اپنا صاف کر لوں غیر سے کیوں آپکی خاطر
کسی دن آپنے بھی کوئی میری بات مانی ہے

وہ بیٹھی جس کے دل میں اُس نے پھر پانی نہیں مانگا
یہ پانی تیغ ابرو کا ہے یہ اُس کی روانی ہے

نتیجہ عشق کی تکلیف کا ہے وصل کی راحت
یہ تکلیفِ محبت ہے تو لطفِ زندگانی ہے

نکالو تیغ کب مرنے سے عاشق دم چراتے ہیں
شہیدوں کے لئے مرنا حیاتِ جاودانی ہے

تم اس کو چوم کر کیوں چشم و سر پر رکھتے ہو صابر
خطِ دلدار ہے یہ یا کتابِ آسمانی ہے

ہے دل کی تمنا محمد علی
نظر کا ہے جلوہ محمد علی

جہاں کا اجالا محمدؐ علی
چہ نامے کہ مولائے نام توام
لحد میں سوالِ نکیرین پر
مجھے جان سے افضل ایمان ہے
میں اُسکے غلاموں کا ادنیٰ غلام
یہاں ماعرفناک ہی حسبِ حال

شہِ ماہِ سیما محمدؐ علی
محمدؐ علی یا محمدؐ علی
کہوں میں خدا یا محمدؐ علی
اور ایماں سے اعلیٰ محمدؐ علی
مرا شاہ و مولا محمدؐ علی
خدا جانے ہی کیا محمدؐ علی

خبر لیجئے جلد ہے جاں بلب
یہ صابر تمہارا محمدؐ علی

یہ عجب نہیں بتِ سنگدل جو کوئی یہ دل سے دعا کرے
ترا درد روح کی ہی دوا مرے دل نے پایا ہی یہ مزا
رہِ عشق میں جو ہو خاکِ پا تجھے کیا کچھ اُسکو ملے ترا
جسے شکوہ کرنا ہو ہجر کا تو عذاب میں ہو وہ مبتلا
نہ تو تم وفا کے ہو مستحق نہ دعا ہی شیوۂ عاشقاں

کہ شرابِ عشق کی چاشنی تجھے بھی نصیب خدا کرے
نہ سمجھنا اُسکو مریضِ غم ترے درد کی جو دوا کرے
جو خودی کو اپنی فنا کرے وہ حصول تیری بقا کرے
جو گلہ کرے تو خفا کرے کوئی خاک تم سے گلا کرے
دلِ مبتلا کو یہ چاہیئے نہ وفا کرے نہ دعا کرے

اسے تابِ صدمۂ ہجر ہی نہ سمائی راحتِ قرب کی
دلِ بیقرار کا صابر اب کوئی چارہ کہئے کہ کیا کرے

پائی نہ خبر جو ماہ رو کی
ہوں مستِ الست بادۂ عشق
دامن سے کسی نے پونچھے آنسو
کر چاک جگر کو بخیہ ہمدم

پھر اپنی ہی ہم نے جستجو کی
حاجت نہیں جام کی سبو کی
آنکھوں نے نہ میری آبرو کی
حاجت نہیں جیب کے رفو کی

ہوں شکوہ و شکر سے مبرا
گنجائش ہے نہیں نہ تو کی

حیرت کی مدد سے آئینہ رو
میں نے تری نقل ہو بہو کی

ہیں ساعد نازنیں حمائل
تقدیر تو دیکھئے گلو کی

پایا تمھیں اور قریب پایا
جب دل سے تمھاری جستجو کی

وہ سامنے بے حجاب آیا
صفاؔ پر کی یہ اُس نے آبرو کی

جو بادۂ عشق میں ہے مستی وہ بیخودی کب شراب میں ہے
جلے ہوئے دل میں جو مزا ہے کہاں وہ لذّت کباب میں ہے

وہ حسن اک فتنۂ جہاں ہے اگرچہ صد ہا حجاب میں ہے
کہ عکس ضو اُس کے رُخ کا ظاہر برائے نام آفتاب میں ہے

بنا دیا جس نے مجھ کو بیخود ہنوز وہ رُخ نقاب میں ہے
میں جس کی خاطر ہوا ہوں مجنوں وہ رشکِ لیلیٰ حجاب میں ہے

مدینۃ العلم گر نبی ہے تو باب بے شبہ و شک علی ہے
فلاحِ دارین مومنوں کو محبتِ بو تراب میں ہے

کسی طرح سے نہیں برابر عدوے دانا و دوست ناداں
کہ خضر کے ہاتھ سے اگر ہو گنہ بھی کارِ ثواب میں ہے

وہ دانہ جو خاک میں ملیگا اُگیگا اُگ کر شجر بنے گا
جوانی پائیگا پیری میں وہ جسے ضعیفی شباب میں ہے

ضرور اسے غیر نے چھوا ہے صبا نے پائی ہے چھیڑ اس سے

ہے زلف کیوں اسقدر پریشاں یہ آج کس پیچ و تاب میں ہے
اُدھر سے انکار اُدھر سے اصرار ناز اُدھر سے نیاز اِدھر سے
مزا شبِ وصل میرے اُن کے عجب سوال و جواب میں ہے
ہے نخوتِ یار و رشکِ دشمن علامتِ نقصِ عشق صابرؔ
کہ میرے جذبات کے بدولت وہ مجھ سے زائد عذاب میں ہے

ہاں ستم پیشہ جفا جو رہے بیجا اور بھی
حوصلہ اب بڑھ چلا ہے اپنے دل کا اور بھی

باعثِ رشکِ عدو اسکے سوا کچھ بھی نہیں
ہو جو اپنا اُس پہ پھر رکھتا ہو دعوی اور بھی

میرے چہرے سے نمایاں ہو گئے آثارِ عشق
یعنی اخفا نے کیا ہے مجھ کو رسوا اور بھی

خیرہ ہیں جس کی چمک سے دیدۂ اہلِ نظر
ہے وہ اک خورشید در پنہاں و پیدا اور بھی

کارِ سرکاری سے ہے کم فرصتی صابرؔ مجھے
اس غزل میں ورنہ کچھ اشعار لکھتا اور بھی

ہنسی فریاد پر یہ اے ستم ایجاد کیسی ہے
خدا جانے یہی ہے داد تو بیداد کیسی ہے

بھلا یا آیۂ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ کو
یہ چھائی تجھ پہ مایوسی دلِ ناشاد کیسی ہے

مجرد وعدۂ حور اور ایفا جس کا بعدِ مرگ
مگر اس پر بھی واعظ کی طبیعت شاد کیسی ہے

تمہارا وعدۂ فردا بھی کیا روزِ قیامت ہے
نہیں جس کی کوئی میعاد یہ میعاد کیسی ہے

نہیں گو حوصلہ دعوائے عشقِ یار کا صابرؔ
پئے تسکینِ خاطر صرف اُس کی یاد کیسی ہے

اب غمِ ہجر میں یوں زیست بسر ہوتی ہے
قہر کی شام قیامت کی سحر ہوتی ہے

نہ حسین بات کریں اور نہ آغوش میں آئیں
اِن کا کیسا دہن اور کیسی کمر ہوتی ہے

جسم خاکی مرا گھُل گھُل کے بہا جاتا ہے
تجھ سے تخریب مری دیدۂ تر ہوتی ہے

لازمی امر ہوا صاحبِ باطن کا سکوت
یعنی لب بستہ صدف پُر زگہر ہوتی ہے

عمر کے طول کا تکلیف میں پھر کیا غم ہے
جبکہ صابرؔ شبِ فرقت کی سحر ہوتی ہے

ہے عجب طرزِ جفا پر تری عیارت مجھے
کہ پسند آنے لگی لذتِ آزار مجھے

غرضِ مطلب پہ وہ دیوانہ کہا کرتے ہیں
اور ہر بات پہ کہتے ہیں وہ ہشیار مجھے

نازِ بیجا وہ اُٹھانے کے گئے دن ظالم
اب تو تارِ رگِ جاں وش ہے بار مجھے

تیرے کوچے کی زمیں میرے لئے تختِ شہی
سایۂ بال ہما سایۂ دیوار مجھے

مجھ سے فرماتے ہیں وہ اور دل آرام ہے کون
تم کہا کرتے ہو صابرؔ جو دل آزار مجھے

رسولِ پاک کو چاہو خدا سے
خدا کو اُس شہِ ہر دو سرا سے

جو ہے یہ باعثِ کم التفاتی
تو میں باز آیا اپنے مدعا سے

فراقِ در رشک و ناخوشنودیٔ یار
خدا محفوظ رکھے ہر بلا سے

نہ کیوں خواہش ہو دل کو لا مکاں کی
نظر گذری ہوئی ہے انتہا سے

نہ اب آئی تو پھر آئے گی بیوقت
ہے فرقت میں گلہ ہم کو قضا سے

طریقِ عشق میں بن بن کے مٹنا
یہ سیکھا ہم نے اُنکے نقشِ پا سے

نگاہِ غیر سے چھپنے کا منشا
کیا اظہار جو اُس بیوفا سے

چھپانے کو یہاں دامانِ دل ہے
تو وہ بھی پرزے پرزے جا بجا سے

مریضِ عشق کو کیا کام صابرؔ
دوا سے یا دعا سے یا شفا سے

کوئے میخانہ کی رسوائی ہے عزت میری
کفش برداریٔ ساقی ہے سعادت میری

اوج پر ہے یہ رہِ عشق میں رفعت میری
کہ عیاں رنگِ شفق سے ہے شہادت میری

بنی ہے فیضِ تصوّر سے یہ حالت میری
ہو بہو صورتِ دلدار ہے صورت میری

آگیا رحم اُسے ہجر کی بے چینی پر
کچھ مصیبت ہی ہوئی باعثِ راحت میری

مجھ سے بیگانہ وہ اپنے سے سراسر ہیں غیر
مِلتی جُلتی ہے مرے یار میں عادت میری

صورتِ عکس وہ بن کر مرے دل میں بیٹھے
روبرو اُن کے بنی آئینہ حیرت میری

یار و اغیار کے شکوے سے نہیں کچھ سروکار
درد ہے میری دوا رنج ہے راحت میری

آئینے گو متعدد ہیں مگر عکس ہے ایک
جلوہ گر عالمِ کثرت میں ہے وحدت میری

کب ہوا عکس نما آئینۂ زنگ آلود
میری ہستی سے ہے آئینہ کدورت میری

عینیت غیر میں پیدا ہوئی آخر صابرؔ
دشمنِ غیر یہاں تک ہوئی غیرت میری

نہ مجھے روک سکا آپ کا درباں کوئی
کھینچتا تھا کوئی دامن تو گریباں کوئی

سُننے والا نہیں جب حالِ پریشاں کوئی
تو کہے کس لئے اپنا غمِ پنہاں کوئی

حُسن پر اپنے سرِ بزم ہے نازاں کوئی
صورتِ آئینہ ہے دیکھ کے حیراں کوئی

آتشِ حُسن کا رُخ پر یہ دھواں ہے جس کو
خط سمجھتا ہے کوئی زلفِ پریشاں کوئی

شام سے یہ جو سنورتے ہیں تمہارے گیسو
جمع خاطر کوئی ہوگا تو پریشاں کوئی

دیکھ کر عالمِ وحشت میں مری حیرانی
کوئی خنداں ہے تو انگشت بدنداں کوئی

سوئے در آج یہ کیوں آنکھ لگی ہے صابرؔ
منتظر کس کے ہو کیا آئیگا مہماں کوئی

راحتِ دنیائے فانی اور ہے
عیشِ مُلکِ جاودانی اور ہے

اس سے نسبت بارشِ باراں کو کیا
چشمِ تر کی خونفشانی اور ہے

اُن کے آجانے سے یہ ثابت ہوا
کچھ ہماری زندگانی اور ہے

عالمِ خوں ناب چشمِ تر نہ دیکھ
چارہ گر زخمِ نہانی اور ہے

نازکے لائق نہیں ہے عمرِ خضر
زندگئ جاودانی اور ہے

میں نے سُن لی غیر کی تعریف بھی
کیا کوئی اب گل فشانی اور ہے

اُن کا مضمونِ جوابِ خط ہے اور
اور پیغامِ زبانی اور ہے

دیکھکر آئینہ حیرت سے کہا
کیا مرا دنیا میں ثانی اور ہے

کیوں کروں صابر عدو سے دشمنی
کچھ دنوں یہ دارِ فانی اور ہے

دل میں شکوہ نہیں لب پر مرے فریاد نہیں
جب سے دیکھا ہے تجھے کچھ بھی مجھے یاد نہیں

ڈر خدا کا بھی تجھے اے ستم ایجاد نہیں
کون وہ طرزِ ستم ہے جو تجھے یاد نہیں

سبقِ مصحفِ رُخسار نہیں بھولا ہوں
واقعہ جور و ستم کا مجھے کچھ یاد نہیں

پاؤں میں اُس کے بھی ہے آب اُن کی زنجیر
سرو آزاد بھی گلزار میں آزاد نہیں

لکھی صابر نے غزل باغ کی خاطر لیکن
لائق صاد نہیں مستحقِ داد نہیں

عذرِ نسیان اُنھیں ہاتھ لگا ہے اچھا
کرتے ہیں وعدے کی قائم کوئی میعاد نہیں

ناطقہ نفس کو ہے شغل ہر دم درکار
فکر کی قید سے انساں کبھی آزاد نہیں

دل یہ کہتا ہے کہ بہ جانے دے خوں ہوکے مجھے
ضبط کہتا ہے نہیں اے دل ناشاد نہیں

صفحۂ دل پہ جو ہے میرے تمھاری تصویر	اس میں کوئی عمل مانی و بہزاد نہیں
نہ جنوں جائیگا میرا نہ لہو نکلے گا	میں وہ مجنوں ہوں کہ حاجت تری فصاد نہیں
تا ابد اس کو تو کافی ہے متاع الفت	جو ہوا عشق میں برباد وہ برباد نہیں
کیوں ہوا مجھکو عطا عاشق صادق کا خطاب	قیس دیوانہ نہیں میں کوئی فرہاد نہیں
وہی اغیار کا قصہ وہی افسانہ ہجر	وصل میں بھی دل ناشاد مرا شاد نہیں
چمن دہر میں خاموش ہوں سوسن کی طرح	ہم نوا کوئی مرا مرغ چمن زاد نہیں
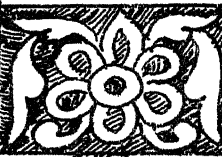
وعدہ کرکے انھیں یہ سہل ہے کہنا صابر
ہے بجا شکوہ ترا مجھکو رہا یاد نہیں

قصیدۂ مدح امین الدولہ وزیر الملک نواب حافظ محمد ابراہیم علیخان صاحب بہادر صولت جنگ جی سی آئی ای رئیس ٹونک دام اقبالہ و ملکہ بصنعت توشیح اسم مبارک ہر مصرعہ اول و ثانی از اسم ہر مصرعہ ثانی

ا	آجکل ذہن رسا کا مرے برتر ہے مقام	ا	اور مری فکر فلک سیر کے افلاک خیام
م	موجزن بحر مضامین بصد جوش سرور	ف	فرط شادی سے مرے قلب کا لبریز ہی جام
ی	یاد میں کس کی مجھے کیفیت کوثر ہے	ت	توبہ کب رکھتی ہے یہ کیف شراب گلفام
ن	نہ مجھے ہوش ہے سر کا نہ ذرا پا کی خبر	خ	خوش یہاں تک ہوں کہ بھولا ہوں میں اپنے سب کام
ا	ایک میں ہی نہیں کچھ محو نشاط اور سرور	ا	آجکل سب غنچے کھلے جاتے ہیں شادی سے تمام
ل	لب بلبل پہ ترنم ہے بجائے نالہ	ر	راحت دل ہوئے عشاق کو درد و آلام
د	دامن دشت و جبل بہرہ ور فیض بہار	ا	ای خدا تیرے ہی شایاں ہے یہ تیرا اکرام

و	وہ جو سبزیٔ ارضی کا نہیں عکس پذیر	ل	لایا یہ رنگ کہاں سے فلک نیلی فام
ل	لیکئے از فرشِ زمیں تا سرِ افلاک ہیں سب	ا	انس و جاں ماہی و مرغانِ ہوا شیریں کام
ہ	ہے ہوا میں بھی مہک نافۂ تاتاری کی	م	مشکبو جس سے ہوا ہر متنفس کا مشام
و	وجہ اسکی ہے کوئی خاص پسندیدۂ عقل	ر	ربِّ ارباب کا ہم پر جو ہے ایسا انعام
ذ	ذیرِ افلاکِ بریں دی یہ ندا ہاتف نے	ا	اے پسندیدہ خرد ہاں نہیں کچھ اسمیں کلام
ی	یہ جو ہے رحمتِ حق خلق پہ ایسی نازل	ف	فیضیاب ان دنوں جس سے ہیں خواص و عوام
ر	روز مقدم ہے قریب ایک جوان دولت کا	خ	خاص خاصانِ خدا صاحبِ جود و اکرام
ا	اُس کا مقدم ہے یہاں پر سببِ رحمتِ حق	ر	راحتِ جان و دلِ خلق خدا کا انعام
ل	لبِ جاں بخش کلیدِ درِ گنجِ رحمت	ا	اُس سے حل حاجتِ مخلوق کے عقدے ہیں تمام
م	مل گیا مُہرِ نبوت کا ہے اُس کو بوسہ	ل	لب پہ آیا جو ہے وصفِ دہنِ میم کا نام
ل	لاکھ رمز ایک اشارے میں ہیں ابرو کے عیاں	م	معنی و شرحِ نکات ایک کنایے میں تمام
ک	کاسبِ علمِ حق و وارثِ میراثِ نبی	ل	لائقِ تاج و نگیں والیٔ ملک و صمصام
ن	نہ فقط سکۂ زرِ سیم و زرِ خالص ہے	ک	کندہ ہر دل پہ ہی نام اُسکا نہیں اسمیں کلام
د	وہ شمائل کہ یہاں تک ہوں پری جس کی شیدا	ص	صبر جاتا ہی مرے ہاتھ سے آتا ہی جو نام
ا	اُس کی صورت میں جمالِ ازلی کا پرتو	ا	اُس کو حق نے دیے اوصاف پسندیدہ تمام
ب	باذل و عادل و درویش صفت حق آگاہ	ح	حامیِ دینِ نبی موردِ نورِ اسلام
ح	حافظِ مصحفِ رخسارِ رسولِ اکرم	ب	بصد اخلاص جلی وردِ درود اُس کا کام
ا	اہلِ دل اہلِ یقیں صاحبِ تقویٰ عابد	ذ	ذر و مال اُس کا ہے خلقِ خدا وقف مدام
ف	فیض ہمیں اُسکے سے ہے ٹونک محمد آباد	ا	اور مشہور ہوا خطۂ دار الاسلام

ظ	ظاہر اُس کا ہمہ تن تبع شرع مبیں	د	دلِ آگاہ میں ہے عشقِ حقیقی کا مقام
م	معرفت ہی جو طریقت میں حقیقت سے اُسے	ہ	ہے ہر اک طرزِ عمل اُس کا طریقِ اسلام
ح	حاصلِ عالمِ رویا ہے نبیؐ کی رویت	م	ما حصلِ عالمِ بیداری کا عدل و انعام
م	مقتدی ہے جو وہ اخلاق میں پیغمبرؐ کا	ح	حق نے اس واسطے خلقت کا بنایا ہی امام
د	دفترِ دانش و بینش کی ہی ترتیب اُس سے	م	مرسلِ اخلاق کی تہذیب کا اُس سے ہی نظام
ا	اوّل اسم میں اللہ الف سے شامل	د	داخل آخر میں ہوا میم محمدؐ کے نام
ب	بزمِ عالی میں فراموش جم و کیخسرو	ع	عرصۂ رزم میں معدوم یہ سب رستم و سام
ر	رام ہے توسنِ گردونِ سبک رو ایسا	ب	باگ کی جس کو ضرورت ہی نہ مہمیز سے کام
ا	اُسکے لشکر سے مشابہ ہے سپاہِ انجم	ی	یہ فقط کہنے کو تشبیہ ہے وہ بھی نہیں تام
ہ	ہیبتِ گرزِ گراں ہند سے لیکر تا چیں	د	دہشتِ نوکِ سناں روم سے لیکر تا شام
ی	یار ہر امر میں ہے داورِ دادارِ قدیم	ا	اس لئے اُس کے ہر اک حکم کو ہی استحکام
م	ماہِ نو چرخ پہ ہی اُس کے ہی خنجر کا عکس	ل	لمعۂ تیغ کا ہے برقِ درخشندہ نام
ع	عدل میں دشمن و فرزند کی یکساں حالت	ہ	ہے نہ بھائی کو ملازم پہ تفوق بنظام
ل	للہ الحمد کہ دستور بھی ایسا پایا	خ	خاص منشاءِ حضوری سے جو کرتا ہی کام
ی	یہ تو مانا کہ بزرگی ہے اُسے رشتے میں	ا	اپنے آقا کا وہ تابع ہے سر رشتے میں تمام
خ	خانۂ دل میں جو نواب کے پائی ہے جگہ	ن	نظمِ ملکی میں ہیں حکم اُسکے ضروری احکام
ا	افسرِ جملہ سرانِ سپہ و اہلِ قلم	ص	صاحبِ دانش و دیں مرجعِ ہر خاص و عام
ن	نیک نامی کا سبب ہے نظرِ لطفِ حضور	ا	اپنے آقا کا نظر یافتہ مقبولِ انام
ص	صورتِ حال سے آگاہ ہیں ہو کر بولا	ح	حبذا ابّا تعف پاکیزۂ فرخندہ پیام

ا آرزو مند ہے جس کے لیے یہ میرا دل — ب بخت یاور ہے مرے اُس کا ہو عزمِ اقدام
ح حسرتِ دید تھی جس کی مجھے اک مدت سے — ب بہت التفات ہوا جس کا مرے توسطے نام
ب باعثِ فخر ہوئی جس کی غلامی مجھ کو — ہ ہوں اُس آقا ئین آقا کا غلام ابن غلام
ب بدل و جان ہوں میں جس شاہ کا فرمانبردار — ا اور کمربستہ پے چاکری رہتا ہوں مدام
ہ ہوں میں جسکے لئے خواہانِ بقائے دولت — د دولتِ مملکت و دولتِ دینِ اسلام
ا ای خدا خیر کے ساتھ کہ آئے وہ دن جلدی — ر رونق افزائے سرِ گنج اُسکے ہوں جو بوقتِ خیام
د درگہِ اقدس و اعلےٰ میں ملے جس دم بار — ف فرطِ اخلاص سے جان نذر کروں بعدِ سلام
ر روئے اقدس کے نظارے سے ہو دل شاد مرا — ی یہ قصیدہ میں سناؤں اُسے با شوقِ تمام
ص صحتِ لفظی و چستی نہ سہی بندش میں — ر رونما ہی سہی ہر شعر میں [illegible] مقام
د وہ مرا بادشہ مہرِ علم ماہِ خدم — د وہ مرا سرورِ انجم حشم افلاک خیام
ل لے لیا جس نے کہ اس بندۂ پر عیب کو مول — ذ زیرِ دامانِ کرم لطف سے بخشا ہے مقام
ت تحفہ گو نہ سہی نذر کے قابل لیکن — ج جس کو مقبول کیا ہے یہ اُسی کا ہے کلام
ج جامۂ پُر زر و تیغ و سپر و اسپ و گہر — ن نہیں مرغوب صلے میں مجھے ایسا انعام
ن نہ مجھے خواہشِ منصب نہ حکومت کی ہوس — گ گوہر و لعل و زمرد سے نہیں ہے کچھ کام
گ گوہرِ بیش بہا بندگیٔ آقا ہے — س سو غلامی مجھے کافی ہے اور اللہ کا نام
ج جام میں بحر سمائے یہ نہیں ہے امکاں — ی یعنی اس بحر میں پورا نہیں آسکتا نام
ی یہ سبب ہے جو باسمائے نبی و نائب — ا اس قصیدہ میں لیا صنعتِ توشیح سے کام
س سرِ ہر مصرعِ اول ہے پئے اسمِ حضور — ی یہی ترکیب ہے ثانی میں پئے صدرِ عظام
ی یا الٰہی سرِ افلاک بریں جب دم تک — س سبع سیارہ کو گردش ہو ثوابت کو قیام

ا	آسماں دورۂ ارضی میں ہو جب تک مصروف	ا	اور اس خیمے میں تا فرش زمیں کو ہو قیام
ی	یا الٰہی رہے جب تک یہ شریعت جاری	ی	یا الٰہی رہے جب تک ترے محبوب کا نام
ا	اختر طالع نواب بلندی پہ رہے		حشمت و دولت و اقبال کو ہو استحکام
ی	یاد میں ساقی کوثر کے وہ دل شاد رہے		اور صابر پہ رہے لطف و عنایات مدام

قطعہ عرض حال بحضور رئیس ٹونک بدرخواست ثبت مہر و دستخط بر پروانہ سند عطای مکان

مرا آقا کہ سخاوت میں ہے وہ لاثانی
کانِ بخشش ہوئے کان اور گئی تکلیفِ مکان
یعنی ارشاد زبانی سے ملا مجھکو مکاں
خطِ پیشانی مگر وہ خطِ جبیں ہے حضور
اور مری ہے یہ خوشی اپنے احبا سے کروں
حسبِ ارشاد ہے پروانہ بھی طیار مگر
خطِ تقدیر کی میرے ہے عبارت اُس میں
ازرہِ مہر ہو مُہر اور حضوری ہو صاد
ویولی کو مجھے جانا ہے بکارِ سرکار

صادق الوعدہ ہے وعدہ ہی خطِ پیشانی
جب سے اس ابرِ سخا کی ہوئی دُر افشانی
سندِ خطِ عطا ہے یہ خطِ پیشانی
کر نہیں سکتا کوئی اُس کی عبارت خوانی
عزت افزائی کو ظاہر کہ جو ہے پنہانی
مُہر اور صاد سے سادہ ہے ابھی پیشانی
اُس کا خط صاف ہے ممکن ہی عبارت خوانی
پھر عطا مجھ کو ہو میرا وہ خطِ پیشانی
عُجلت اس واسطے ہے تا بحدِ امکانی

ہے یہ صابر کی دعا پیش عدوے بدبخت
بول بالا ہو بفضل و کرمِ سُبحانی

در تہنیت غسل صحت حضور پر نور نواب معلی القاب رئیس ٹونک دام اقبالہ

غسل صحت کی خدا خیر سے لائے شادی
تھی دعا میری یہ مدت سے برائے شادی

بار محفل میں جو سرکار کی پائے شادی
شادیانے کہو پھر کیوں نہ بجائے شادی

وہ خوشی صحت نواب سے حاصل ہے مجھے
کہ سر و چشم پہ رکھتا ہوں میں پائے شادی

یہ نسیم سحری ہے کہ ہوائے نوروز
یا ہر اک غنچۂ خاطر میں ہوائے شادی

تخت صحت پہ ہو ہموارہ جلوس عالی
سایہ افگن ہو ترے سر پہ ہمائے شادی

نام کو بھی نہ رہے رنج و غم رنجوری
اے خدا تا بقیامت ہو بقائے شادی

دوستوں کو ہو ترے جائے الم فرحت و عیش
دشمنوں کو ہو ترے رنج بجائے شادی

کبک و طاؤس خوشی سے ہیں چمن میں رقصاں
بلبلیں شاخ پہ ہیں نغمہ سرائے شادی

نخل شبو کے گلستاں میں ہیں شہنائی نواز
اور چٹک غنچوں کی نوبت ہے برائے شادی

پہنچی نقارہ کی یہ فرط خوشی سے نوبت
چوٹ کھانے پہ ہے نغمہ سرائے شادی

نام نامی ہے ترا غازۂ روئے فرحت
ہے تری جلوہ گری جلوہ فزائے شادی

اے مرے سرور عالی حشم و مہر خدم
گر پسند آئیں یہ اشعار ثنائے شادی

اس نمک خوار کو مل جائے صلے میں یہ مراد
ایسی تبدیلی ہو غم جائے اور آئے شادی

ہے مرد رنج اب تو مرے واسطے دار الامراض
رنج ہوتا ہے وہاں مجھ کو بجائے شادی

مجھ پہ آقا کی مرے کیسی ہے شفقت صابرؔ
دل مرا اس کے سوا کیوں نہ منائے شادی

قطعہ تاریخ تبدیلی از عہدۂ مجسٹریٹی سرونج

کجا سرونج و کجا شہر خوش فضا جے پور ‏ نہ نسبتے بوکالت بدار دایں خدمات

ببیں تفاوتِ رہ از کجاست تا بکجا ‏ کہ اوفتادم ازاں عیش در چنیں آفات

دلم گداخت برائے رفاقتِ ناظم ‏ زہجرِ ٹونک کہ بود نذر بر دلش صدمات

اگرچہ ملہمِ غیبی بمن ندا میکرد ‏ مرو مرو کہ سراب است نیست آبِ حیات

باقتضائے رفاقت چنیں بدانستم ‏ کہ آمدن بسرونج است داخل حسنات

مرا بذاتِ مقدس چو سابقہ افتاد ‏ دو سال این دل و جانم بماند در سکرات

ہزار نیش نہاں یافتم بہر نوشش ‏ مذاق زہر درونِ کلام ہمچو نبات

بلب ثنا و مدارات بود در ظاہر ‏ بدل ہمیں کہ رسانیدہ باید الزامات

بفرطِ رنج و الم بارہا ہمی گفتم ‏ ز دستِ خویش بخود کردہ ام تم ہیہات

تو دانما ز چنیں افرانِ بد باطن ‏ پئے رسول خدایا بدہ پناہ و نجات

زمین مقدم ایں ذات حاجی الحرمین ‏ سرونج بہرِ مسلمان چو عرصۂ عرفات

کنوں دلم بپذیرد چگونہ جمعیت ‏ بقول او نہ قرار و بفعل او نہ ثبات

ز دوستانِ من او در تنفر قلبی ‏ بدشمنان من اشفاق و لطف و احسانات

نہ جانفشانی ماتحت پیش او ارزد ‏ خلوص قلب بہ پیشش نہ داخل حسنات

صد آفریں بچنیں شفقتِ بزرگانہ ‏ کہ شکوۂ من و پیش رئیس نیک صفات

زطاعتش نہ بروں پا نہادہ ام زیں بیش ‏ نہ شکوہ بزبانم رسید در کلمات

کنوں زبادۂ غم پُر شدہ چو جام دلم ‏ ترا وشی ست بہ پیرایۂ چنیں ابیات

بحسن لم یزل و لایزال شاہد غیب ‏ خلافِ واقعہ اصلا نگفتم ایں حالات

بتنگ آمدہ کردم چو سعی موفورہ	بحسبِ خواہشم آمد نظر صراطِ نجات
رئیسِ عہدہ ساؔبق بعطا فرمود	گرفت دستم و بر کرد از چہِ ظلمات

چہ حسبِ حال نوشتیم صابر این تاریخ
زفکر افسرِ بے مہر یافتیم نجات
۱۹۰۰ء

عرض حال بخدمت جناب صاحبزادہ محمد عبد الرحیم خاں صاحب بہادر مظفر جنگ ہوم ممبر کونسل ریاست ٹونک افسر مصنف

عبد الرحیم خاں کے سوا اپنے واسطے
اس ٹونک میں ذریعۂ عزت نہیں مجھے

ہے انقیاد مُرتسم لوحِ دل مدام
آرام جاں بغیر اطاعت نہیں مجھے

احسان کے سوا نہیں احسان کی جزا
مصداق اپنے یاد یہ آیۃ نہیں مجھے

کیوں ایک کج ادائی کوئی ناگوار ہو
کیا یاد لطف و مہر و مروت نہیں مجھے

جب آپ خوب سمجھتے ہیں دل سے ہی دل کو راہ
سوگند اور گواہ کی حاجت نہیں مجھے

دل سوزی سے سرشتہ کی تعلیم تھی غرض
عبد السمیع خاں سے کدورت نہیں مجھے

پیارے کا پیارا ہوتا ہے چشم و چراغ دل
کیا اسقدر بھی فہم و فراست نہیں مجھے

محسن کُشی جو کی ہو تو بدلہ خدا سے پاؤں
اس سے زیادہ کہنے کی حاجت نہیں مجھے

شاید کہ ناگوار وہ طرزِ عمل ہوا
تبدیلی کی وگرنہ ضرورت نہیں مجھے

میں اور بیکاری چھیڑ کروں پسند
سودا نہیں جنوں نہیں وحشت نہیں مجھے

الفت کے ساتھ لازم و ملزوم ہے گلہ
گریہ نہ ہو تو کوئی شکایت نہیں مجھے

کیسے یہ سمجھوں مجھ پہ عنایت نہیں رہی
کیونکر کہوں کہ آپ کے الفت نہیں مجھے

منظوری عرضِ حال کی شفقت کی ہی دلیل
کیوں التجا ہے جبکہ محبت نہیں مجھے

محسن سے اپنے موقع شکوہ تو ہی ضرور
یہ شکر ہے کہ جائے ندامت نہیں مجھے

دشمن کا قول دوست کے حق میں ہو کارگر
امید آپ کے تو یہ حضرت نہیں مجھے

ناراض مجھ سے آپ سا محسن ہو حیف ہے
اب روزگار کرنے سے رغبت نہیں مجھے

ہر حال میں میں **صابر** و شاکر ہوں شکر ہے
راحت میں چین رنج میں زحمت نہیں مجھے

لپٹائیے گلے سے مجھے از رہِ کرم
فرمائیے کہ تجھ سے کدورت نہیں مجھے

عرض حال بخدمت صاحبزادہ محمد عبدالرحیم خاں صاحب مظفر جنگ برادر حضور پر نور دام اقبالہم ہوم ممبر کونسل ریاست ٹونک

میرے محسن صفت رحیمی کی
تجھ میں پاتا ہوں طاری ساری

عاجزی تیرے آگے دانائی
حمق ہے تجھ سے کرنا ہشیاری

رحم والا رحیم کا بندہ
جس کا ادنیٰ کرشمہ دلداری

نام سے شوق دید پیدا ہو
دید سے جذبِ عشق ہو طاری

دلربائی نہیں ہے وصف اتم
اس سے اعلیٰ صفت ہی دلداری

دونو یہ وصف تجھ میں ہیں موجود
بعد میں دل کشی کے دلداری

تیرے اشفاق پر فدا ہے یہ دل
تیرے الطاف پر ہے جان داری

میں بھی دل دادہ قدیم ہوں ایک
خوگرِ رنج و حزن و غم خواری

تیری دوری میں دس برس کامل
زندگی سے رہی ہے بیزاری

اب جو پہونچا مجھ کو تیرے قدموں تک
لے کے پہنچی عنایت باری

آرزو ہے کہ تیرے زیر قدم
زندگانی بسر کروں ساری

شیر مادر ہے قرب جاں افزا
جاں گزا ہجر کی ہے بیماری

واسطے میرے قرب دائم کے
تیرے امکان میں ہے طیاری

ماں سے زائد ہے مجھ پہ حب شفقت
فرض ہے تجھ پہ میری غمخواری

لے خبر جلد تر کہ دیر سے ہے
از پئے شیر گریہ و زاری

گود میں لے کے مادرانہ مجھے
شیر دے اب تو کر کے دلداری

جاں لبوں پر ہے طفل صابر کی
چشمۂ فیض جلد کر جاری

تجھ سے مایوس دوست کیونکر ہوں
کرتا دشمن کی ہے تو دلداری

دوستاں را کجا کنی محروم
تو کہ با دشمناں نظر داری

عرض حال بخدمت سراپا عنایت صاحبزادہ محمد عبدالرحیم خانصاحب بہادر مظفر جنگ ہوم ممبر کونسل دربار ٹونک دام مجدہم بمرتبۂ ثانی

یہ عرض حال ہے اے سرور ثریا جاہ
کہ انتظار میں از بس ہے اب تو حال تباہ

ہر ایک کام کی حد اور شے کا اندازہ
ضرور حق نے بنایا ہے تجربہ ہی گواہ

علی الخصوص یہ انسان ناقص البنیان
حصار جسم میں لی جس کے چار ضد نے پناہ

ہوا سے خاک مخالف ہے آب سے آتش
ہیں بند طوطی و زاغ اک قفس میں بالاکراہ

ہر ایک حالتِ انساں ہے اس لئے کمزور
صفاتِ ذاتی میں یوں اسکے پائی نقص نے راہ

اس اعتبار سے گر صبر پر نظر کی جائے
تو اس کی عمر کا دوران ہے بہت جانکاہ

یہ مانا حضرتِ ایوبؑ نے کیا تھا صبر
پناہ مانگ اُٹھے وہ ببارگاہ الٰہ

خدائے عزوجل نے عطا کیا یہ صلا
کہ لے کے پھر دیا اُن کو وہ اُنکا منصب و جاہ

تھے اُنکے جسم میں یاں دل میں کرمکِ انکار
تھا اُن کا جسم غذا دل یہاں خدا کی پناہ

بس ایک کیڑے نے مارا تھا اُنکے جسم میں نیش
یہاں ہے صدمۂ صد نیشِ دل یہ شام و پگاہ

مجھے بھی صبر کے بدلے میں پھر کہوں صابر
عطا ہو منصبِ سابق بصد فلاح و رفاہ

ہے دو برس سے مجھے صبر و انتظار سے کام
نہ ساعت اور نہ پہر اور نہ دن نہ ہفتہ نہ ماہ

ہے جب اشد من الموت انتظار کی شان
تو زندگی ہے مری موت سے حریادہ تباہ

ہو گر امید کے ہمراہ کچھ بھی اطمینان
تو پھر تو کاٹنا آساں ہے انتظار کی راہ

معاملے کا کب اور کیا نتیجہ نکلیگا
ہنوز کچھ نہیں اس کی خبر خدا آگاہ

جو مجھ سے چھوٹ گیا دامنِ شکیبائی
تو وضعداری میں پھر فرق آئیگا ناگاہ

خلافِ وعدہ عمل ایسے نیک لوگوں سے
دلیل قربِ قیامت کی ہے معاذ اللہ

ہو کس طرح سے دلِ مضطرب کو اطمینان
وثوق وعدہ ہے جب تک نہ پائے دل میں راہ

اُدھر میں لٹکا ہوا ہوں نہ ہوں اِدھر نہ اُدھر
نہ اُس طرف کو مفر ہے نہ اس طرف کو ہی راہ

مذبذبین کا مصداق کیوں بنایا ہے
میں اہلِ دین ہوں کافر نہیں بحمد اللہ

سوائے تیرے نہ ملجا نہ میرا ہے ماوا
میں کس سے عرض کروں میرے قدرداں فریاد

پئے فلاح مجھے کافی ہے یہی درگاہ
بقول سعدی شیرازی ولی اللہ

دو بامداد گر آمد کسے بخدمتِ شاہ
سویم ہر آئینہ در روے کند بلطف نگاہ

عرض حال بحضور آقائے نامدار رئیس ٹونک دام اقبالہم وخلد اللہ ملکہم

حالِ زار اپنا میں کروں اظہار
مجھ کو گر ہو اجازتِ گفتار

یک قلم کیا بھلا دیا دل سے
میں وہی آپ کا ہوں تابعدار

کون ہوں اور کس کا بیٹا ہوں
اور کس کا غلامِ کارگزار

آپ کا اک غلام دیرینہ
نام صابر علی بن مختار

کون مختار جس نے جان گنوائی
جا کے آبو بخدمتِ سرکار

جس کے خدمات وخیر خواہی سے
ذاتِ اقدس کو بھی نہیں انکار

یہ زمانہ نہ دیکھنے پائے
اس سے پہلے لیا عدم میں قرار

تیر کر بحرِ عمر کو اپنے
بے خطر بے گزند ہو گئے پار

اپنے دُرِّ یتیم کو سونپا
زیرِ ظلِ عنایتِ سرکار

میرے آقا نے مثلِ گلدستہ
ہاتھ میں رکھا یہ مرا دلِ زار

لطف سے اپنے پرورش میں لیا
پرورش کر کے کر دیا مختار

منصب وجاہ والدِ مرحوم
مجھ کو بخشا بڑھایا میرا وقار

کی وہ شفقت کہ والدین کو بھی
یاد آنے نہیں دیا زنہار

آپ پر سے ہزار باپ فدا
حق تو یہ ہے کہ لاکھ مائیں نثار

جو رہی ہیں عنایتیں مجھ پر
کلّی کب اُن کا ہو سکے اظہار

حالتِ مہر کا تو کیا کہنا
سنیئے ایامِ قہر کے اذکار

میری دختر کو جب ہوا لاحق — تپ کہنہ کا یک بیک آزار
میرا مسکن تھا گو مراد آباد — اور ناراض مجھ سے تھے سرکار
کے اپنی کنیز کی حالت — بر سرِ رحم آ گئے یکبار
اور وہ اُس کے لئے دوا بھیجی — جس میں پنہاں تھے عیسوی اسرار
بیسویں روز تھا یہ حال اُس کا — کہ ہوئی تھی کبھی نہ یہ بیمار
کس کس احسان کو بیان کروں — کروں کون کن عنایتوں کا شمار
کیا یہ انعام و لطف و احسانات — بھول سکتا ہوں تا بروزِ شمار
میں نے بھی شکرِ نعمتِ آقا — کر لیا ہے مدام اپنا شعار
کر چکا ہوں میں دل سے پکّا عہد — کر کے اچھی طرح سے سوچ بچار
نہ بنونگا سلامی اور کا میں — جب تک اس جسم میں ہے جانِ زار
بھائی ہو یا بہن ہو یا بیٹا — بات حق کہنے میں نہیں مجھے عار
چھوڑ کر جو حضور کو خود جائے — اُس پہ اللہ اور رسول کی مار
تیری ناراضی پر بھی میں قرباں — مہربانی پہ بھی تری میں نثار
میرا مطلوب تو جہاں میں ہے ایک — لاکھوں مجھ جیسے تیرے خدمتگار
بادشاہی ہے میرے حق میں یہی — سر ہو اور آستانۂ سرکار
ماسوائے حضور دنیا میں — میں نہیں جانتا کوئی سرکار
ذاتِ اقدس سے مدعا ہے مجھے — دوسرے سے غرض نہ کچھ سروکار
گر نہ ہوتا میں اس طرح یکرنگ — کاتب صاحب سے ہوتی کیوں تکرار
ٹیٹو مارچ کی پیشوائی بھی — جا کے کرتا بموضعِ گھڑوڈر

اپنے والد کی تعزیت کے لئے — ہوئے میجر پریچرڈ جو سوار

میم کو اپنی ڈیولی چھوڑا — اُس سے سرکار کو نہ تھا سروکار

میم نے آرچر کی جب اُس سے — لے لیا سب لوازمہ یکبار

میں نے سرکار کی طرف سے اُسے — دی مدد اور یوں کیا اظہار

بہرِ خدمتگزاری حاضر ہوں — حسب منشائے عالیٔ دربار

اور لکھا جانب مظفر جنگ — تاکہ کردیں حضور میں اظہار

کہ یہ موقع بھی شاذونادر ہے — جو پڑیگا مفید آخرِ کار

ہوم ممبر ولیئر جنگ سے بھی — نہیں اس راز کو کیا اظہار

میم صاحب کی سازگاری سے — تھا یہی مدعائے تابعدار

دوست بن جائے تا وہ دشمنِ دیں — ہو کے مرہونِ منتِ سرکار

الغرض خود عریضہ شاہد ہے — کہ بہی خواہ ہے عریضہ نگار

اس جگہ شعرِ غالب آیا یاد — جس کو پڑھتا ہوں میں سرِ دربار

ظلم ہے گر کرو نہ میری قدر — قہر ہے گر کرو نہ مجھکو پیار

صرف ششماہہ ملنے پر تنخواہ — کی یہ غالب نے بادشہ سے پکار

رسم ہے مُردہ کی چھ ماہی ایک — خلق کا ہے اسی چلن پہ مدار

مجھ کو دیکھو تو ہوں بقیدِ حیات — اور چھ ماہی ہو سال میں دوبار

اس لطیفے کا یہ صلہ پایا — اُس کی تنخواہ ہو گئی تہوار

میں بھی کرتا ہوں ایک لطیفہ عرض — بہرِ تفریحِ خاطرِ سرکار

اُس کی حالت سے میری حالت کو — دیکھئے کیا ہے نسبت و سروکار

دیر سے گو وصول ہوتی تھی — نام دفتر میں تھا تو آخرِ کار

میری آمد ہے یکقلم موقوف — یعنی ہوں آٹھ سال سے بیکار

اُس کی ششماہی تھی مری برسی — آچکی زندگی میں آٹھویں بار

ایسے آقا کو ایسے چاکر سے — کر دیا کس نے بدگماں یکبار

خضر کا کون غولِ راہ بنا — شبِ مہ کیسے ہوگئی شبِ تار

پڑ گیا حق پہ پردۂ باطل — جس سے مجھ کو یہی ہے سوچ بچار

رحم و اخلاق اور مروت و حلم — عدل اور خوفِ حضرتِ جبّار

اور پاسِ قدامتِ چاکر — ہوگئے یہ حقوق سب بیکار

باعث قتل بے گناہ ہوئی — صرف سرگوشئ زبوں گفتار

اس کا باعث جو سوچتا ہوں میں — تو سوا اس کے کچھ نہیں زنہار

جس نے یوسف کو بے جمال کیا — بنگاہِ خواص و عام اکبار

جس نے بچے کو ماں سے ڈلوایا — اندرونِ تنورِ آتش بار

جس نے بھجوایا جیل خانے میں — خود زلیخاؑ سے یوسفؑ ابرار

روزِ میداں ہو دستِ رستم سے — قتلِ سہراب جیسا برخوردار

جعفر برمکی کو قتل کرے — شاہ ہاروں رشید عدل شعار

جس نے اپنے خلیل کے حق میں — نارِ نمرود کو کیا گلزار

جس نے موسےٰ کے دشمنوں کو کیا — آبِ دریائے نیل میں فی النار

جس کے ادنے اسے اک کرشمے میں — یار دشمن ہوا اور دشمن یار

یہ بھی ایک اُسکی تھی مشیت خاص — کہ بدل جائیں اس طرح دربار

مجھ کو موقوف کر دیا جائے — عذر واجب بھی ہو نہ گوش گزار
رنگ کر شیوزی جمے ایسا — کہ مرا حال ہو سیاوش وار
زندہ رہ کر میں اپنی آنکھوں سے — یہ ستم دیکھوں اور یہ آزار
گر کوئی غیر مجھ پہ کرتا ظلم — تو بچاتے مجھے مرے سرکار
جس سے بڑھ کر کوئی شفیق نہ تھا — اُس نے یوں آنکھ پھیر لی یکبار
کون اب میری داد کو پہنچے — کس سے اندوہِ دل کروں اظہار
پھر بھی اپنے ولیٔ نعمت سے — نہیں شکوہ مجھے کوئی زنہار
عمر بھر جس نے عیش میں رکھا — کیا غضب گر خفا ہو وہ یکبار
ہاں ضرورت دعا کی بیشک ہے — اور دعا کے لئے اثر درکار
اُس کی جانب رجوع لاتا ہوں — دردمند و شکستہ دل لاچار
جس سے سرکار بھی ہیں حاجتمند — میرے سرکار کا جو ہے سرکار
خوف سے جس کے دل لرزتا ہے — جس کا ماں باپ سے زیادہ ہے پیار
جس کا قلب ملول خانۂ خاص — جس کا محشر ہے عام اک دربار
جس کی رویت سے غیر ہیں محروم — جس کا جلوہ بچشمِ عاشق زار
وصل میں جس کے خود فراموشی — درد ہے جس کا مرہمِ زنگار
صدمۂ ہجر جس کا دوزخ ہے — وَقِنَا رَبَّنَا عَذَابَ النَّار
نہیں جس کے صفات کی کوئی حد — قلزم ذات کا نہ وار نہ پار
جس سے إِيَّاكَ نَعْبُدُ ہی خطاب — اے دل إِيَّاكَ نَسْتَعِينُ پکار
جس سے وہ خوش ہوا اُسے سب راضی — جس سے ناخوش وہ اُس سے سب بیزار

وہی میرا انیس و ہمدم ہے — وہی میرا رفیق اور غم خوار

اے خدا دیر خشم ہے تیری ذات — اور زود آشتی ترا ہے شعار

تو کریم و رحیم و رزق رساں — میں گنہگار اور بدکردار

ماسوا تیرے جس نے رکھی امید — غرق بیشک وہی ہوا منجدھار

تیرا دامن پکڑ لیا جس نے — بحر آفات سے ہوا وہی پار

تو ہی نعم الوکیل ہے میرا — بگڑے کاموں کو میرے تو ہی سنوار

میں نے کی ہو جو کوئی بدخواہی — بالعمد میرے واقف الاسرار

تو مجھے اس سے بھی زیادہ ستائے — گردش آسمان دلیل و نہار

اور اگر برخلافِ قول عدو — خیر خواہی رہا ہو میرا شعار

کر دے خوش مجھ سے میرے آقا کو — تاکہ ہو جائے میرا بیڑا پار

مجھ سے راضی ہوں پیشتر سے فزوں — دل کے آئینے سے ہو دور غبار

مسل کو جس سے بے گناہی کا — مہربانی سے خود کریں اقرار

روبکار ایک گشتی جاری ہو — کہ ہے صابر علی امانت دار

انتہا کو پہنچ چکی خفگی — اب تو اتنا سا رحم ہے درکار

کیا بڑی بات ہے ترے نزدیک — اے مرے سرور سپہر وقار

بحرِ بخشش ترا جو جوش میں آئے — نہ رہے کچھ لحاظ وزن و شمار

پچھلی تنخواہ مرحمت ہو کر — مجھکو فرمایا جائے پنشن خوار

ختم کرتا ہوں اب دعا یہ کلام — دِکھتے مقبولیت کے ہیں آثار

یا الٰہی بحق احمد پاک — سلطنت کا تری جو ہے مختار

نائبؒ کالمنیب جس کی شان	تیرا دیدار جس کا ہے دیدار
من رآنی فقد رأ الحق ہے	لبِ شیریں کی شکّریں گفتار
جس کے دیدار کی نہیں مجھے تاب	عشق سے جس کے دل مرا ہی فگار
واسطہ جس کا مان لیتا ہے	خاص بندہ ترا مرا سردار
رکھ اسے تندرست اور خوش دل	اور عشقِ حبیب میں سرشار
ملکؔ اقبال میں ترقی دے	اور توفیقِ عدل ہے درکار

یہ سلامت رہے ہزار برس
ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار

پیش کشی قطعہ بحضور دربار ٹونک و ام اقبالہم بمنشائے بازبجالی

اپنی سرکار سے صلا پاکر	آج صابر نہال ہو جائے
چمکیں رخسار شادمانی سے	یعنی چہرہ بحال ہو جائے

عام حالتِ زمانہ

یہ رائے دیتی ہے عقلِ سلیم اے صابر	ہر ایک خطہ کا فرماں روا ہو دانشمند
وزیرِ شاہ میں ہو اسقدر کیاست و فہم	کہ اُس کی رائے کا وہ بادشاہ ہو پابند
وہ دو نور رکھتے ہوں تمیزِ حق و باطل میں	کہ اُنکے عدل سے مخلوق کا ہو دل خورسند
کم از کم اتنی بصارت تو ہو بدیدۂ عقل	کہ سوجھے صاف نشیب و فراز و پست و بلند
گر اپنی رائے سے اعلےٰ ہو رائے ادنیٰ کی	تو قدردانی سے لازم ہے کرنا اُسکو پسند
زیادہ لعل و گہر سے بھی اُس کی قدر کریں	اگر لکھی ہوئی دیوار پر وہ دیکھیں پند

شناخت جوہر خدام فرض سلطاں ہے
کہ تا نہ ہیرے کے دھوکے میں ترمی آئے پسند

ملازمین ہیں پرزے تو سلطنت ہے مشین
وہ چلتے پرزوں سے چلتی ہی ناقصوں سے بند

ملازمین شریف النسب کا کیا کہنا
نمک حلالی کی زنجیر کے وہ ہیں پابند

وہ ہوتے جاتے ہیں جتنے پرانے اور قدیم
بسانِ تیغ چمکتا ہے جوہر اُن کا دوچند

سلف سے تا بخلف ہے وفا شعار اُن کا
ہیں اپنے آقا کے ہر وقت میں ارادتمند

جو اُن کا جان سے جانا مفیدِ آقا ہو
پیالہ زہر کا پی جائیں مثلِ شربتِ قند

نہ جان و مال عزیز اُن کو بڑھکے آقا سے
نہ سدِّ راہ اُنھیں الفتِ زن و فرزند

یہ لوگ مستحق اسکے ہیں کیجیے گر غور
کہ سمجھا جائے پسر کی طرح اُنھیں دلبند

خطا ہو عمر میں گر ایک ایسے چاکر سے
خوشی سے چاہئے دینا اُسے معافی و پند

نہ یہ کہ قولِ مجرّد پر ایک بدگو کے
وزیر و شاہ کا یہ شعلۂ غضب ہو بلند

وہ خیر خواہ ہو موقوف اتّہام کے ساتھ
صفائی دینے پہ بڑھتا رہے غبار دوچند

اور ایسا طرزِ عمل اُسکے ساتھ برتا جائے
کہ مستحق عنایت کو پہنچے رنج و گزند

بحالِ قطع تعلق بھی تا بسالہا سال
وہ چاکر الفتِ آقا ہی کا رہے پابند

رُخ اُس کا ہو سوئے آقا مثالِ قبلہ نما
سلامی غیر کا بننا نہ ہرگز آئے پسند

پسر کے سر پہ ہو جیب و دست راست پر مصحف
کرے وہ عرض ادا کر کے اس طرح سوگند

کہ آج تک نہ کبھی بالعمد خطا کی ہے
قصور کرنا نہ آئندہ مجھکو آئے پسند

عطا معافی ہو تقصیر گر ہوئی ہے کوئی
کہ مستحقِ کرامت گناہگار انند

نہ رحم آئے اُس اپنے قدیم چاکر پر
جو سعیٔ رحم کرے چند سال تک ہر چند

ہزاروں پاس نہ ہوں جب تک اُسکے دینے کو
تو بندگانِ خدا کے ہزاروں کام ہوں بند

مزاج شاہ میں دخل ایسے لوگ پائیں کہو — بہ زیر دلق مرقع کمند ہا دارند

یہ چھوٹے موتی دکھائیں جواب و تاب اپنی — سمجھ کے لعل کرے شاہ رتبہ اُنکا بلند

جنھیں ملازمتِ شہ سے ایسی نفرت ہو — کہ جائیں رخصتی ہو جائیں غیر کے پابند

برابر اس پہ بھی ملتی رہے اُنھیں تنخواہ — تنفر اُن کا تعجب ہے آئے ایسا پسند

ہو شہ میں جوہر مردم شناسی ایسا ہو — زباں سے کیوں نہ ہو مخلوق کی صدا یہ بلند

حقوق خدمت صد سالہ لعب طفلانست — بخشوے کہ درد کودکاں خداوندند

بجائے طفل ہی داخل یہاں وہ بوڑھا بھی — نہ کر سکے جو بد و نیک ناپسند و پسند

ہزار شکر کہ صابر کا آقا ایسا ہے — کہ جس سے ہر کہ و مہ شاد دل ہے اور خورسند

مبارکباد تولد صاحبزادہ محمد اسمٰعیل خاں صاحب فرزند دلبند نواب دام اقبالہ

نورِ رشکِ قمر مبارک ہو — جشن شام و سحر مبارک ہو

گردشِ چرخ سازگار رہے — جنبشِ صد نظر مبارک ہو

یہ صدی اور یہ قرن یہ سال یہ ماہ — یہ دن اور یہ پہر مبارک ہو

ہوں مخالف بھی اسکے شیدائی — دورِ شمس و قمر مبارک ہو

وجہ نامِ گرامی فرزند — خاص ماں باپ پر مبارک ہو

سایۂ والدین میں یارب — اس کو عمرِ خضر مبارک ہو

خیر خواہانِ ملک و دولت پر — اے شہا یہ پسر مبارک ہو

ابر نیساں کے حق میں اے صابر — یہ صدف یہ گہر مبارک ہو

قطعہ تاریخ مسند نشینی ہز ہائینس سعید الدولہ وزیر الملک حافظ ومولوی نواب محمد سعادت علی خاں صاحب بہادر صولت جنگ والی ریاست ٹونک دام اقبالہ

غور سے میں نے جو دنیا کا تماشا دیکھا
دمبدم شانِ تجدّد کا یہاں ہے جلوا

گر خزاں دیدہ گرا برگ تو پھوٹی کونپل
ساتھ ہی ساتھ خزاں کے چمنستاں ہے ہرا

دانۂ تخم شجر بن گیا ہو کر نابود
قطرۂ ہستی کو مٹا کر دُرِ شہوار بنا

روشنی دہر میں اوصافِ پسر کی پھیلی
ملکِ جاوید پدر کو جو خدا نے بخشا

خلف الصدق میں مضمر ہے بقا والد کی
یعنی ہے مظہرِ سِرُّ الابیہ بیٹا

پچھلی ہستی نے فنا ہو کے جو صورت بدلی
تو نتیجہ ہوا کچھ اُس سے بھی اعلےٰ پیدا

مغتنم پچھلے زمانہ سے ہے یہ دورۂ حال
ما صدق ہے مری تمہید کا میرا آقا

اے مرے سرور دریا دل و والا تمکیں
اے مرے خسرو خوش باطن و فرخندہ لقا

تو جو ہر حال میں راضی برضا حق ہے
حق بجانب ترے صد شکر بالآخر دیکھا

تیری ہی شان کے مصداق ہو تُعِزُّ جاءَ الحق
زَہَقَ الباطل حصہ ہے ترے اعدا کا

کامیابی ہو مخالف کو یہ ممکن ہی نہیں
بخت بیدار ترا یار تو حامی ہے خدا

حق شناسی سے تری مجکو ہے امید قوی
کیا عجب ہے کہ صلے میں ہو عطا حق میرا

پھر مجھے خدمتِ آقا کی سعادت ہو نصیب
اور تا زیست نہ ہوں میں کبھی قدموں سے جدا

شوق کہتا ہے کہ ہو خدمت پُر شر میں حاضر
اور ادب کا یہ تقاضا ہے کہ پا کر منشا

صبر کی شان میں آجائیگا پھر فرق ضرور — گر مرا شوق ادب پر مرے غالب آیا

بیں گیا وقت نہیں ہوں کہ پھر آبھی سکوں — مہرباں ہو کے بلا لیجئے مجھکو شاہا

اے مبصّر مجھے پہچان لے ہوں تیغِ اصیل — کہنگی سے ہے نہاں زنگ میں جوہر میرا

پردۂ غیب سے صابرؔ نے یہ آواز سنی — فکر تاریخ میں وہ سر بگریباں جو ہوا

ہے یہ تاریخ جلوس از سرِ وجدان و نشاط

حسن اب مسندِ شاہی کو سعادت سے ملا

۱۳۴۹ھ

قطعہ تاریخ مسند نشینی نواب محمد سعادت علیخان بہادر

رئیس ٹونک دام اقبالہ

سعادت علی خاں بہادر رئیس — ہوا صاحبِ حکم جب ٹونک

یہ صابرؔ سنا از سرِ امن و کیف

سعادت کا سایہ ہے اب ٹونک پر

۱۳۴۹ ہجری

قصیدۂ مدحیہ نواب معلی القاب عالی جناب فرزند دلبند دولت انگلشیہ مخلص الدولہ

ناصر الملک امیر الامرا سید نواب محمد حامد علیخاں صاحب بہادر مستعد جنگ جی سی ای آئی خلد اللہ

ملکہم و دام اقبالہم بصنعت توشیح حرفی از رکن دوم مصرعہ اسم مع القاب ممدوح

ع ا ل ی

عیش دوامی مجھے آج میسر ہوا — لب پہ مرے شکر ہے یار ہے بخت رسا

ر ت ب ہ

رام ہے خنگ فلک تیز رو باد پا — باگ مرے ہاتھ سے ہو نہیں سکتی رہا

ف د ز ن

فکر کو مجھ سے جدا رحمت حق نے کیا — زور نہ کچھ چل سکا نکبت ایام کا

د د ل پ

دولت دیدار سے دیدہ منور ہوا — لعل گہربار سے پاسخ شیریں سنا

ذ ی ر د

ذرۂ ناچیز کو یاد کیا مہر نے — رشحہ کم قدر ایک دامن یم میں چھپا

و ل ت ا

وجد و نشاط و طرب لے کے اٹھا خواب سے — تہنیت خواب کا آنکھوں میں نقشا کھنچا

ن گ ل ش

نکہت جاں بخش سے گیسوئے پرپیچ کے — لحظہ بلحظہ بنا شامہ مشک خطا

ی ہ م خ

یاد ہیں وہ خط و خال ہوش ربا وہ جمال — ماہ کو ہو انفعال خیرہ ہو شمس ضحٰے

ل ص ا ل

لام خط نسخ کا صفحۂ رخ پہ ہے زلف — ایک مجھے کیا ہے عشق لاکھوں کو اسلام کا

د و ل ہ

دادر انجم حشم والی ملک و خدم — لمعۂ تیغ دو دم ہم بمثل صاعقا

ن ا ص د

ناہی نہی خدا آمر امر الٰہ — صاحب قلب سلیم رہرو راہ ہدا

ا ل م ل

ایک نظر مہر سے لعل ہو ہر سنگ خشت — مہر سے ذرہ ہر ایک لیتا ہے جیسے ضیا

کان جواہر ہیں اُسکے تکلم سے کان — مخزن علم وہنر یکہ بصدق وصفا

رخش فلک بے لگام اس لیے ہے خوشخرام — لوگ کہیں سبزہ ہے ایک یہ اصطبل کا

مہر سے مغلوب قہر رحمت حق شان مہر — ابر سخا وکرم سایۂ لطف خدا

راہرو قرب حق سید عالی گہر — یا ور بے یاوراں یوسف مصر وفا

دین کے احکام میں نائب صدر رسل — وارث علم علیؑ آل شہ انبیاؑ

بانی قانون عدل مہر سپہر کرم — حامی دین مبیں منبع جود وسخا

داور دادار کا حیدر کرارؑ کا — احمد مختارؐ کا مورد لطف و عطا

دل کو جو میں نے کیا عالم رویا میں نذر — لیکے مخاطب ہوئے یہ مجھے مژدہ دیا

خواب کی تعبیر سے اور تری تقدیر سے — نکتہ یہ تدبیر سے بعد کو کھل جائیگا

ہم تجھے کر کے طلب آپ کرینگے عطا — دولت قرب دوام ربط دلی کا صلا

مجھکو جب اس طرح کی سیر ہوئی خواب میں — تب میں ہوا منتظر عالم اسباب کا

دل کو ہے میرے سرور جب سے ہی کلفت دور — نوبت فیض حضور گو نہ ہوئی برملا

جان ودل زار کو یاس نہیں آس ہے — سایۂ بال ہما یار ہو تقدیر کا

آئے وہ دن کاش جلد یہ مجھے ارشاد ہو — اپنا قصیدہ سنا یاد ہے ہم کو صلا

خاک پہ ہوئی نیاز لب پہ دعا ہے مرے — دولت وحشمت بڑھے اور ہو شوکت سوا

لحظہ بلحظہ فزوں آپ کا ہو اقتدار | ہمدم ... ... روسخا و عطا

لا نہ سکا بجز اسم ... ...

ہر سپہر دوں کو ... ...

قطعۂ تاریخ معاودت صاحبزادہ محمد عبدالصمد خاں صاحب بہادر معروف ابنّ میاں بمنصب چیف سکریٹری ... ریاست بیکانیر

وہ عبدالصمد خاں وزارت مآب
مخاطب بہ سی۔ آئی۔ ای۔ در جہر سال

وہ آرام جان و دلِ شہریار
وہ بالعرف معروف ابنّ میاں

بلطف و عنایات گیہار ہ خدیو
ہوئے چیف سکریٹری کیمر یسا ں

سُنی اور نہ دیکھی یہ مقبولیت
کہ شیدا ہے اس شخص پر اک جہاں

ہے ذاتی مراتجربہ چشم دید
خدا کی قسم راست ہے یہ بیاں

جدا اُن کو آقا سے ہونا پڑا
کچھ ایسی ہوئی گردشِ آسماں

خدا جانے کیا تھے وہ راز و نیاز
کہ مطلوب و طالب ہی ہیں رازداں

یہ مانا کہ انچارج اُن کے رہے
بہت نیک طینت قمر شاہ خاں

مگر اُن کے جانے کے صدمہ میں تھا
ریاست کا ہر ایک پیر و جواں

خدا سے ہر اک کی یہ تھی التجا
اُنھیں خیر و خوبی سے پھر لا یہاں

ریاست وہ رشکِ شبابِ پری
بنی زال صد سالہ فرسودہ جاں

مثل سچ ہے وہ سب کا مقبول ہے
ہوا جو کہ مقبول شاہِ جہاں

یہ حامد علی خاں بہادر رئیس
رہے تا ابد زندہ و شادماں

قمر طلعت انجم حشم مہر فر
فلک بارگاہ و ملک پاسباں

رہے حکمرانی زہے اقتدار
قضا و قدر جس کے ہے ہمعناں

کہ توام ہے تعمیل یوں حکم سے
یہ جیسے دو الفاظ ہیں کن فکاں

خیال آیا جب اُن کے احضار کا
بقلب جہاں دار کشورستاں

نہ انجن نہ موٹر تھا اقبال صرف
جو لے آیا پھر تا بآقا کشاں

محرک اُدھر شوق ادھر جذبِ دل
دو انجن سے تھی میل گاڑی رواں

وہ آصف تھا اپنے سلیماں کے پاس
بیک دم زدن تخت بلقیس ساں

بنا اُن سے گلزار پھر رام پور
ہوئی وہ ہی رونق دوبارہ یہاں

ہر اک دل شگفتہ ہوا مثلِ گل
جو مدت سے تھا منقبض غنچہ ساں

ہر اک لب پہ شکرانہ حق ہے اور
یہ صابر کا ہے شعر وردِ زباں

زلیخا ریاست ہے یوسف رئیس
شبابِ دوبارہ ہے ابن میاں

ہو صابر جہاں کو نہ کیوں فخر و ناز
وزیرے چنیں شہریارے چناں

یہ تاریخ بھی از سرِ انبساط
سلیماں کو خاتم ملی لکھ یہاں
۱۳۳۹ھ

عرضی منظوم بحضور آقائے نامدار رئیس رامپور خلد اللہ ملکہم و دام اقبالہم

بعزِ عرض خداوند نعمت و حشمت
قباد صولت و دارا شکوہ و جم شوکت

ہمیشہ عمر میں اقبال میں ترقی ہو
فزوں ہو حد سے سوا مال و ملک اور دولت

بہ بارگہِ شہی با ہزار عجز و نیاز	غلام عرض یہ کرتا ہے واقعی حالت
کہ طفل رونے سے مادر کا شیر پاتا ہے	خموشی فدوی کے حق میں ہے باعث زحمت
بہو اضافہ پسر پہ ہے یک نشد دو شد	قریب ختم ہے تثلیث کی بھی اب مدت
دل غلام میں ہر وقت کیوں نہ ہو شش و پنج	یکایک آئے جو درپیش خرچ کی حاجت
نہیں سبیل کچھ ان عارضی مصارف کی	جو یہ بھی ہو تو نہیں ہے کفاف میں وسعت
حصول ہر دو مقاصد نہیں ہے کچھ مشکل	بدستگیری شاہنشہ قدر قدرت
بس اک نگاہ کرم کا ہے انتظار کہ ہے	غلام زادہ جواں اور لائق خدمت
ہے علم حال سے عاجز کے چیف صاحب کو	حضور کے جو ہیں سکریٹری ملک خصلت
جو شہ کا اُن کو ہو ایما تو پھر نہیں کچھ دیر	کہ ہو غلام ہم آغوش شاہد راحت
فقیر کا ہے فقط ذات شاہ پر تکیہ	نہیں ہے غیر کا محتاج داعی دولت
کرم سے شاہ کے دل کو نہیں ہے مایوسی	ملک کا حکم ہے لَا تَقْنَطُوْا مِنَ الرَّحْمَۃِ

مدام نیّر اقبال شاہ رخشاں باد
ہے ختم عرضی صادق علی خوش قسمت

قطعہ تضمین شعر صاحب

وہ عرض حال وہ عرضیٔ منظوم دلکشا	شائستگی کے ساتھ وہ اظہار مدعا
دلچسپ اُسمیں تنگ ظرافت کی شان بھی	تھی کشت زعفراں سے وہ تفریح میں سوا
پڑھیے تو سامعین ہوں محظوظ اسقدر	بیساختہ زباں سے نکل جاتے مرحبا
شہ باذاق اور سخن فہم و نکتہ رس	فیاض و بحر فن سخن کا ہے آشنا

بیشی کے بعد ہوئے سماعت بجائے داد — دیکھا جو میں نے داخل دفتر کا حکم تھا
آقا کی شان لطف [illegible] حکم تھا بعید — بیجا نہیں ہے اس کا تعلق بلکہ ہے بجا
فرمایا کچھ بھی ماہر فن نے نہ التفات — اور ایسا حکم بعد سماعت لکھا گیا
اوروں کے سنگسار بھی کرنے سے اف (نہ) — شبلی نے ایک پھول سے منصور چیخ اٹھا
ہوتی وہ پیش شاہ زمن کے نزد وبرد — یا شاعری کے فن کو ہی صابر نہ سیکھتا

تحسین [illegible] ناشناس ہے سکوت سخن شناس
صابر [illegible] ادو [illegible] شکند قدر شعرا

عرض حال بحضور موفور السرور صاحبزادہ محمد عبدالصمد خان صاحب بہادر
چیف سکریٹری ہز ہائینس رامپور دام اقبالہم

افسر جملہ اہل سیف وقلم — اے مرے سرور خجستہ شعار
نائب کالمنیب آپ کی شان — شہ کا ارشاد آپ کی گفتار
ایسا زنگ خودی کو دور کیا — ذات اقدس ہے شہ کی آئنہ دار
دیکھئے گر تو اصل وعکس ہیں ایک — سر مو فرق کچھ نہیں زنہار
اس لئے عرض کرنا یکساں ہے — پیش شاہ وحضور کے دربار
شاہ نے مجھکو یاد فرماکر — بخشی عزت بڑھایا میرا وقار
میرے سابق ولی نعمت کو — یاد آنے نہیں دیا اک بار
آج تک مہر کی وہی ہے نظر — ذرہ رخشاں ہے جس سے انجم وار
جان جب تک نہ میری کام آئے — اس عطیہ کا میں نہیں حقدار

اب اگر اس سے بھی سوا چاہوں | تو ہو ناشکری و ہوس میں شمار
پردۂ خواہشِ ترقی میں | نقصِ نعمت کا صاف ہے اظہار
اس لئے چاہیے مجھے رہنا | عمر بھر صابر اور شکر گزار
لیکن اس وقت ہاتفِ غیبی | کر رہا ہے یہ میرے گوش گذار
کہ یہ اک وسوسہ ہے شیطانی | تو نہ آنا فریب میں زنہار
جانتا بھی ہے کس کا سایہ ہے | یہ ترا خسروِ سپہر وقار
اُس کا سایہ ہے جس سے ہر کہ و مہ | روز کرتا ہے التجا سو بار
مانگنا خاص عجز کی ہے دلیل | ہے عبادت میں عجز کا اظہار
مانگنے پر خوشی سے دیتا ہے | مقصدِ دل وہ سب کا لیل و نہار
اُس سے ترکِ طلب ہے کفرِ صریح | نہیں محدود بخششِ دادار
پانی دریا کا کم نہیں ہوتا | پئیں لاکھوں جو تشنہ لب سو بار
سایہ جب ذات سے نہیں منفک | سایے کو پھر دوئی سے کیا سروکار
ہو نہ جب تک خدا سے مستغنی | شہ سے ترکِ طلب نہ کر زنہار
مسئلہ یہ سمجھ میں آتے ہی | اپنی لغزش پہ کر کے استغفار
بخلوص اب میں عرض کرتا ہوں | مدعائے ضروری الاظہار
خانگی صرف بڑھ گیا ہے حضور | کتخدا ہو چکا ہے برخوردار
ٹونک کے خاندان کی لڑکی | اُس کو بیاہی گئی ہے عزت دار
اُس کو ساتھ اپنے لیگئے تھے خسر | وہاں چاہا کہ ہو یہ بر سرکار
مجھ کو لکھا بطورِ استمزاج | کہ اجازت ہے آپ کی درکار

پڑھ کے خط خیر خواہِ دولت نے ۔ دل میں اپنے کیا جو سوچ بچار
بارِ منت رئیسِ سمدھی کا ۔ نہ گوارا ہوا مجھے زنہار
اپنی ہے شاہ کا مزاج غیور ۔ ہوگا نا قابلِ پسند یہ کار
شاہ میرا ہے مالکِ کلی ۔ غیر کیوں جزو کا بھی ہو مختار
میں نے اس جا بلا لیا ان کو ۔ ذات پر اپنی رکھ کے صرف کا بار
گرچہ اول نمودِ عشق آسان ۔ مشکل افتاد لیکن آخرِ کار
میری تنخواہ نصف کے دونو ۔ زن و شو ہو گئے ہیں دعویدار
نہیں ممکن کہ کچھ نہ دوں اُن کو ۔ دوں تو اپنا چلاؤں کیونکر کار
قرض لینے کی آ گئی نوبت ۔ نہ چڑا اول بنی ہے ابکی بار
اب ہے پڑھ کر سنانے کا موقع ۔ شعرِ غالب ہے واجب الاظہار
آپ کا بندہ اور پھروں ننگا ۔ آپ کا نوکر اور کھاؤں اُدھار
چونکہ خود کردہ را علاجے نیست ۔ کس سے اس نکتہ کا کروں اظہار
جرمِ عہدِ شباب کی یہ سزا ۔ شیب میں بار ہا ہوں میں ناچار
آتشِ فکر و غم سے دل ہی کباب ۔ وَقِنَا رَبَّنَا عَذَابَ النَّار
مصطفیٰ خاں غلام زادہ جو ہے ۔ مستعد نوجوان و لائقِ کار
نذر کرتا ہوں آج میں اُسکو ۔ ہیں حضور اُس کے مالک و مختار
میری تکلیف میں کمی ہو جائے ۔ گر غلام آپ کا ہو برسرِ کار
طاقت انتظار مجھ میں نہیں ۔ کہ اشد موت سے ہے یہ آزار
طرہ اس پر یہ ہے کہ اب ہیں قریب ۔ پوتا پوتی کے آنے کے آثار

عرضِ مقصد تو فرض تھا ہو ہے ۔۔ آپ ردّ و قبول کے مختار

قطعہ تاریخ وفات سید نواب حامد علیخان بہادر معتمد جنگ جی سی آئی اے فرمانروائے رامپور و مسند نشینی نواب فلک رکاب سید محمد رضا علیخان صاحب بہادر

ولیعہد سابق و رئیس حال رامپور دام اقبالہ

چمن دہر میں یہ طرفہ تماشا دیکھا | پھوٹی کونپل وہیں گر برگ خزاں دیدہ گرا
نظر آتا ہے بظاہر تو خزاں کا منظر | اور بباطن ہے شجر بیج سے تا شاخ ہرا
منجمد ہوکے بنا گوہر شہوار وہیں | قطرہ نیساں کا صدف میں جو کوئی جا ٹپکا
اُس گہر کو کبھی قطرہ نہ کہیگا کوئی | گرچہ سچ یہ ہے کہ موتی ہے وہی اک قطرا
اعتبارات مظاہر میں ہزاروں فرقات ایک | رُخ بدلنے سے نیا دکھتا ہے سب کو جلوا
دانۂ تخم اگر کوئی چھپا زیر زمیں | لازمی امر ہے وہ دانہ بنے گا پودا
خلق اُس پودے کو دانہ نہ کہیگی ہرگز | مسئلہ یہ وہی سمجھیگا جو ہوگا دانا
ایک میں ایک ہے موجود بشانِ توحید | دانہ پودے میں تو دانے میں ہی پنہاں پودا
ہے اسی طرح پدر اور پسر کی تمثیل | دانۂ تخم پدر ہے تو پسر ہے پودا
گر پسر میں ہیں پدر کے وہی اوصاف جمیل | تو یہ سمجھو وہ خوش اقبال پدر ہی زندا
شکر خالق مرا آقا جو ہے اب زیب جلوس | ہو بہو والد ماجد کا ہے اپنے نقشا
وہی دانش وہی فرہنگ وہی دانائی | وہی صورت وہی سیرت ہے وہی فہم و ذکا
منبع فیضِ اتم مخزنِ احسان و کرم | مظہرِ جود و سخا مصدرِ الطاف و عطا
قہر سے جنبش ابرو ہو اگر سوئے فلک | تو نظر آنے لگے برج اسد کا جوزا
نظر مہر کی اک جو پڑے جانب مہر | مہر کا جرم بنے جلوۂ طور سینا

وہ جو ہر حال میں راضی برضائے حق ہے — ہے رضا اُس کی رضائے علیؑ شیرِ خدا
یاد آیا ہے مجھے اک شعر امیرِ مرحوم — جس کے بیساختہ لکھنے کو یہاں دل چاہا
یہ جو صورت ہے تری صورتِ جاناں ہے یہی — یہی ساماں ہے یہی رنگ یہی ہے نقشا
کم نہیں فضلِ خدا سے کوئی اک صفتِ پدر — انتظامی صفتوں میں ہے کچھ اُن سے بھی سوا
یہی اک وجہ ہے تسکینِ دلِ مضطر کی — ورنہ میں خاک بسر صورتِ مجنوں پھرتا
آدمی کو جو میسر ہو خوشی غم کے ساتھ — تو یہ سمجھو ہوا جینے کا سہارا پیدا
ماجرا اس غم و شادی کا اگر کیجئے غور — آیۂ اِنَّ مَعَ العُسْرِ کا مظہر ہے کھُلا
ہر نمک خوار کو حاصل غم و شادی ہے بہم — ماہ ساں داغ بدل اور درخشاں چہرا
صرف اب لطفِ شہی پر ہے مرا دار و مدار — کرمِ شاہ فقط حق میں مرے آبِ بقا
اے مبصّر مجھے پہچان لے سوں تیغِ اصیل — کہنگی سے ہے نہاں زنگ میں جوہر میرا
محوِ فکرت جو ہوا از پئے تاریخِ جلوس — یک بیک ہاتفِ غیبی نے مجھے دی یہ ندا
از سرِ صدق و سعادت ہے یہ ہجری تاریخ — ماہ دو ہفتہ چھپا مہرِ منور نکلا

سایۂ عاطفتِ شاہ رہے صابر پر
شاہ کے فرقِ مبارک پہ رہے ظلِّ خدا

مخمسہ تضمین بر غزل نواب صاحب بہادر رئیس ٹونک دام اقبالہم

یہ منشائے دل برملا ہے کسی کا — کسی سے نہیں دل بُرا ہے کسی کا
بناوٹ کا غصہ ہوا ہے کسی کا — کسی سے اگر دل پھرا ہے کسی کا
تو پھر کیوں یہ شکوہ گلا ہے کسی کا

جو قطع تعلق ہوا ہے کسی کا
مجھے کیوں یہ شکوہ گلا ہی کسی کا
کسی سے نہیں واسطہ ہی کسی کا
کسی پر بھلا زور کیا ہے کسی کا
قلق دل کو بے فائدہ ہی کسی کا

نہیں رشک اس پر بجا ہی کسی کا
یہ آئینہ صورت نما ہے کسی کا
خدا کی عنایت میں کیا ہی کسی کا
تصوّر جو اس میں بندھا ہے کسی کا
دلِ زار خلوت کدہ ہے کسی کا

کسی کے لئے یہ ہی اپنی حالت
کسی سے نہیں بات کرنے کی مہلت
کہ بے چین جان اور مضطر طبیعت
سہیں سختیاں سب یہ دل کی بدولت
نہ شکوا نہ ہمکو گلا ہے کسی کا

دلِ زار نے سب جفائیں اُٹھائیں
کسی نے اگر جھوٹی باتیں لگائیں
شکایات جا بھی نہیں لب تک آئیں
ہمیں آپ ہی نے ہزاروں سنائیں
یہاں بھی کبھی لب ہلا ہے کسی کا

محبت میں جھیلیں ہزاروں جفائیں
شکایت ہو کچھ بھی اگر لب ہلائیں
جو صدمے اُٹھائے ہیں وہ کیا بتائیں
اُٹھائی ہیں گو ہم نے لاکھوں جفائیں
مگر نام تک بھی لیا ہے کسی کا

یہی پھل دیا میری مہر و وفا نے
نہیں سب کو یکساں بنایا خدا نے
کہ اُلٹا مجھی کو لگے تم ستانے
جو سمجھے سو سمجھے جو جانے سو جانے
کہاں تم کو پاسِ وفا ہے کسی کا

شب و روز ہم حالِ دل جب سنائیں
جواب اُس کا اس پر بھی اصلا نہ پائیں اگر

تو اب کیوں ہم اپنے لبوں کو ہلائیں | ہو کیا پوچھتے تم کہو کیا بتائیں

کہ تم سے مداوا ہوا ہے کسیکا

رہے گو کہ نزدیکی دن رات اُس سے | نہ ہو کچھ امیدِ عنایات اُس سے
پھر اظہارِ مقصد ہو ہیہات اُس سے | کہے کو جو مانے کہے بات اُس سے

کبھی تم نے کہنا کیا ہے کسیکا

محبت کی یہ کی تلافی انھوں نے | ستم سے کیا اس کو زخمی انھوں نے
نہیں سمجھا عرشِ الٰہی انھوں نے | نہ کچھ قدر کی میرے دل کی انھوں نے

کہ یہ گوہرِ بے بہا ہے کسی کا

کہیں ہو نہ تیرِ غضب کا نشانہ | نہ سر سے دوپٹہ کا آنچل اُڑانا
نہ جنبش میں زلفِ پریشاں کو لانا | سنبھل کر ذرا اُسکے کوچے میں جانا

کہ نازک مزاج اے صبا ہے کسی کا

تو حالت تو اس کی ذرا دیکھ پہلے | نہیں دھجیاں بلکہ ہیں پرزے پرزے
نہ پڑ چارہ گر اس کے سینے کے پیچھے | کیا ہو جسے چاکِ دستِ جنوں نے

وہ چاکِ گریباں سِلا ہے کسی کا

کہا خود ہی اک روز یوں رحم کھا کے | کہ کیا حال ہے کچھ تو کہہ اپنے منہ سے
سنایا انھیں جبکہ رو رو کے میں نے | مرا حال سنکر وہ ہنس کر یہ بولے

کہ پھر اس سے کیا مدعا ہے کسی کا

اِدھر صبر صابر ادا مانگتی ہے | خسرو نرگسِ سرمہ سا مانگتی ہے
جوانی بھی کیا جانے کیا مانگتی ہے | اِدھر مانگ دل کو جدا مانگتی ہے

اُدھر دامِ گیسو بچھا ہے کسی کا

نہ دنیا میں اک گل ہی خستہ جگر ہے — کہ نرگس بھی اشکوں سے یہاں چشم تر ہے
یہاں ٹھہرنے کا نتیجہ سفر ہے — خلیل اس چمن کی ہوا بے اثر ہے

یہاں غنچۂ دل کھلا ہے کسی کا

تضمین بر غزل رئیس ٹونک دامِ اقبالہم المتخلص بہ خلیل

پڑی ہے یہ بنا ہم سے کہ تم سے — ہوئی ہے ابتدا ہم سے کہ تم سے
ہوئی سرزد خطا ہم سے کہ تم سے — مٹا عہدِ وفا ہم سے کہ تم سے

کہو ایسا ہوا ہم سے کہ تم سے

ہے ایجادِ جفا ہم سے کہ تم سے — ہوئے فتنے بپا ہم سے کہ تم سے
اُٹھی رسمِ صفا ہم سے کہ تم سے — مٹا عہدِ وفا ہم سے کہ تم سے

کہو ایسا ہوا ہم سے کہ تم سے

عدو نے کچھ کہا ہم سے کہ تم سے — اُسے تھا مدعا ہم سے کہ تم سے
دِلی ربط اس کو تھا ہم سے کہ تم سے — مٹا عہدِ وفا ہم سے کہ تم سے

کہو ایسا ہوا ہم سے کہ تم سے

نہیں پاسِ وفا ہو ہم تباہیں — خلاف عہد آپ اوروں کو چاہیں
بسوں پر کس کے ہیں دن رات آہیں — پھری ہیں بے سبب کس کی نگاہیں

ہوئی سرزد خطا ہم سے کہ تم سے

اُسی کے دل میں چٹکی لی ہے کس نے — ابھی تعریفِ دشمن کی ہے کس نے

ملہ یہ پانچوں مصرعے نواب صاحب کی غزل سے لیکر تضمین کئے گئے ہیں ۱۲

پھر اُس پر داد بھی چاہی ہے کس نے ۔۔۔ شکایت کی بنا ڈالی ہے کس نے

ہوئی ہے ابتدا ہم سے کہ تم سے

حسد کے بحر میں بہنے دو سب کو ۔۔۔ غم اپنے رشک کا سہنے دو سب کو
سنو مت ایک کی رہنے دو سب کو ۔۔۔ بُرا کہتے ہیں تو کہنے دو سب کو

کسی نے کچھ کہا ہم سے کہ تم سے

عنایت کر کے اپنا کر لیا جب ۔۔۔ تو ختم اُس پر ہوئے جور و جفا سب
امیدِ کج ادائی اُس کو تھی کب ۔۔۔ تمھیں کہدو دلِ درد آشنا اب

کرے کس سے گِلا ہم سے کہ تم سے

کسے رہتی ہے ہر شب بے قراری ۔۔۔ کیا کرتا ہے کون اختر شماری
یہ کس جانب سے ہے غفلت شعاری ۔۔۔ نظر بدلی تمھاری یا ہماری

محبت کو گِلا ہم سے کہ تم سے

جواب اس کا بھلا سوچو تو دیں کیا ۔۔۔ ہے ہم کو چھیڑنا خوش تم کو آتا
تمھیں پر حصر ہے انصاف اس کا ۔۔۔ جفائے ناروا کا نام نکلا

تمھیں کہدو ذرا ہم سے کہ تم سے

ہوئی بے اعتدالی تم سے دائم ۔۔۔ رہے پابندِ اخلاقِ ذمائم
نہ گذرا یہاں خیالِ نا ملائم ۔۔۔ تمھیں انصاف سے کہدو کہ قائم

رہا عہدِ وفا ہم سے کہ تم سے

ذرا انصاف سے سوچو تو پہلے ۔۔۔ کہ ہے رشکِ عدو حصے میں کس کے
بتاؤ تو تمھارے یا ہمارے ۔۔۔ ہوئیں بدعہدیاں الفت میں کس سے

بتانِ بے وفا ہم سے کہ تم سے

بڑھاتے ہو تمھیں ہر وقت قصّہ
کھلاتے ہو بنایا ہر دم شگوفہ
تمھیں سوچو کہ ہے یہ کس کا شیوہ
یہ ہم سے کیوں جفا کاری کا شکوہ

پڑی ہے یہ بنا ہم سے کہ تم سے

بھروسہ اُسکی چھوٹی بات پر تھا
نصیحت پر نہ تھے کچھ کار فرما
لقب تھا ناصحِ ناداں ہمارا
خلیل اور اُس کو چاہو اب تو دیکھا

پھرا وہ بے وفا ہم سے کہ تم سے

یہ پیش آیا نہ جب مانا نہ کہنا
کہیں اب کیا کہ دل دُکھتا ہوا اپنا
یہ صابر ورنہ اک دن عرض کرتا
خلیل اور اُسکو چاہو اب تو دیکھا

پھرا وہ بے وفا ہم سے کہ تم سے

تضمین بر غزل نواب محمد سلیمان خاں صاحب اسد لکھنوی

اُستاد مصنّف

عیاں ہے پیش نظر بھی وہی چھپا بھی ہے
ہے ابتدا بھی وہی اور انتہا بھی ہے
یہ مذہبِ دلِ توحید آشنا بھی ہے
ملا ہوا وہی سب سے وہی جدا بھی ہے

وہی ہے ہادی و مرشد وہی خدا بھی ہے

کسی کے واسطے ہیں لن ترانیاں ہر باں
کسی کے واسطے لا تقنطوا ہوا فرماں
بہم یہاں یہ تردّد کے کیوں نہ ہوں ساماں
کبھی نہیں ہے کبھی ہاں سوال و حل یہ وہاں

یہاں یہ یاس بھی ہے اور آسرا بھی ہے

زبس ہے رشکِ عدو کا غمِ شدید مجھے — کہ شکلِ زیست نظر آتی ہے بعید مجھے
ہے اپنا روزِ شہادت ہی روزِ عید مجھے — کریں وہ خاطرِ دشمن ہی سے شہید مجھے

کہ مدعی کی غرض میرا مدعا بھی ہے

جو نارسا کہوں اُسکو تو کب ہوا باور — کہ طول میں ہے حدِ پاشنہ سے بھی بڑھکر
رسا جو اس کو کہوں میں تو کس طرح کیونکر — یہ بڑھ کے تا قدم آئی ملا نہ موئے کمر

تمھاری زلف رسا ہو کے نارسا بھی ہے

مرا دماغ وہ پہلے تھی آکے مہکاتی — ہوئی ہے وہ بھی عدو اب ز راہ بدذاتی
کبھی جو کوچۂ گیسو سے پھر کے ہے آتی — شمیمِ کاکلِ عنبر فشاں نہیں لاتی

پھری ہوئی مری جانب سے کچھ ہوا بھی ہے

کسی سے جب نہ تعلق نہ اپنی حاجت ہو — رجا و یاس سے پھر کیوں بنائے زحمت ہو
غنائے فقر بجائے ہزار نعمت ہو — گدا کے دل میں جو پابندئ قناعت ہو

تو بڑھ کے مسندِ شاہی سے بوریا بھی ہے

یہ کیا خبر تھی کہ دنیا میں ایسے غم ہونگے — فراقِ یار میں لب خشک و چشم نم ہونگے
دمِ وصال ہی صدمے یہ اب تو کم ہونگے — عدم سے ہست ہوئے ہست سے عدم ہونگے

جو ابتدا تھی وہی اپنی انتہا بھی ہے

قریب تر ہوں میں بیم و رجا کی منزل کے — خدا کے فضل سے آساں ہیں کام مشکل کے
بڑھے ہوئے ہیں یہاں حوصلے مرے دل کے — نظارے ہیں خمِ ابرو و چشمِ قاتل کے

مجھے زیارتِ کعبہ بھی کربلا بھی ہے

حریمِ یار تک اک آن میں رسائی ہو — کبھی نہ عاشق و معشوق کی جدائی ہو

جو تو نے منزلِ عرفاں کی راہ پائی ہو | اسی میں سیرِ دو عالم ہے گر صفائی ہو
یہ دل کا آئینہ جامِ جہاں نما بھی ہے

کیا تھا وعدہ اُنھوں نے جو اے دلِ مضطر | عدو کے آگے نہ لاتا تھا وہ کبھی لب پر
یہی سبب ہے جو چُپ بیٹھے ہیں جھکائے سر | سوالِ وصل پہ وہ ہاں نہیں کریں کیونکر
مرا بھی دھیان ہے کچھ پاس غیر کا بھی ہے

قمار خانہ میں بت دیر میں وہی مورت | سبو ہی میکدہ کعبہ میں سنگِ باعظمت
زیادہ شرح کی صابر نہیں بیان حاجت | ہر اک سے اُس کے موافق ہی یار کی ملّت
وہ رند بھی ہے اسد اور پارسا بھی ہے

تضمینِ بر غزل خواجہ حافظ شیرازی بزمانہ تعیناتی ہرنج حسبِ حال

حالتِ خلق بمصداق خبر می بینم | دم بدم رسم و رہ دہر بتر می بینم
نہ بکام ز انصاف اثر می بینم | ایں چہ شوریست کہ در دورِ قمر می بینم
ہمہ آفاق پُر از فتنہ و شر می بینم

جس مربی کا مرے مجھ پہ کرم تھا بیحد | دلفگاری کی مری اُسکو ہی اب بیحد کد
آگئے قربِ قیامت ہی کے دن ہیں شاید | ہیچ رحمے نہ برادر بہ برادر دارد
ہیچ شفقت نہ پدر را بہ پسر می بینم

والدین اپنے جو شفقت سے ہوں باہم یکسر | کیونکر الزام پھر آئے پسر و دختر پر
یہی باعث ہے جو با دردِ دل و دیدۂ تر | دختراں را ہمہ جنگ ست و جدل با مادر
پسراں را ہمہ بدخواہ پدر می بینم

چون ز سنگِ ستمش شیشۂ قلبم بشکست
اس قلمرو کا تو یہ حال ہوا دل سرِ دست

یکقلم کارگزاروں کے ہوئے حوصلے پست
ابلہاں را ہمہ شربت ز گلاب و قند است

قوتِ دانا ہمہ از خونِ جگر مے بینم

خیر جو کچھ بھی لگی ہے ترے ساتھ اُنکو ٹھر
جب وہ آجائیں تو صابر یہ کہو اُن سے سحر

چپ رہو تا کہ نہ ہو خلق خدا اُنکو سن
پند حافظ بشنو خواجہ برو نیکی کن

کہ من این پند بہ از دُرّ و گہر مے بینم

تضمین بر غزل خواجہ حافظ شیرازی

ظاہر ما در خیالش بالیقین دلخواہ نیست
در طریقِ عشق چوں فرقِ گدا و شاہ نیست

زین سبب در خاطرش از جانبِ ما راہ نیست
زاہد ظاہر پرست از حالِ ما آگاہ نیست

در حقِ ما ہر چہ گوید جائے ہیچ اکراہ نیست

جاں نثاری بہر یک جرعہ بقائے جاں بود
طاعتِ او طاعت حق در حقِ مستاں بود

کفر ساقی از برائے مے کشاں ایماں بود
بر درِ مے خانہ رفتن کار یکرنگاں بود

خود فروشاں را بکوے مے فروشاں راہ نیست

گرچہ بر شمع رخش جانم چو پروانہ فدا است
لاجرم زاں شوخ بے پروا ہمی گفتن رواست

او مگر پروا نمی دارد با غیار آشنا است
ہر چہ ہست از قامت ناساز و بے اندام ما ست

ورنہ تشریف تو بر بالائے کس کوتاہ نیست

پیشِ خورشیدِ درخشاں گم شود یکبار نقش
چوں مشعبد می نماید نو بنو ہر بار نقش

وقتِ شب می نماید تا نی رو کش گلزار نقش
چیست این سقفِ بلندِ سادہ بسیار نقش

زیں معما ہیچ دانا در جہاں آگاہ نیست

در بقائے ذاتِ حق بعد فنا چوں سیر اوست — کے یقیں باشد کہ چیزے از وجودش غیر اوست
چوں شکستہ شد بتِ پندار کعبہ دیر اوست — در طریقت ہر چہ پیشِ سالک آید خیر اوست

در صراط المستقیم اے دل کسے گمراہ نیست

گرچہ قلزم پیشِ دریائے گناہِ من نم است — بر من خاطی نگاہِ لطف و احساں قائم است
گردنِ من پیشِ او از بارِ احسانش خم است — بندۂ پیرِ خرابا تم کہ لطفش دائم است

ورنہ لطفِ شیخ و زاہد گاہ ہست و گاہ نیست

بہر ہر یک دعوتِ عام است اندر بزم او — مقبلا بہرِ حضورِ یش زسر پا کردہ دو
بہر خود بد باشد و ہم از برائے خود نکو — ہر کہ خواہد گو بیا و ہر کہ خواہد گو برو

گیر و دار و حاجب و درباں دریں درگاہ نیست

در نگاہش ہند جاہ و سیم و زر بے حرمتیست — بر سرِ خاک درِ میخانہ اش تختِ شہی است
صابر از انعامِ ساقی بادہ کش آزاد زیست — حافظ از بر صدر ننشیند ز عالی ہمتیست

عاشقِ دُردے کش اندر بندِ سیم و جاہ نیست

تخمیس غزل خواجہ حافظؒ

بہر خرد و ہوشم مسدود ہے بابِ اولیٰ — علمے کہ شود حاجب ز ال علم حجاب اولیٰ
نے جبۂ تقوے ہے نے درس کتاب اولیٰ — ایں خرقہ کہ من دارم در رہن شراب اولیٰ

ویں دفتر بے معنے غرق مے ناب اولیٰ

ای جانِ جہاں مستی تو گرچہ ستمگارے — سفاکِ جفا کارے بے مہر و دل آزارے

با ایں ہمہ خوشنودم ہر مردے و ہر کارے | از ہیچ تو دلدارے دل بر نکنم آرے

گر تاب کشم بارے زاں زلف بتاب اولے

کے دردِ جدائی را خو بست ازیں درماں | در غلبۂ عشق آں بہ کز خود گذرد انساں
از بہر چنیں کارے حاصل کنم ایں ساماں | تا بے سر و پا باشد از ضلع فلک زنساں

در سر ہوسِ ساقی در دستِ شراب اولے

صد شکر کہ با آخر من روئے بره کردم | بر میکده تقوٰے را ہر چند ہمہ کردم
تاہم خجل از ساقی ہستم کہ گنہ کردم | چوں عمر تبہ کردم چندانکہ نگہ کردم

در کنجِ خراباتی افتادہ خراب اولے

واعظ ز کجا آرم ایں مصلحت اندیشی | مقبول دل شیدا عشق آمد و بیخویشی
تو نیز نہ از بہر من مصلحت اندیشی | چوں مصلحت اندیشی دور است ز درویشی

ہم سینہ پر آتش بہ ہم دیدہ پر آب اولے

از پائے فنا سوئے بے نام و نشانے رو | شوریدگی چوں صابرؔ زیباست بعمر تو
مستی و خمارِ عشق از ہر دو مبرّا شو | چوں پیر شدی حافظؔ از میکدہ بیروں رو

رندی و ہوسناکی در عہدِ شباب اولے

مسدّس

وہ ساغر چلے ساقیا دمبدم | دکھائے جو کیفیت جامِ جم
مجھے عیش ہو اور عدو کو الم | پڑھے وہ یہ مطلع بصد دردِ غم

چہ تدبیر سازم چہ درماں کنم
کہ از غم بغم سود جاں و تنم

گھٹا ہے یہ سوزِ جگر کا دھواں — کہ تاریک آنکھوں میں ہے سب جہاں
نہیں سوجھتا کچھ میں جاؤں کہاں — دکھا راہ اے خضرِ درماندگاں

چہ تدبیر سازم چہ درماں کنم
کہ از غم بفرسود جان و تنم

کہوں کس سے یہ حال اے ہمنشیں — عجب کشمکش میں ہے جانِ حزیں
کوئی وصلِ دلبر کی صورت نہیں — کہ میں ہوں کہیں اور وہ ہے کہیں

چہ تدبیر سازم چہ درماں کنم
کہ از غم بفرسود جان و تنم

نہ کیوں زیست ہو جائے مجھ پر وبال — کہ دیتا ہے تکلیف وہ مہ جمال
شب و روز رہتا ہے دل کو ملال — کروں کیا میں اے قادرِ ذوالجلال

چہ تدبیر سازم چہ درماں کنم
کہ از غم بفرسود جان و تنم

یہ بدلا ہے چرخِ مشعبد نے رنگ — کہ ہوں زندگی سے میں اپنی تنگ
نہیں اب ذرا پاسِ ناموس و ننگ — اسی فکر میں عقل رہتی ہے دنگ

چہ تدبیر سازم چہ درماں کنم
کہ از غم بفرسود جان و تنم

نہ کیوں دل ہو سینے میں غم سے فگار — گریباں نہ ہو کس طرح تار تار
پھروں کیوں نہ مجنوں سا لیل و نہار — نہیں مجھ کو ملتا وہ لیلیٰ عذار

چہ تدبیر سازم چہ درماں کنم

کہ از غم بفرسود جان و تنم

یہی ہے شب و روز تجھ سے دعا
عطا صبہ صابر کو کر اے خدا

کروں عرض کس سے ہیں تیرے سوا
نہ مونس رہا اور ہمدم رہا

چہ تدبیر سازم چہ درماں کنم
کہ از غم بفرسود جان و تنم

قطعہ باشتباہ سخن سازی تا نقل کہ سفارش ملازمت پسر مصنف سنکر حضور پرنور نے مجھسے یہ فرمایا کہ بسال آئندہ پرورش کی جاویگی

نقلِ جوابِ عرض کو صابر کسی طرح
نسبت نہیں ہے میرے کفیلِ جلیل سے

یعنی علاج کرنے کا بعد ایک سال کے
وعدہ کیا مسیح نے دق کے علیل سے

قطعہ تمنائے باز بحالی بدربار ٹونک

اپنے سرکار سے صلہ پاکر
آج صابر نہال ہو جائے

چمکیں رخسار شادمانی سے
یعنی چہرہ بحال ہو جائے

خمسہ بحضور انور دام اقبالہ

آپ شاہی کی شان رکھتے ہیں
انس اہل جہان رکھتے ہیں

مہربانی کا دھیان رکھتے ہیں
ہم بھی منہ میں زبان رکھتے ہیں

کاش پوچھو کہ مدعا کیا ہے

قطعہ حالی مستتر

تا یکے ضبط صدمۂ جاں کاہ — دردِ دل را کشیم تصویرے
در جہاں نیست غمگسار کسے — یافتہ رسمِ دہر تغیرے
نہ برادر نہ دختر و نہ پسر — دوستی زوجہ نہ ہمشیرے
متفق گشتہ مجمعِ تنِ چند — حرف رانند بہرِ تدبیرے
ہمہ را دعویِ محبتِ من — ہر یکے خفیہ اہلِ تزویرے
زاں میانہ زنیست غدارہ — مفسدانِ زمانہ را پیرے
آیۂ اِنَّ کَیدَکُنَّ عَظِیمٌ — متنے ہست و اوست تفسیرے
پیش آں فتنہ دوست دشمنِ امن — زالِ دنیاست خورد ہمشیرے
نہ قرارش بقولِ خود گاہے — نہ ثباتش برائے تدبیرے
غرض از حق و نے ز مرسلِ حق — خود سرے کجروے ویلے پیرے
میکند آنچہ در دلش آید — خرم را پیش او نہ توقیرے
کوتہ اندیشی است مسلکِ او — شغلِ قلبی است مکر و تزویرے
زانکہ دلہا شوند بے آرام — لعنتِ خلق و حق بتدبیرے
کعبۂ دل کہ ہست بیت اللہ — منہدم ساختند تعمیرے
جگرم را نمودہ اند ہمہ — زخمیِ تیغ و نیزہ و تیرے
التیامِ جراحتش دشوار — بر دلِ من زدند شمشیرے
آنچہ ناکردنیست آں کردند — لیکِ من بیدرنگ تاخیرے
زودی از دست مے رہاند کار — پس نگردد چو بہ جہد تیرے

کارِ شیطاں بعجلت و زود یست | کار پاکاں بغور و تاخیرے

وائے بر دوستانِ دشمنِ دوست | حیف بر بے کسیٔ دلگیرے

اکنوں ای وائے وقت رفت ز دست | نتواں کرد ہیچ تدبیرے

صید مردار کے حلال شود | گر گلویش بری بتکبیرے

بے خرد کرده با محب کہ نکرد | با عدو اہلِ عقل و تدبیرے

طرفہ تر اینکہ باز می نازند | بر چنیں ہرزه رای و تدبیرے

دعویِ دوستیٔ من بر جاست | انفعالے نہ عذرِ تقصیرے

سہ زناں چوں مضل مرد شدند | پیش شد منطقے نہ تقریرے

اَلنِّسَاءُ حِبَالَةُ الشَّیْطَانِ | شده در پائے عقل زنجیرے

شمع برکاتِ علم و فضل و خرد | با وجودِ ضیا و تنویرے

کشتہ شد ہمچنانِ آشنا گشت | وه چہ در صحبتست تاثیرے

چونکہ رائے حکیم کرده خطا | شنفت از من برو نہ تعذیرے

خوب فرمود حسب حال این شعر | پیش شیراز نیک تقریرے

گہ بود کز طبیب روشن رائے | بر نیاید درست تدبیرے

بہر تسکیں ہمیکند اکنوں | ہر یکے زاں گروه تقریرے

تا بکے جاں گدازی اے ضیا | ہمچنیں رفتہ بود تقدیرے

قطعہ در تعریف جلسہ ٹی پارٹی بہنگام قدوم مہاراجہ صاحب بیکانیر ورئیس پالن پور بشرکت حضور پر نور رئیس رامپور دام اقبالہم

طُرفہ منظر ہے مرے پیشِ نظر ای صابر
لعل والماس وگہر جلوہ گر اک دُرج میں ہیں

خلق کو دیکھ رہے ہیں بنگاہِ تثلیث
زہرہ و مشتری و ماہ اب اک بُرج میں ہیں

قطعہ ترغیب عطائے مکان بحضور رئیس رامپور دام اقبالہ

چہ غم چو نیست بملکم مکانِ مسکونہ
بزیرِ دامنِ شاہِ زمن قیامِ من ست

ہزار شکر کہ از لطف حامدی صابر
میانِ کون و مکان لامکان مقامِ من ست

رباعیات

فریاد یہ اپنے شاہ جمجاہ سے ہے
عاجز یہ نحیف دوری راہ سے ہے

بنتی نہیں اصراف سواری کی کفیل
باقی یہ شکایت مجھے تنخواہ سے ہے

رباعی

میرا آقا میرا ولی نعمت
زندہ رہے باراحت وعیش وثروت

الیاسؑ وخضرؑ کی عمر کی کل میزان
تعداد میں پائے عمر اعلےٰ حضرت

رباعی

یارب ہے ترا مقام عرشِ اعلےٰ
دنیا میں ترا سایہ ہے میرا آقا

رکھ اس کی بقا کہ جزو لاینفک ہے
یعنی باقی ہے تو یہ سایا تیرا

رباعی

رکھے مرے آقا کو خدا خرّم و شاد
اُس قامتِ موزوں کے الف پر صاد
یوں عمر ہر اک سالگرہ پر ہو زیاد
ہر اک صفر گرہ بڑھائے اعداد

رباعی فارسی

مانند بجہان خسرو ما خرّم و شاد
یعنی الفِ ہندسہ قامت شاہ
ہر سال سنینِ عمرش افزوں تر باد
از ہر صفرِ گرہ فزاید اعداد

رباعی

گو صبر و سوال اوّل و دویم درجہ
نواب کو لیکن زرہ فیّاضی
اللہ کو یہ دونوں خصائل ہیں پسند
صابر سے کچھ زیادہ سائل ہیں پسند

بعرض مقصد اضافہ تنخواہ باظہار نقص موجودگی تعلق از اعداد اربع

کیوں چار سے پانچ کو ہے نسبتِ ضرب
جب صدقہ پنجتن ہیں اسّی کے عوض
کیوں چار کی پھر ضرب سے منسوب ہوں بیس
صابر کو شہا عطا ہوں پنچ پچیّس

رباعی بزم

ہر چند کہ ہیں وصف سبھی حامد میں
محبوب خدا بزم نہ کیوں ہوں نوّاب
سب سے ہے سوا خلقِ نبی حامد میں
جو حرف ہیں احمد میں وہی حامد میں

رباعی صابر بجواب رباعی بزم

مدّاح میں بھی وہی تو حرف آتے ہیں | احمد حامد میں جو لکھے جاتے ہیں
بن کر مدّاح حامد اے صابر دیکھ | بزم اپنی بھی مدحت وہی فرماتے ہیں

رباعی

گو شاہ کی حاصل ہے حضوری اب تک | تکمیل مراد سے ہے دوری اب تک
گردش سے جو تھک کے استراحت میں ہے بخت | نیند اس کی نہیں ہوئی ہے پوری اب تک

رباعی

دکھ جاتا ہے ہاتھ جب اُچھلتا ہے غریق | ہے اُس کا ہی اشارۂ فریاد و فغاں
صابر کہ وہ رعشہ کے قلزم میں ہے غرق | ہے دستِ سلام اُسکے مقصد کا بیاں

رباعی

داتا کے مرے یہ تین گُن ہیں | دے یا کہ نہ دے وہ دیکھ لے لے
لیکن مایوس میں نہیں ہوں | لیکر وہ زیادہ اس سے دے دے

قطعہ باظہار امر واقعی ناقدردانی نواب رضا علی خاں رئیس حال رامپور بعد موقوفی بخطاب مصاحبان

نام صابر کا کہ ہے جس میں علی بھی شامل | حیف سرکار کے دفتر سے کیا جائے وہ دور
جائے انصاف ہے کس طرح مجھے آئے نہ رشک | عرضی وہ داخلِ دفتر ہو جو ہونا منظور

قطعہ تاریخ تکمیل تعمیر شہنشاہ منزل بنا فرمودہ رئیس رامپور دام اقبالہ

نہ دیکھی کہیں ایسی ذیجاہ منزل | عجب چیز ہے یہ شہنشاہ منزل

رہیں سایۂ عاطفت میں خدا کے — شہنشاہ و اہلِ شہنشاہ منزل
سلامت رہے وہ بنا کی ہے جس نے — یہ ذیجاہ منزل یہ دلخواہ منزل
یہ برجِ شرف ہے کریں اس میں یارب — ہمیشہ یہ خورشید اور ماہ منزل
اور اس قربِ سعدین کا یہ اثر ہو — کہ دلخواہ پائیں ہوا خواہ منزل
جو کی فکر نے بہرِ تاریخ صابر — سوئے کوشک قلب آگاہ منزل

ندا آئی لکھکر قلم کو جدا کر
شہنشاہ با نو شہنشاہ منزل
۱۹ ۶ ۱۹

تاریخ ثانی تعمیر شہنشاہ منزل

چون بہ بستانِ خاص کرد بنا — قصرِ عالی فلک رکاب رئیس
بشہنشاہ منزلش نامید — سر بافلاک و پُر فضا و نفیس
اوجش از چرخ چارمیں چو گذشت — بہ پسندید ابن مریم عیس

بہرِ تاریخ گفت از صابر
نوزدہ نوزدہ دو بار نویس
۱۹ ۶ ۱۹

تاریخ ثالث شہنشاہ منزل

چشم بد دور چہ زیبا قصر کہ — قصر فردوس ازاں گشتہ خجل

بہرِ تاریخ نوشتم صابر
منبع عیش و شہنشاہ منزل
۱۹ ۶ ۱۹

تاریخ تعمیر امام باڑہ میرزا وارث علی صاحب متولی مقبرہ جناب عالیہ

مرزا وارث علی نیک سیر — کر چکے جبکہ بنا اس گھر کو
دی یہ صابر کو ندا ہاتف نے — خانۂ ماتم حسین کہو
۱۳۴۶ھ

تاریخ فتحیابی مقدمہ بحق آقائی نامدار رئیس رامپور دام اقبالہم

سنا مژدۂ فتح نواب جب — بشارت یہ صابر ہوئی ہے عجیب
ہے ارشادِ حق از سرِ انس و مہر — کہ نصر من اللہ فتح قریب
۱۳۴۸ھ

دیگر تاریخ عیسوی

مجھکو صابر فکر سال فتح تھی — اللہ اللہ عزت و جاہِ حضور
از سرِ حرمت یہ فرمائیں مسیح — جاورے پر غالب آیا رامپور
۱۹۳۰ع

تاریخ وفات جنابہ بیگم صاحبہ جاورہ زوجۂ اولین رئیس رامپور دام اقبالہ

بے مرضیٔ مالک گئیں کیوں جاورے بیگم — افسوس وہاں جا کے عبث جان گنوائی
اس موت کی صابر ہے یہ تاریخ مسیحی — ہاں زہر ہے خاتون کو شوہر کی جدائی
۱۹۲۵ع

قطعہ تاریخ جشن و ساوتی ترتیب فرمودہ عالی جاہ فرزند دلپذیر دولت انگلشیہ مخلص الدولہ ناصر الملک نواب رضا علیخاں صاحب بہادر

مستعد جنگ والیٔ ریاست پار امبو دام اقبالہ

مینا بازار اور میلہ و جشن ۔۔۔ پاگئے ساونی کے ساتھ ظہور

جب ہو مصروف ہمت شاہی ۔۔۔ دیر پھر کام میں ہو کیا مقدور

چاروں جلسے ہیں کیسے بارونق ۔۔۔ اے خدا ان سے چشم بد رہے دور

ان کی رونق کا کیا لکھوں عالم ۔۔۔ کہ برستا ہے آسماں سے نور

رشک جنت بنا ہے خسرو باغ ۔۔۔ کیوں نہ زائر بنیں ملائک و حور

جشن کی یہ خوشی ہے عالمگیر ۔۔۔ گل کھلے جاتے ہیں بفرط سرور

کیف مے اس نے پایا شاخ میں ہے ۔۔۔ تاک میں ان دنوں کے تھا انگور

مجھسا غمگین بھی تو شاد ہے آج ۔۔۔ ایسا دنیا سے غم ہوا کافور

شہ کے قدموں سے جب سے دور ہوا ۔۔۔ پڑ گیا غم کا دل میں اک ناسور

ہے یہی اس کے اندمال کا وقت ۔۔۔ گر بحالی ہو شاہ کو منظور

مری آقا کے حق میں ہے یہ دعا ۔۔۔ شادمانی قرین و غم رہے دور

حسب مرضی رہے فلک کا دور ۔۔۔ تندرستی ہو ہمرکاب حضور

قطعہ تاریخ جشن ای صابر ۔۔۔ نذر کرنا ہے پیش شہ جو ضرور

لکھ علی کے قدم کی برکت سے ۔۔۔ رونق جشن و ساونی ہے حضور

قطعہ تاریخ ولادت صاحبزادہ محمد اسمٰعیل خاں صاحب بہادر سلمہ اللہ تعالیٰ

بشہریار سپہر کرم خلیل نوال ۔۔۔ خلف نمود عطا چوں خدائے عز وجل

بصابر از سرِ فرحت بگفت ہاتفِ غیب	طلوع مہرِ منور شدہ ز برجِ حمل ۱۳۳۵ھ

تاریخ ثانی ولادت صاحبزادہ محمد اسمٰعیل خاں فرزندِ رئیسِ ٹونک دام اقبالہ

حق نے پھر بخشا میرے آقا کو	بعد ذو قرنین پور فرخ فال
وقت کا اپنے ہو یہ ذوالقرنین	بخش یارب اسے عروجِ کمال
خوش نصیبی میں بہتر از مادر	اور پدر کی طرح ہو خوش اقبال
نام رکھا گیا ہے اسمٰعیل	بلحاظِ خلیل نیک خصال
باپ حق کے خلیل کا ہمنام	ہاجرہ بی بی کی ہے ماں ہم حال
ہے ہر اک شخص پر وہ بشّاشی	ہاتھ مفلس کے آگئے جیسے مال
دیکھو میلادِ پاک کی برکت	باقی دنیا میں یہ رہیگی مثال
یعنی آقا کو میرے از سرِ صدق	بزمِ میلاد سے ہے شوق کمال
خالی اس بزم سے وہ رکھتے نہیں	کوئی کوشک کوئی محل کوئی ہال
ختمِ میلاد ہی کے وقت انھیں	حق نے مولود بخشا حور جمال
لکھوں سالِ ولادت اخترِ سعد ۱۳۳۵ھ	میرے طالع سے تا ہو دور وبال
اور دیتا ہوں یہ دعا صابر	دوست شاداں عدو رہیں پامال

تاریخ ثالث ولادت صاحبزادہ محمد اسمٰعیل خاں صاحب موصوف

جو از یمنِ میلاد مولود یافت	خدیو ہمایوں خلیلِ سخن
بصابر نوید از مسیحا رسید	رہے تازہ بارِ درختِ کہن ۱۹۱۷ء

تاریخ ولادت صاحبزادہ عبدالشکور خاں برادرزادۂ رئیس ٹونک دام اقبالہ وہمشیرزادۂ مصنف سلمہ

اخوی مخدوم ومکرم چو یافت	از کرم حق پسرے چوں قمر
شد چمنستانِ اَمل پُر بہار	نخلِ رجا بار دروپُر ثمر
پور نکوروے کہ پیدا شد است	یادز عمرِ خضری بہرہ ور
خواست چو صابر پے تاریخ او	کز صدف طبع برآرد گہر

گفت مسیحا ز چہارم فلک

سال ولادت خلف خوش سیر

۱۳۰۶

قطعہ تاریخ غسلِ صحت افتخار الامرا فخر الملک صاحبزادہ محمد عبید اللہ خان صاحب بہادر فیروز جنگ کے سی ایس آئی نائب الریاست ٹونک

ہوا جب مصرعِ تاریخ موزوں	بامدادِ تقاضائے محبت
کیا صابر نے فخر الملک سے عرض	مبارک آپ کو یہ غسل صحت

۱۸۹۵

تاریخ واپسی صاحبزادہ محمد عبید اللہ خاں صاحب بہادر فیروز جنگ کے سی ایس آئی از مہم پشاور کہ بہنگام شورش سرحدی بمدد گورنمنٹ رفتہ بودند بصنعت آنکہ

صوری عیسوی و معنوی ہجری

لوٹا وہ مہتمِ پشاور سے	جس پر سے فدا ہیں جان و تن
صابر لکھ عیسوی ہجری	اٹھارہ سو ستانوے سن

۱۳۱۵ھ

تاریخ ولادت نبیرۂ مفتی سید سراج الدین صاحب میں قصبہ فرخ نگر

یافت چوں مفتی سراج الدین	پور پورش ز رحمتِ واسع
وہ چہ فرخ نگر کہ اندر وے	ایں چنیں ماہ عید شد لامع
چوں باحباب والدِ مولود	ہست جائے سرورِ فی الواقع

گفت صابر دعائیہ تاریخ

بادر خشندہ کوکب طالع

۱۳ھ

قطعہ

حیدرؓ کا عشق صابر ایمان و زندگی ہے	شرح محامد اُن کی خوبیوں نبی ﷺ کی ہے
جس کا نبی ہے مولیٰ اُس کا علی ہی مولیٰ	قربان میں ہوں اُس پر جو جا مدِ علی ہے

خمسہ در تمہید نذر گاؤ میش پنج تھنی

یہ بھینس ہے پانچ تھن کی نذرِ خاقاں	شیر اس کا نیاز پنجتنؓ کے شایاں
صابر شرف قبول ہے اس سے عیاں	ہر اک اسے دیکھ کر یہ کرتا ہے گماں

عین ظلمات میں ہے آبِ حیواں

تضمین در مدح ولیعہد بہادر رامپور

ولیعہد سلطانِ گردوں سریر	وہ جس کا ہے خلق و کرم بے نظیر
زہے خوش نصیبی کہ ہو دستگیر	جوان و جوان بخت روشن ضمیر

بدولت جوان و بتدبیر پیر

قطعہ

واسطے آنکے جو ہیں پیروِ اخلاقِ نبی	نام کا جزو بنا اسمِ جلیل احمد
آگئی تحریر نصیبی فیض و کرم سے آنکے	کیوں نہ ہوں والہ اخلاق جمیلِ احمد

تاریخ اسم گرامی حضور پرنور رئیس رامپور دام اقبالہ

مداح حق تعالیٰ جیسے نبی کا ہے	اس پیارے محمد حامد علی کا ہے

قطعہ تاریخ وفات زوجۂ اولین مصنف بمرض دق

مرض دق میں مری حضرت عصمت زوجہ	از جفائے فلکِ ظلم شعار آخر شد
ہفتم ماہ وفات ہوئی پیر کے دن	حیف در چشم زدن صحبتِ یار آخر شد
آس کو کھو کے مسیحا سے کہا صابر نے	روئے گل سیر ندیدیم و بہار آخر شد

تاریخ وفات سید محمد حسین صاحب بسمل وکیل ریذیڈنسی آبو بجانب ریاست ٹونک

بزمانہ عرس خواجہ غریب نواز بمقام اجمیر شریف

عاشقِ خواجہ معین الدین	آن محمد حسین با ایمان

گوہرِ بحرِ قابلیت و فضل
عرف بسمل لقب لسان الملک

مرد مک بصرِ دیدۂ عرفاں
داشت آں برگزیدۂ دوراں

چوں بآغاز عرسِ خواجہ ہند
بہرِ تاریخِ رحلتش صابر

آمد و نذر کرد ھدیۂ جاں
صورتِ آئینہ چو شد حیراں

از سرِ مغفرت بسیج بگفت
بسمل تیغِ ابرو جاناں

تاریخ وفات ممتاز الامراء معظم الملک صاحبزادہ محمد صدیق خاں صاحب بہادر دلیر جنگ ولد رئیس ٹونک از مصنف

غم صدیق خانِ خاں صاحب
صابر از وے محبت و شفقت

در دلِ یار و غیر یار بماند
بر دلم نقشِ یادگار بماند

بجہاں بود مثل گل ذاتش
درفراقش تنم ز خار بماند

سنِ فوتش بگو بغیر شکے
گل بتاراج رفت و خار بماند

تاریخ تعمیر مکان محمد منظور حسن صاحب پسر خانساماں حضور پر نور

کرد تعمیر چو منظور حسن
دلکشا سر بفلک کاخ نفیس

ہاتف غیب بگفت از صابرا
کو شکِ رشکِ فردوس نویس

تاریخ وفات مقصود رضا خاں نبیرہ برادر حمید رضا خانصاحب تحصیلدار دامت مجدہ

ہو کے دق دار فنا میں جب دم
ہم سے مقصود رضا دور ہوئے
دی یہ ہاتف نے ندا صابر کو
لکھ یہ تاریخ کہ مغفور ہوئے
۱۳۴۰ھ

تاریخ تفویض خدمت عہدہ منصفی بلا تنخواہ بجائے عہدہ مجسٹریٹی مقام سرونج ریاست ٹونک

بحکم فیض شیم شہریار والا جاہ
بکار منصفی ام در مجسٹریٹی مفت
بفکر سال جو صابر نشست ہاتف غیب
معاً عدالت منصف مجسٹریٹی گفت
۱۸۸۴

تاریخ مستتر مفارقت دوست

نہ اہل دہر کو آپس میں یک روش پایا
تناقض انکے خیالات میں ضرور رہے
ہیں بعض ایسے جو خواہاں ہیں دل سے صحبت کے
ہمیشہ فکر و قلق درد رنج دور رہے
اور ایسے بھی ہیں کہ خواہش ہے جنکی لا ریب
کہ دل میں غیر نہ گنجائش سرور رہے
۱۹۰۱

تاریخ وفات نور چشم محمد شاہد علی خاں نواسہ مصنف

جیسا شاہد علی تمہارے صابر
ایسے بچوں کو کام زیست کیا
روز ہفتہ بجا تھا شب کا ایک
روز ہشتم ربیع اوّل کا
حالت رنج والدین نہ پوچھ
عمر تھی پانچ سال کی جو مرا
مادہ ہجری اُس کے ہجر کا ہے
از سر حیف داغ شاہد کا
۱۳۴۲ھ

تاریخ وفات دختر نیک اختر حکیم محمد الیاس صاحب محب مصنف

محتار یہ جہاں کے والد ماجد — ہیں میرے محب حکیم الیاس میاں
غم فرقت دائمی کا اُس دختر کے — محدود نہیں بلکہ ہے مبسوط جہاں
تاریخ تھی بارہویں بماہ ذیقعد — دو شنبہ کی شب کو ہوئی راہی بجناں
لکھو ہفت الفاظ کا وہ مصرع ضامن — تاریخیں ہوں چار قسم کی جس سے عیاں
اوّل کا ہو لفظ مادہ فصلی کا — ثانی کے ملا دینے میں ہجری پنہاں
تا لفظ ششم اگر مسلسل پڑھئے — اعداد سے عیسوی ہو تاریخ عیاں
ہے بکرمی بے تعمیہ و تخرجہ یوں — مغفورہ ہو بلکہ قرب ربی ہو بجاں

تاریخ وفات عزیزی محمد سعید الدین خاں خلف وسطی برادر محمد احمد الدین خاں متوطن رامپور گھیر نجو خاں مرحوم غفر اللہ

وہ سعید اللہ جسے پیدا کیا حق نے سعید — جس کی پیشانی ہمیشہ مطلع الانوار تھی
حیف وہ پانے نہ پایا تھا ابھی لطف شباب — کی مرض میں کار سے کے زندگی نے کوتہی
دامن امید پدر کا اس سے خالی رہ گیا — کر گیا آغوش مادر کو یکایک وہ تہی
از سر انس و عنایت بہر تاریخ وفات — حق نے یوں فرمایا صاحب ادخلی فی جنتی

۱۳۰۹ھ

تاریخ وفات لخت جگر سید احمد صاحب بخشی ریاست ٹونک

ہے مرنجاں مرنج جس کی منش — بخشی الملک کہتے ہیں جس کو

دوست دشمن کا دوستوں پہ فدا | نام ہے سید احمد خوش خو
فرد عصمت میں اور عفت میں | ایک تھی اُسکی زوجۂ نیکو
واقعہ انتقال کا اُس کے | نہ سُنا ہو اگر تو مجھ سے سُنو
نوزدہ تھی ربیع ثانی کی | شب یکشنبہ کے بجے تھے نو
دوسرے کی سُنی نہ اپنی کہی | نہ مرض تھا کہ جس کا درماں ہو
بیٹھے بیٹھے ہی دل جو گھبرایا | راہیٔ خُلد ہو گئی وہ تو
اُس نے دنیا سے کرلیا پردہ | اہل عفت بھی ہو تو ایسی ہو
شد رواں آب وخاک و آتش و باد | اپنے اپنے گرہ کی جانب کو
ذرہ شد آشنائے چشمۂ مہر | قطرہ دریا سے جا ملا دیکھو
زوج سے اپنے یوں دم رخصت | کہہ گئی ہے زبان حال سے وہ
ابکے بچھڑے ملینگے حشر کے دن | تم قیامت کا انتظار کرو
فکر تاریخ کی جو صابر نے | غیب سے آئی یہ ندا اُس کو
سنہ ہجری عدد کے قاعدہ سے | سیزدہ لکھ کے بست و پنج لکھو

عیسوی لکھو از سر بہجت
مالکہ کو سدھاری وہ خوشخو
۱۹۰۵ء

تاریخ وفات نور چشمی مکرمی جناب بابو عبد المجید صاحب نائب انجینیر مصنف

بسوئے بابوئے عبد المجید صاحب خلق | ہوا تھا شوق ملاقات میرا ہمرآج
ملا تو خوبیوں میں اُن کو اس طرح پایا | نہیں ہے جن کا عدیل و نظیر و ہمسر آج

جواں سے چہرے پہ دیکھے ملال کے آثار
تو میں نے پوچھا کہ ہیں آپ کیوں مکدر آج

وہ بولے اک مری دختر تھی اس نے پائی وفات
وہ آرہی ہے مجھے یاد بندہ پرور آج

ق

اگر کہو تو بکندید گی سالِ وفات
نصب کروں بسر قبر سنگ مرمر آج

برائے سال جو کی فکر میں نے ای صابر
تو مجھ سے ہاتفِ غیبی ہوا سخنور آج

ہے جزو لایتجزا الحمد کا یہ تاریخ
پدر کے گھر سے ہوئی ہے وداع دختر آج

تاریخ تصنیف نسخہ خوارق مستان تصنیف مولانا محمد اکرم صاحب مرحوم

مولوی محمد اکرم آنکہ
ہست اکرم برِ خواص و عوام

در سخن فائزش ہمیگویند
فائز کام خویش باد مدام

مخلصِ اہل ذوق ہموارہ
مشفقِ اہل درد و شوق مدام

داورِ ذوالجلال پیوستہ
دارد او را بدہر شیریں کام

بر منِ غمزدہ نگاہِ کرم
دارد آں برگزیدۂ ایام

در تصانیف خود زندرتہا
می کند آہوئے مضامین رام

خوش کتابے کہ مثل او نبود
بنوشتہ است اندریں ایام

حال مستان وا ز خوارق شاں
کردہ است اندراں ہمہ ارقام

خاصہ مستاں کہ اولیا ہستند
نے نے مستانِ ہوشیار بکام

در ثنائے چنیں کتاب عجیب
عاجز و قاصر اند کلک و کلام

چوں بتحریر سال اہتمامش
مرخیش یافت صابرِ ناکام

داد ہاتف ندا کہ تاریخش
گو عجب ذکر اولیائے کرام

دیگر

چون ز طبع فائز نیکو سیر — این چنین تصنیف خوب آمد پدید
گوش صابر عیسوی سال از مسیح — ذکر خیر اولیائے حق شنید

قطعہ تاریخ نسخہ گوہر مخزون من تصنیف سید محمد سعید صاحب کلامی

عہد کے اپنے کلیم یعنی کلامی جو ہیں — سیّد والا نژاد ناظم ملک کلام
عاشق نام خدا والہ روے نبی — حق اُنھیں کونین میں رکھے سدا شادکام
نظم کیا شوق سے ذکر جمیل رسول — نسخہ اکسیر ہے گوہر مخزون بنام
نقطہ ہے خال حبیب یا کہ سویدائے دل — دائرہ یا آفتاب یا ہے وحدت کا جام
مصرع موزوں کا کب سنبلہ ہی ہمردیف — بیت نہ بیت الصنم بلکہ ہے بیت الحرام
زیر و زبر کرتے ہیں دل کو وہ زیر و زبر — دیتا ہے شوشہ ہر ایک حور کی مژگاں کا کام
مانگ ہے معشوق کی یا کہ رہ مستقیم — نظم کی جدول ہے یا کاہکشان وقت شام
نظم گزیدہ ہے یہ ملک دل و جاں کا نظم — ہوتے ہیں دل بستہ جو سن کے اسے خاص و عام
فکر جو صابر نے کی از پے تاریخ نظم — تو یہ مخاطب ہوا ہاتف فرخ پیام

از سر داد اس طرح مصرع تاریخ ہی
کنز کلامی کی طبع گوہر مخزون کلام

تاریخ وفات سری گوپال پسر لالہ مادھو رام کرم فرما مصنف ساکن امروہہ

وہ مادھو رام کا اکلوتا بیٹا	کہ کم پیدا ہوا ہے جس کا ثانی
کہ جس کی صورت و سیرت میں صابر	نہیں باقی رہی تھی کوئی خوبی
ہوا فوت ایک دم میں بے علالت	بنا زندہ سے وہ دم بھر میں ارتھی

ہے تاریخ از سر وجدان و رحمت
سری گوپال ہے بیکنٹھ باشی
۱۳۵۴ھ

تاریخ وفات زوجہ صاحبزادہ سید یوسف جمال خان صاحب بہادر

سید یوسف جمال خان بہا لقب	زوجۂ خود را چو کرد دفن بزیر زمین
چوں مہ اکتوبر و چاردہم روز بود	در دل صابر شد بیخ و غمش جاگزین

از سر بالین قبر یافت ندائے سیح
زوجۂ یوسف جمال رفت بخلد بریں
۱۹۳۱ء

تاریخ وفات منشی نیاز علی عرف منشی نیازی دوست مصنف

صفر و چارم و یکشنبہ و سال ہجری	زدعا منشی نیازی کو ملی جنت حور
مادہ عیسوی فصلی کا یوں لکھ صابر	مغفرت از سر رحم از سر پا و ر معقود
	۱۳۵۴ھ ۱۹۲۰ء

دیگر

ہاتف نے مرتے وقت کہا از سر الم	ہے ہے جوان نیاز علی نذر حق ہوا

فرماتے ہیں سیہ کہی صابر سے اس طرح
لکھ رنج و غم سے سینۂ احباب شق ہوا

تاریخ وفات صاحبزادہ رضاء الدین خانصاحب خلف صاحبزادہ محمد عبد الرحیم خانصاحب برادر حضور پرنور رئیس ٹونک دام اقبالہ

در رضائے حق رضاء الدین خاں	خواست چوں زیں دار فانی خیر باد
فکر سالِ رحلتش صابر چو کرد	گفت ہاتف خاتمہ بالخیر باد ۱۲۹۶ء

تاریخ طبع دیوان حبیب اللہ خانصاحب محجوب المتخلص بہ ضبط

در فکر سالِ طبع بحیر یکے ربط و ضبط	صابر شد است دیر کہ افتادہ بخبط
بردار خامہ و بنویس از سر طرب	زیبا بہار گلشن فکر سلیم ضبط

قطعہ تاریخ مثنوی جج صاحب الور المتخلص بہ سرور

چوں طبع سرور از نے کلک	بنواخت چنیں ترانۂ عشق
حمدِ حق و مدحت پیمبر	در سینہ بکاشت دانۂ عشق
مستغرق و محو شد چو صابر	در مستی بے خودانۂ عشق
اندم بشنید از سرِ قرب	مقبول شد ایں فسانۂ عشق ۱۳۰۹

متفرقات

سہرا بتقریب شادی سید حسین صاحب جعفری بی اے خلف سید عابد حسین صاحب جعفری ایم اے ہیڈ ماسٹر گورنمنٹ ہائی اسکول امروہہ محب مصنف

ہے سہانا مرے نوشاہ ترے سر سہرا
سب کو فرخندہ ہو یہ خالق اکبر سہرا

بن گئی ہیں رخ پرضو کی شعاعیں لڑیاں
اے بنی تجھ سے بنا مہر منور سہرا

نظر بد سے حفاظت ہے پدر کو منظور
اس لئے باندھا ہے نوشاہ کے سر پر سہرا

جلوۂ حسن چھپانے سے کوئی چھپتا ہے
ہو نہیں سکتا حجاب رخ انور سہرا

بوئے خوش مشک کی پھولوں میں کہاں سے آئی
ہے یہ نوشاہ کے گیسو سے معطر سہرا

شکر حق کر کے ادا شوق سے باندھ اے نوشاہ
آج ہے خاص ترے واسطے زیور سہرا

قابل دید ہے صابر تری نظروں کا ہجوم
گویا اک اور ہے اس سہرے کے اوپر سہرا

لٹکے ہوئے ہیں تار زری سر سے پاؤں تک
دولہا ہے آج رشک پری سر سے پاؤں تک

شیریں وہ حسن آج ہے سید حسین کا
لیلے بلائیں آ کے تری سر سے پاؤں تک

ہے روشنی حسن کہ سہرا ہے پر ضیا
یا ہے یہ جلوۂ قمری سر سے پاؤں تک

مادر سے کم نہیں ہے پدر آج شادمان
ظاہر ہے شفقت پدری سر سے پاؤں تک

صابر خوشی میں محو ہوں میں آج کس قدر
طاری ہے مجھ پہ بے خبری سر سے پاؤں تک

کہوں کیا کسی سے کہ کیا دیکھتا ہوں
میں اس بت میں شان خدا دیکھتا ہوں

وہی درد الفت کہ جو لا دوا ہے
اسی درد کو میں دوا دیکھتا ہوں

بدلتے نہ دیکھا کبھی دورِ الفت — نہ کچھ ابتدا انتہا دیکھتا ہوں
نظر کے چرانے کا شکوہ نہیں ہے — کہ آنکھوں میں اُن کی حیا دیکھتا ہوں
کیا پیش لکھکر جو حال اپنا میں نے — تو فرمایا ٹھہرو ذرا دیکھتا ہوں
مری جاں جو وابستۂ مدعا ہے — ہر اک شے میں میں مدعا دیکھتا ہوں
رہِ عشق میں جذب الفت کو صابر — دلِ زار کا رہنما دیکھتا ہوں

ہے پنہاں سوزِ دل اب تک بدن میں — عجب کیا ہے جو داغ آئے کفن میں
جو اُس ظالم میں اندازِ ستم ہے — وہ سفّاکی کہاں چرخِ کہن میں
جلایا شمع نے لاکھوں کو شب بھر — پرِ پروانہ شاہد ہیں لگن میں
وہ میرے پاس تھے میں اُن سے تھا دُور — مجھے حاصل رہی غربت وطن میں
گناہوں سے زبس شرمندگی ہے — چھپائے اس لئے ہوں منہ کفن میں
سلامت عشوہ و انداز و غمزہ — اگر شک ہے تو ہونے دو دہن میں
نہ مر کر بھی کٹی بیڑی جنوں کی — کہ اب بھی بندشِ پا ہے کفن میں
نہیں خالی عنایت سے جفا بھی — ہے شانِ راستی ہر بانکپن میں
وہ خلوت میں نہیں ملتے ہیں صابر — نظر ملتی ہے ان سے انجمن میں

افسوس نیاز آج تہ خاک نہاں ہے — لیکن مری آنکھوں میں تو ہر وقت عیاں ہے
ہر اک کے پسند آتی تھی ہر اک تری عادت — اخلاق کا مداح ترا ایک جہاں ہے
عادات اور اخلاق میں وہ جیسا تھا مرحوم — افسوس کہ ایسوں کے لئے عمر کہاں ہے
آیا ملک الموت کو بھی رحم تھا شاید — فرض اپنا ادا کرتے میں کہتا تھا جواں ہے
کیا وہ بھی زمانہ تھا کہ غم اُس سے غلط تھا — افسوس کہ اب سامنے وہ شکل کہاں ہے

تفریح مجھے جس سے کہ تھی شل پسر کے ۔ دل میرا اُسی کے لئے اب مرثیہ خواں ہے
پگھلاتا ہے اب صبر و تحمل مرے دل کو ۔ جینے کا ہی باعث مرا یہ شور و فغاں ہے
باقی نہیں اک قطرۂ خوں اب مرے دل میں ۔ پھر سلسلۂ اشک یہ کس طرح رواں ہے
افسوس کہ خاصیتِ سَم بخشی دوا نے ۔ یا اُلٹی ہی تشخیص اطبائے جہاں ہے
تشخیص بھی اُلٹی اثر ادویہ بر عکس ۔ اُلجھے ہوئے بیمار کی پھر خیر کہاں ہے
تجھے ترے آمادۂ ایذا ہوا ہر ایک ۔ یوں موت تری میرے لئے آفت جاں ہے
اس شخص نے کیوں پائی ہی لیں مرگ مفاجات ۔ کہتا تھا یو لس آپ کا کیا اس میں بیاں ہے
ہر خوبی برتاؤ کی بدلی نکھنا پن ۔ تیرے ورثا سے مرے دل کو خفقاں ہے
کیا تجھ کو ہی ان سب کے عوض بخشی تھی حق نے ۔ عادت وہ پسندیدہ جو مقبول جہاں ہے
ہر چند بلندی تھی مجھے تجھ پہ جہاں میں ۔ اب ہونے سے مرحوم ترا پلہ گراں ہے
حق یہ ہے کہ اللہ کی اک ذات ہی باقی ۔ باقی سبھی شے ہونے کو بے نام و نشاں ہے
واللہ یہ معلوم نہ تھا مجھکو با آفاق ۔ پیرایہ میں ہر فصل بہاری کے خزاں ہے
یہ مرثیہ لکھا ہے بفرمائش آفاق ۔ صابر مجھے فرصت ہی تفکّر سے کہاں ہے

ہماری اُن سے کبھی جبکہ دوستی ہوگی ۔ تو اپنی جان سے دشمن کی دشمنی ہوگی
نہ ہوگا میری طرح کوئی شہرۂ آفاق ۔ کہ تم سے ایسی نہ الفت کسی نے کی ہوگی
بگاڑنا نہ بنا کر کبھی خدا اکے لئے ۔ کہ میری آپ کی دنیا میں اک ہنسی ہوگی

اب گلہ نکلتا ہے لب سے التجا ہو کر ۔ آگے نکلے گی لب سے التجا گلا ہو کر
اضطرار جاں فرسا کب تک اے بتِ ترسا ۔ دل میں بیٹھ مت ترسا نقشِ مدعا ہو کر

تمت

ضمیمہ

از کلام

نواب محمد مختار علی خانصاحب والدِ مصنف

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اب کوئی دم میں مری موت کا ساماں ہوگا
اگر اس دم بھی تم آجاؤ تو احساں ہوگا

صاف تو مجھ سے نہ کہئے کہ ملونگا ہی نہیں
دل مرا اور بھی اس غم سے ہراساں ہوگا

گر کہوں آپ کی دوری کا بہت دل پہ ہے غم
تو عجب ناز سے کہتے ہیں کہ جی ہاں ہوگا

دل کی چاہت بھی جتاتے ہوئے ڈرتا ہوں اُسے
حُسن پر اپنے وہ کچھ اور بھی نازاں ہوگا

اُن کے جاتے ہی ابھی سے ہی یہ کچھ بے چینی
دیکھئے آگے کو کیا کچھ غمِ ہجراں ہوگا

یوں ہی گر مجھ کو ستاؤ گے تو مر جاؤنگا میں
کچھ تو پھر تم کو بھی غمِ مرگ مری جاں ہوگا

یا خدا روز کے وعدے بھی کبھی ہونگے تمام
ایسا بھی ہوگا کہ وہ گھر مرے مہماں ہوگا

کیا سُناتے ہو کہ ہم کو بھی کسی سے ہی کچھ اُنس
ایسی باتوں میں اب آتا کوئی ناداں ہوگا

کیوں دلا پھر تو وہیں پر لئے جاتا ہے مجھے
پھر وہی روک ہاں اور وہی درباں ہوگا

دوستو بس نہ کرو ذکر کچھ اُس کا مجھ سے
صدمۂ ہجر مرے دل پہ دوچنداں ہوگا

جاں پہ اب آ بنی مختار مزا دیکھ لیا
ہم نہ کہتے تھے کہ دل دیکے پشیماں ہوگا

دل لگیا جب اُن کو تب میں نے زلل جانا
تھے وصل کے معنی کیا جاں تن سے نکل جانا
تاریخِ سوم اُس نے کیوں چاند نہیں دیکھا
مقصود دلی اُس کا ہے شمع کی ہمرنگی
پروانہ کے جلنے سے یہ شمع کی حالت ہے
دیکھا نہیں کیا ہم نے سو مرتبہ دیکھا ہے!
کھنچ جائے گی خود دل میں تصویر محبت کی
بیکس کا تڑپنا بھی دیکھا نہ گیا شاید
بیمارِ محبت پر تدبیر نہیں چلتی

اسباب کے آپنے ہے دانش کا خلل جانا
ہم نے ترے آنے کو پیغامِ اجل جانا
شمشیر کشیدہ یا اُس ابرو کا بل جانا
پیارا مجھے لگتا ہے پروانہ کا جل جانا
سوزِ تپِ اُلفت سے جل بجھنا گھل جانا
پھرتے ہی نگاہوں کے دُنیا کا بدل جانا
وہ شمع صفت دیکھے پروانوں کا جل جانا
مُنہ پھیر کے مقتل سے قاتل کا نکل جانا
عاشق کا سنبھالے سے مشکل ہے سنبھل جانا

مختار کو رونے سے کیوں روکتے ہو یارو
اِس اشک کے دریا کا بہتر ہے اُبل جانا

کہیں پھر کے یہاں نہ آجانا
کچھ نہ پوچھو بتاؤں دوستو کیا
کہیں جاناہے جو ابھی سے چلے
پر لگاوٹ کے اور پیار بڑھا
روک ٹوک ہو گی اپنے جانے کی
سہیں کیا کچھ مصیبتیں ہم نے
جانتے یوں تو دل نہ دیتے کبھی
بھولے پن پر نہ جائیو اُس کے

پاس تک اُن کے قاصد جانا
ہائے اُس کا وہ صبح کا جانا
ہم نے صاحب کا مدعا جانا
اُس نے جب کچھ مجھے رُکا جانا
اب دلا وہاں یہ ہو چکا جانا
قہر تھا اُس پہ دل کا آ جانا
ہم نے اب تجھکو بے وفا جانا
تم نے مختار اُس کو کیا جانا

کہا کچھہ اور ہی وہاں حال کچھہ مرا نہ کہا
کہو تو کس لیئے پھر تو نے قاصدا نہ کہا

کیا قصور نہ تم نے تو بے وفائی میں
مگر ہمیں نے کبھی تمکو بے وفا نہ کہا

نہ ہم سے کیجئے عیاری اوپری دل سے
عدو کو آپ نے کس دن برا بھلا نہ کہا

کوئی بھی آپ کا کہنا ظہور میں آیا
ذرا تو سوچو کہ تھا تم نے ہم سے کیا نہ کہا

گئے بھی وہاں ہوئے گو ہمکلام بھی اُن سے
مگر لحاظ سے کچھہ دل کا مدعا نہ کہا

جو تم سے حال کہیں ہم سو غیر سے کہدو
ہمارے آگے کبھی حال غیر کا نہ کہا

نہ جھوٹی جھوٹی مرے آگے اب بنا باتیں
اُنہوں کے سامنے کچھہ تو نے قاصدا نہ کہا

نہ پوچھو حال مرا بس زباں نہ کھلواؤ
تمھارے سامنے ہے ایکسا کہا نہ کہا

نہ ایک بار بھی رحم اُن کو مجھہ پہ آیا حیف
ہزار بار بھی کیا دل کا ماجرا نہ کہا

برا زمانہ ہے اُن سے بھی کوئی کہدیتا
کسی سے حال دل اپنا بھلا ہوا نہ کہا

کیا کیا تمھارا میں نے کیا انتظار شب
تا صبح کس طرح میں رہا بے قرار شب

سچ کہدو تم بھی غیر کو کرتے ہو یوں ہی پیار
تم نے بھی میری طرح کیا ہوگا پیار شب

آنکھیں ملا کے کیا ہی ادا سے کہا کہ بس
کہہ بیٹھا کچھہ جو اُن سے میں بے اختیار شب

برسوں میں آئے ہیں مرے گھر آج کی شب آپ
صدقہ اس ایک شب کی کروں میں ہزار شب

اب صبح ہوتے کہتے ہو کس نے کہا تھا یوں
تم نے نہیں کئے تھے وہ قول و قرار شب

اب مجھہ کو صبح ہوتے مناتے ہو کس لئے
ہے یاد کیسے لڑتے تھے تم بار بار شب

مختار وہ بھی رونے لگے سن کے زار زار
کچھہ کچھہ جو میں نے اپنا کہا حال زار شب

نہ آئے آج بھی یہاں پر اگر آپ
تو پھر کچھہ کھل رہیگا آپ پر آپ

کہو تو کچھ تمھیں منظور کیا ہے — کئی دن سے نہیں آتے نظر آپ
وہ سونا شب کا لے کروٹ کرو یاد — مناتے کیوں ہیں اب وقت سحر آپ
لو آؤ من بھی جاؤ یہ بھی کچھ لطف — اِدھر روٹھا میں بیٹھا ہوں اُدھر آپ
کہو تو کچھ تمھارے دل میں کیا ہے — ستاتے کیوں ہیں ہم کو اسقدر آپ
کبھی تو بخت خفتہ میرے جاگیں — کبھی تو سو رہیں میرے بھی گھر آپ

ہے اُن سے کیا گلہ مختار ہم نے
لیا ہاروگ اپنی جان پر آپ

خبر بھی لی نہ میری رات بھر رات — کچھ ایسے سو گئے تم بے خبر رات
لو اب کہئے خطا تھی میری کچھ بھی — ہر اک رکھتے تھے بہتان میرے سر رات
نہیں معلوم ہوتی وصل میں کچھ — کدھر آتی ہے جاتی ہے کدھر رات
نہ تھا تو پاس تو تھا گھر کا یہ حال — ڈراتے تھے مجھے دیوار و در رات
حیا دیکھو رہے وہ پاس تا صبح — نہ دیکھا ہم نے اُن کو اک نظر رات
تمھیں ضد تھی نہیں تم مانتے ہو — اُدھر جاتا ہے دل میرا اُدھر رات
شب وصل صنم روزی ہوئی ہے — الٰہی آج ہو آٹھوں پہر رات
نہ کچھ مطلب ہی کہنے پائے اُن سے — گئی باتوں ہی باتوں میں گذر رات
ادا سے ہائے وہ کہنا شب وصل — ابھی سونے دے مجھ کو ہے پہر رات
یہ شب بھر بے قراری تھی کہ مت پوچھ — نہ سویا تیرے غم میں تا سحر رات
کہوں تم سے تو تم کو کب یقیں ہو — سہی تکلیف میں نے جس قدر رات
کبھی تو عیش سے میری بھی گذرے — گذارو آج تو میرے ہی گھر رات

تمھارا ساتھ سونا آگیا یاد — نہ آئی نیند مجھکو رات بھر رات

گذاریں دن کو پھر کس شغل میں ہم	یہ مانا کاٹ لیں رو دھو کے گو رات

نہیں مختار رونا رات ہی کا
گذرتی ہی یوں ہی ہم پہ تو ہر رات

ہم سے ہر بات پہ تم کرتے ہو تکرار عبث	گر یوں ہی ہے تو ہمیں آپ کا ہی پیار عبث
جھوٹی الفت کو تری خوب سا ہم جانتے ہیں	ہم سے عیاریاں کرتا ہے تو عیار عبث
ہائے رے ہائے دم مرگ بھی آتے نہیں تم	جان دیتا ہے پڑا آپ کا بیمار عبث
تاک جھانک آپ کی غیروں سے لگی رہتی ہے	میں نہ مانونگا ہے یہ روزن دیوار عبث
حال سن سن کے مرا کہتے ہیں کس ناز کے ساتھ	ہمیں معلوم ہوا کہتے ہو ہر بار عبث
نہیں منظور جو آنا تو بہانا کیا ہے	ہم سے پھر آنے کا تم کرتے ہو اقرار عبث
تم سے مل کر کے مزا ہم نے نہ کچھ بھی پایا	ہو گئے دام مصیبت میں گرفتار عبث
تمھیں فرماؤ بھلا کچھ بھی محبت ہے ہمیں	رشک کرتے ہیں یوں ہی مجھ سے تو اغیار عبث

پاس تک انکے رسائی کبھی ہونے کی نہیں
ہر گھڑی جاتے ہو اس کوچہ میں مختار عبث

وہ بام پر ہیں ہم ہیں کھڑے زیر بام آج	کیا کیا اشارے ہوتے ہیں کیا کیا کلام آج
کچھ تو وہ رحم کھائینگے اک آدھ بات پر	کچھ ہوئے ہم سنائینگے باتیں تمام آج
اس در سے وہ اٹھاتے ہیں اٹھ سکتا میں نہیں	آتی ہے ناتوانی مری کیا ہی کام آج
وہ ہیں عدو ہی جیسے ہیں دروازہ بند ہے	محفل کا ان کی اور ہی ہے انتظام آج
کس کی طرح سے آج نہ پھر مجھکو ٹالئے	اٹھکر نہ جائیگا ترے در سے غلام آج
لے لے کے نام گالیاں دینے کو دل میں ہے	کچھ خیر ہے جو پوچھتے ہو میرا نام آج

آنے کو اُس نے شب کو کہا تو نصیب سے
بیہوش ہو کے پڑ رہے تو کیا ہی لطفِ وصل

ڈھلتا نہیں ہے دن نہیں ہوتی ہے شام آج
بھر بھر کے ساقیا نہ دے ہم کو تو جام آج

مختار آج خیر ہے کیوں اسقدر ہو خوش
لایا ہے کچھ نہ کچھ کوئی وہاں سے پیام آج

وہ ہی پاس سے جب اُٹھ چلا صبح
یہی گر ہیں شب فرقت کے صدمے
جب آنا ہوئے آ کے پوچھنا کیا
بھلے تم شام کے وعدے پر آئے
شب غم کی درازی نے تو مارا
رہو گے رات ہی کی رات تم تو

ہوئی شام مصیبت سے سوا صبح
نہیں قسمت میں میری دیکھنا صبح
ہمیں یکساں ہے کیا شام اور کیا صبح
تمھاری راہ دیکھی ہم نے تا صبح
نہیں ہونے کی یا رب آج کیا صبح
مرا کیا حال غم سے ہو گیا صبح

شبِ وصل اُس کا وہ مختار کہنا
ذرا تو حال اپنا دیکھنا صبح

یہ مانا غیر سے رہتے ہو تم اگر گستاخ
وہ سیدھی بات پہ ہوتے ہیں ٹیڑھے کیونکہ نہی
الٰہی خیر ہو کیا کچھ ظہور میں آئے
ادا کا ناز کا غمزہ کا تیرے کیا کہنا
ادا سے میرے وہ گستاخیوں پہ کہتے ہیں
چلے تو ہو وہاں بلوانے دوستو مجھکو
وصال میں بھی ہیں حسرت طلب ہا مختار

یہ ہو جئے مرے آگے نہ اس قدر گستاخ
مزاج اُن کا وہ کچھ اور ہیں ادھر گستاخ
وہ اپنی ضد پہ ہیں آج اور نامہ بر گستاخ
کوئی بُرائی نہیں تجھ میں ہے مگر گستاخ
نہ ہوگا تیری برابر کوئی بشر گستاخ
سمجھ کے کہنا ذرا ہے وہ فتنہ گر گستاخ
ہوا نہ پاسِ ادب سے میں رات بھر گستاخ

الٰہی کس سے کروں اب میں نوحہ گر فریاد
کسی طرح نہیں سنتا وہ فتنہ گر فریاد

کروں جو ضبطِ فغاں مجھ سے ہو نہیں سکتا
وہ اور اُلٹے خفا ہوئیں کیجے گر فریاد

یہ آج کیا ہے عنایت ہی میرے حال پہ کیوں
بتاتے ہیں مرے صاحب تو بے اثر فریاد

نہ پوچھو حال مرا بس تم آئے خوب ہی رات
تمہارے ہجر میں کی میں نے رات بھر فریاد

تمہارے ظلم سے نالاں رہا سدا میں تو
کبھی سنی نہ مری تم نے عمر بھر فریاد

میں پوچھتے ہوئے اب اپنا حال ڈرتا ہوں
وہاں سے آکے لگا کرنے نامہ بر فریاد

ستم تو عشق میں مختار دیکھو گے آگے
ابھی سے کرنے لگے تم تو اس قدر فریاد

کوئی عامل ہو تو لکھوایئے ایسا تعویذ
کہ اُسے کر رکھیں ہم اپنے گلے کا تعویذ

اُس پری کے لئے لاکھوں ہی جتن ہم نے کئے
نہ ہوا ایک مؤثر کبھی گنڈا تعویذ

آپ نے جو ہمیں لکھا تھا محبت نامہ
دیکھ لو ہم نے اُسے کر کے ہی رکھا تعویذ

کیوں مرے دیکھنے سے اتنا بُرا مانتے ہو
آپ تو باندھ کے آئے ہیں نظر کا تعویذ

ایک دن بھی نہ جلا غیر کا دل ہائے نصیب
ہم نے لکھ لکھ کے سدا آگ میں ڈالا تعویذ

اُن کے دل پر نہ کبھی نقشِ محبت بیٹھا
ہم نے سو مرتبہ تربت میں بھی گاڑا تعویذ

کیا بیاں کیجے مختار جو دیتا ہے بہار
اُس کی چوٹی میں وہ ننھا سا سنہرا تعویذ

ہوتی ہے وحشت مجھے دیوار و در کو دیکھ کر
جی بھر آتا ہے اُس بن خالی گھر کو دیکھ کر

کیا ادا ہے کیا لگاوٹ ہی غضب ہے قہر ہے
مسکرا وہ منہ پھرا لینا ادھر کو دیکھ کر

دل میں کہتا ہوں یہ بیداری ہی یا یہ خواب ہے
اپنے زانو پر شبِ وصل اُس کے سر کو دیکھ کر

اُن کو پھر جاتے بھی تو اچھی طرح دیکھا نہیں
ہوش ہی جاتے رہے میرے سحر کو دیکھکر

پھر دن اب روتا ہوں جس دم یاد آتی ہے یہ بات
اُن کا ہنس پڑنا وہ میری چشمِ تر کو دیکھکر

تھا لکھا معلوم اپنا لایا ہوگا کیا جواب
رو پڑا میں دور ہی سے نامہ بر کو دیکھکر

تم بھی تو دیکھو کبھی یہ کچھ ہوا ہے میرا حال
مجھ پہ رحم آتا ہے اب ہر اک بشر کو دیکھکر

دل میں کہتا ہوں کہ اب کے سب کہوں گا دل کا حال
کچھ کہا جاتا نہیں اُس فتنہ گر کو دیکھکر

ہے فدا مختار تو بس اس ادا پر آپ کے
مسکرا کر مُنہ پھرا لو پھر اِدھر کو دیکھکر

پھر کیا کروں رہوں نہیں ہمدم اگر خموش
گر کچھ کہوں تو کہتا ہے وہ فتنہ گر خموش

کچھ کہہ خدا کے واسطے مجھ سے تو مت چھپا
کیوں کہتے کہتے ہو گیا تو نامہ بر خموش

قسمت سے وصل میں بھی نہیں ہوتا بات کا
وہ تمکنت سے چُپ ہیں ادب سے ادھر خموش

اک بات بھی تو آپ نے پوچھی نہیں کبھی
رہتا ہوں مُنہ لپیٹے میں دو دو پہر خموش

کہتے ہو ہائے ہائے سے رُکتا ہے دم مرا
کیا کیجے گر نہ رہنے دے دردِ جگر خموش

سنتے ہیں کس ادا سے مرا سن کے حالِ دل
بس یہ زیادہ گوئی نہ کر اس قدر خموش

مختار اُس کے سامنے بن آتی کچھ نہیں
رہ جاتا ہوں میں دور ہی سے دیکھکر خموش

گھی کے جلائے غیر نے تو اپنے گھر چراغ
تم تو چڑھا دو کوئی مری قبر پر چراغ

یوں ہی جلا کیا ہوں میں سوزِ فراق سے
جیسے شبِ وصال جلا تا سحر چراغ

دل بھر کے تا نہ دیکھوں یہ شوخی تو دیکھنا
ضد سے مری نہ جلنے دیا رات بھر چراغ

یوں تو شبِ وصال اُٹھے طرح کے لطف
آنے دیا نہ پاس تک اُس نے مگر چراغ

جلتا رہا چراغ سا میں غم میں رات بھر
میری طرح سے جلتا رہا رات بھر چراغ

نور بصر ہے چشم مہ و مہر کا تو تو
اور کاخ دنیوی کے ہیں شمس و قمر چراغ

مختار اُس کا وصل میں کہنا یہ ناز سے
آتی ہے مجھکو شرم بس اب گل بھی کر چراغ

وہاں کا جانا بھلا مجھ سے ہوئیگا موقوف
کر ایسی باتیں مرے آگے ناصحا موقوف

کوئی سہا کرے کب تک ذرا تو ہو منصف
وفا کر اب تو ستمگر یہ کر جفا موقوف

تری دعا یہ ہے تو چاہے گر تو اچھا ہو
مریض کی ترے اب ہو گئی دوا موقوف

نہ تم ملوگے تو ہم سے کوئی ملیگا نہیں
لگانا دل کا مری جان تم یہ کیا موقوف

سنایا حال جو میں نے تو جی میں سوچ کے کچھ
عجب ادا سے کہا بس ہیں سُن چکا موقوف

ہزاروں آفتیں آئینگی ہوئیگا بدنام
یہ ہر گھڑی کا وہاں جانا کر دلا موقوف

اندھیری رات ہی تنہا ہیں شمع بھی گل ہے
بس اب لحاظ کو توڑو کرو حیا موقوف

کبھی کبھی کا وہ آنا بھی یہاں کا چھوڑ دیا
یہ ہم سے آپنے ملنا ہی اب کیا موقوف

ہر ایک پوچھے ہے مختار وہاں نہیں جاتے
یہ کیا کہوں ہیں کہ جانا ہی ہو گیا موقوف

کہوں میں کس سے سُنے کون ماجرائے فراق
مری طرح نہ کوئی ہوئے مبتلائے فراق

جو ایسا جانتا تو اُن سے روٹھتا نہ کبھی
الٰہی ایسی نہ سمجھا تھا میں بلائے فراق

نہ پاس آؤ نہ ہم کو بلاؤ کیا ہوگا
گذرتا جان سے ہی ہوگا انتہائے فراق

الٰہی وصل کے اغیار وہاں مزے لوٹیں
یہاں سہا کروں کب تک میں صدمہائے فراق

جو یوں سمجھتے تھے تو دل ہی کیوں لگاتے تھے
وہ سُن کے ناز سے کہتے ہیں شکوہائے فراق

برہمن یہ شب و روز ہے دعا میری | الٰہی وصلِ صنم دے مجھے بجائے فراق

غمِ فراق سے مختار تنگ آیا ہوں
قبول موت کا آنا ہے مجھے بجائے فراق

شام سے ہوں میں نوحہ گر اب تک | آج ہوتی نہیں سحر اب تک
اُس کی آن و ادا کا کیا کہنا | ایسا دیکھا نہیں بشر اب تک
دردِ فرقت کا کچھ نہ پوچھو حال | دُکھ رہا ہے مرا جگر اب تک
دل میں کیا کیا خیال آتے ہیں | نہ پھرا وہاں سے نامہ بر اب تک
آج تم مرا حال پوچھتے ہو | نہیں کچھ آپ کو خبر اب تک
جا کے تم بھول بھی گئے ہمکو | ویسے ہی ہم ہیں نوحہ گر اب تک
پاس تک میرے وہ نہیں آتے | دُور رہتے ہیں کس قدر اب تک

اُن سے مختار ہو چکا ملنا
نہیں اُس بزم میں گذر اب تک

نہیں پھرتا ہے تم سے تو مرا دل | تمھارا مجھ سے کیسے پھر گیا دل
رکھا ہے تھام تھام اب تک تو دل کو | نہ آئے آج بھی تم تو گیا دل
وہاں سے تو خفا ہو کر ہوں آیا | کروں کیا اب نہیں یہاں مانتا دل
ترے کہنے کو مانوں کس طرح میں | نہیں کہنے میں میرے ناصحا دل
کسی دل کی نہ تجھ پر آہ پڑ جائے | مرا کیا غیر کا بھی مت ستا دل
کوئی اُس کی یہ عیاری تو دیکھے | ملا پھر مجھ سے پہلے لے لیا دل
وہ ہائے صبحدم کا اُن کا جانا | گئے وہ تھام کر میں رہ گیا دل

ہمارا لے تو لو دل دوست بن کر
وہ دشمن تھا جو تم کو دے دیا دل

وہ کیا انجان ہو کر پوچھتے ہیں
کہو مختار کس پر آگیا دل

جاؤں گر آپ سے تو دیگا وہ بے پیر نکال
اُسکے ملنے کی دلا اور ہی تدبیر نکال

کچھ خطا گر مری ثابت کوئی تقصیر نکال
مجھ کو ناحق تو نہ گھر سے بت بے پیر نکال

گر کسی بات کو کہئے تو ادا سے یہ کہیں
بس مرے آگے نہ اس طرح کی تقریر نکال

ساتھ پیکاں کے نہ دل کو بت بے پیر نکال
دیکھ آہستہ تو سینہ سے مرے تیر نکال

کچھ موثر نہ ہوا اور وہ بیباک ہوئے
منہ سے نادم ہوں بہت نالۂ شبگیر نکال

وہ ہیں مے ہے لب جو ہے شب ہے ہم ہیں
آج ارمان سبھی اے دل دلگیر نکال

ہو گیا رشک عدو اب تو گوارا مجھکو
اب کوئی اور مرے واسطے تقدیر نکال

شوق گیسو نے ترے سلسلہ جنبانی کی
بھاگے صحرا کو جو ہم پاؤں سے زنجیر نکال

بس نہ کر اس دل وحشی کو گرفتار بلا
دیکھ عارض پہ نہ یوں زلف گرہ گیر نکال

دل کا احوال مرے کچھ تو ہو معلوم تجھے
ہاتھ سے اپنے مرے سینہ سے تو تیر نکال

کچھ بھی تدبیر بن آتی نہیں اب تو مختار
ہائے اُس بزم سے یوں دے مجھے تقدیر نکال

مل جائیں جلد اُس بت ناآشنا سے ہم
یہ ہی دعائیں مانگتے ہیں اب خدا سے ہم

کیا پوچھتے ہیں جاتا ہوں ہے آپکی خوشی
ہاں جاؤ تم کہیں گے یہ اپنی رضا سے ہم

یوں تو نہ اپنی بزم سے ظالم اُٹھا ہمیں
تو دیکھ تو کہ بیٹھے ہیں کس التجا سے ہم

اک عمر ہو گئی ہے یہی کب تک ستم سہیں
تنگ آگئے ہیں اب ترے جور و جفا سے ہم

نے مرتے ہیں نہ جیتے ہیں مختار ہجر میں
تنگ آ گئی ہے ہم سے قضا اور قضا سے ہم

پوچھو نہ شبِ غم دلِ بیتاب کا عالم
ہے صاعقہ و شعلہ و سیماب کا عالم

حیراں ہوں شبِ وصل کہ ہوں اُس سے ہم آغوش
میں جاگ رہا ہوں کہ یہ ہے خواب کا عالم

آنکھیں جو سلامت ہیں تو غرقاب کرینگی
یہ کثرتِ گریہ سے ہے سیلاب کا عالم

ہے ہے یہ عذابِ شبِ دیجور مصیبت
یا ہائے وہ وصلِ شبِ مہتاب کا عالم

نکلے ہے صدا درد کی تارِ رگِ جاں سے
خارِ غم و حسرت میں ہے مضراب کا عالم

وہاں رنگِ حنائی سے یہاں خونِ جگر سے
ہے ہر سرِ انگشت پہ عُنّاب کا عالم

اُس مہ کا شبِ وصل بآغوش تمنا
تھا شعلۂ جوالہ و سیماب کا عالم

سب رنج و مصیبت یہ گذر جائینگے مختار
یہ ہستیٔ موہوم ہے اک خواب کا عالم

ہم نے سُنی بھی ایسی تو عادت کہیں نہیں
لو صبح ہونے آئی نہ کیجے نہیں نہیں

کل کی طرح سے پھر وہی شب ہو گی اور ہم
آنے کا اُس کے آج بھی ہوتا یقیں نہیں

وہاں جائے پر بھی چین نہ آیا ہمیں کبھی
بے چین کچھ ہماری طبیعت یہیں نہیں

بھولے سے بھی نہ یاد کیا آپ نے کبھی
ہم نے تو ہچکیاں دمِ مُردن بھی لیں نہیں

روٹھا جو میں تو بولے منائے مری بلا
یہ منتیں تو ہم نے کسی کی بھی کی نہیں

رشکِ عدو کہوں ستمِ آسماں کہوں
کیا کیا اذیتیں ترے غم میں سہیں نہیں

ہمدم ہمارے دل پہ غمِ ہجرِ یار ہے
ہمسا کوئی جہان میں اندوہگیں نہیں

مختار کس طرح سے شبِ غم بسر کریں
ہمدم نہیں رفیق نہیں ہمنشیں نہیں

مرتے ہیں ہم اور آتے آپ یہاں اب بھی نہیں
دیکھو تو ہوتا ہے کیا کچھ تم کو کچھ غم بھی نہیں

جھوٹے وعدے کس لئے عیاریوں سے فائدہ
سچ تو یہ ہے ہم سے ملنے کو تری مرضی نہیں

دوستو کچھ تم ہی جا کر اُس کو لاؤ راہ پر
کیا کروں میں اُسکے آگے میری کچھ چلتی نہیں

گر لگاؤں ہاتھ کچھ تو کہتے ہیں کس ناز سے
کسمسا کر منہ پھرا کر دیکھو جی بس جی نہیں

اے فلک انصاف تو کر ہم کہاں اور وہ کہاں
برسوں گذرے ہیں کہ اُسکی شکل بھی دیکھی نہیں

تم تو آؤ گے یقیں ہے پر ذرا فرماؤ پھر
کیا کروں تسکین کچھ دل کو مرے ہوتی نہیں

بس چلو اب صبح ہوتے یہ لگاوٹ کس لئے
شب یہ رُخ پھیرا کہ کروٹ بھی ادھر کو لی نہیں

جاؤں جاؤں کی ابھی سے آپ کو تکرار ہے
رات باقی ہے ابھی سے کیجئے جلدی نہیں

دیکھے دل پچھتائے کیوں رنج و غم کیوں دیکھتے
کیا کریں مختار پہلے سے ہمیں سوجھی نہیں

جاں بلب ہوں مجھ میں حالت کچھ نہیں
تم سے اب کہنے کی حاجت کچھ نہیں

غیر سے کچھ ہو تو ہو الفت ہمیں
ہم سے تو صاحب کو الفت کچھ نہیں

ناصحا یہ بھی سمجھ لے کچھ تو ہے
جو اثر کرتی نصیحت کچھ نہیں

ایسے لگ چلتے ہو ہر اک غیر سے
اے مری جاں ایسی عادت کچھ نہیں

اُن پہ وہ بندش ادھر اپنا یہ حال
سوجھتی ملنے کی صورت کچھ نہیں

دیکھنا تو تھے یہی ہم سے قرار
آنکھ میں تیری مروّت کچھ نہیں

دل کی بیتابی سے تنگ آیا ہوں میں
آپ سے مجھ کو شکایت کچھ نہیں

کچھ تو ہے جو تم ستاتے ہو مجھے
کہتے ہو تجھ سے عداوت کچھ نہیں

کچھ کہو مختار کب مانے ہے وہ
اُس کے آگے چلتی حجّت کچھ نہیں

دل کی بے چینی اذیت کونسی لائی نہیں
ہاں مگر اک موت تیرے ہجر میں آئی نہیں

دل کو ان باتوں سے ہوتی ہے کہیں تسکین بھلا
کونسی وہ بات ہے جو تم نے فرمائی نہیں

کیوں نہیں ملتے ہو تم پھر تم کو کس کا خوف ہے
غیر سے گر میرے ملنے کی قسم کھائی نہیں

روز جھوٹے وعدے گو تم نے کیے پر دیکھو شوق
ایک دن بھی تو طبیعت میری گھبرائی نہیں

آپ ہی سوچیں کہ میرا حال کیا کچھ ہوئیگا
برسوں گذرے تم نے صورت تک بھی دکھلائی نہیں

کیوں کسی سے میں ملونگا گر ملوگے مجھ سے تم
آپ ہرجائی نہیں تو میں بھی ہرجائی نہیں

ہوتے ہونگے دل لگانے میں مزے مختار کچھ
جز اذیت ہم نے تو راحت کبھی پائی نہیں

آپ ہی کہیے منصفی کرتے ہو ہم پہ کیا نہیں
ظلم نہیں ستم نہیں جور نہیں جفا نہیں

کہئے تو کس امید پر پھر کوئی دل دے آپ کو
مہر نہیں کرم نہیں رحم نہیں وفا نہیں

کہئے جو ان سے کچھ بھی گر تو یہ کہیں وہ منہ پھرا
مجھ سے ذرا پرے رہو میں تو یہ جانتا نہیں

سن کے وہ حال ہیر اکتے ہیں کس ادا کے ساتھ
جانے یہ تو نے کیا کہا میں نے تو کچھ سنا نہیں

کہنا وہ ہاتھ پائی میں کیا ہی ادا سے ناز سے
بیٹھا رہو ذرا پرے ہاتھ مجھے لگا نہیں

نام دلشان و ہوش سب کھوئے گئے عشق میں
نام بھی اپنا اس لئے میں نے یہاں لکھا نہیں

تیرے ملنے کی جو تدبیر کیا کرتے ہیں
دل سے پھر پھر وہ یہی تقریر کیا کرتے ہیں

تم نہیں ہوتے ہو جب پاس تو کس درد سے آہ
رات بھر نالۂ شبگیر کیا کرتے ہیں

یوں خفا ہو گیا ناحق مری تقصیر بھی کچھ
لیسے ہی سانے بت بے پیر کیا کرتے ہیں

یہی کہتے ہیں وہ کیا جانے تو کہتا کیا ہے
اُن سے ہم جب کوئی تقریر کیا کرتے ہیں

ہائے قسمت کا لکھا کچھ نہیں لکھتے وہ جواب
خط پہ خط ہم اُنھیں تحریر کیا کرتے ہیں

خوب ہی راہ دکھائی کہ چلی جاں ہی مری
اس قدر آنے میں تاخیر کیا کرتے ہیں

پھر یہ کہتے ہو کہ آتا نہیں مختار تو کیوں
آپ کیا کچھ مری توقیر کیا کرتے ہیں

ہم ایسے دیکھنے سے رنج و غم کو دیکھتے ہیں
نگاہ قہر سے کیوں آپ ہم کو دیکھتے ہیں

نہ پوچھ ہم پہ گذرتا ہے اُس گھڑی کیا کچھ
جو غیر پر ترے لطف و کرم کو دیکھتے ہیں

مجھی پہ رکھتے ہو الزام ہر گھڑی صاحب
کچھ آپ اپنے بھی جور و ستم کو دیکھتے ہیں

الٰہی ہم بھی کبھی جا کے دیکھینگے اُس کو
وہ کیا ہی لوگ ہیں جو اُس صنم کو دیکھتے ہیں

عجب مزا ہے شبِ وصل دید بازی کا
ہم اُن کو دیکھتے ہیں اور وہ ہم کو دیکھتے ہیں

نہ آئے کل کی طرح سے تو سُن ہی لوگے کچھ
ہم آج اور تمھاری قسم کو دیکھتے ہیں

اُسی کا جلوہ ہے مختار ہر جگہ موجود
ہم ایک نگاہ سے دیر و حرم کو دیکھتے ہیں

تھی رواں فوارہ ساں ہر ایک تارِ آستیں
فیضِ چشمِ گریہ سے ہے جو ئبارِ آستیں

گورا گورا وہ بدن وہ پھول جالی کی قبا
ہائے وہ سینہ کی بدھی اور بہارِ آستیں

نور تن پر تیری بازو کے ثریا ہو فدا
کہکشاں اے ماہ خوبی ہو نثارِ آستیں

غم میں اُس گلرو کے رو رو کر جو پونچھے ہیں اشک
بیل بوٹے بن گئے باغ و بہارِ آستیں

زلف کا قریں پھنسایا ہو خدا کی تجھ پہ مار
تو دلا نکلا کہاں سے میرا مارِ آستیں

پیرہن پرزے کئے دستِ جنوں نے سیکڑوں
کیا شمارِ دامن اب ہے کیا شمارِ آستیں

بار دامن ہے نہ کیوں بچکے دمِ رفتار کھائے
ہاتھ سے جسکے نہ اُٹھ سکتا ہو بارِ آستیں

گو کہے سو بار ناصح دل کا تو مختار ہے
ہو سکے وست جنوں پر کب گذار آستیں

بے حال پوچھے دل کا نہ چھوڑینگے ہم تمھیں
کھانی پڑیگی غیر کے سر کی قسم تمھیں

عیاریاں لگاوٹیں یہ سب تو ہو چکیں
سچ کہدو یاد بھی کبھی آتے ہیں ہم تمھیں

اللہ کیا ہی آپ بھی بے رحم ہیں غضب
ہم اپنی جان سے گئے کچھہ بھی ہی غم تمھیں

ان میٹھی میٹھی باتوں میں رکھا ہے ہم کو مار
آتا ہے دینا خوب ہی میٹھے میں سم تمھیں

اب کیا خطا ہی میری جو پھر ہو گئے خفا
منظور ہی ہے حال پہ میرے ستم تمھیں

گر کیجے کچھہ گلہ تو لگاوٹ سے کہتے ہیں
کیا جانے کیا سمجھہ کے ستاتے ہیں ہم تمھیں

پوچھو نہ کچھہ گذرتی ہے کیا جی پہ اس گھڑی
جب دیکھتا ہوں غیر سے ایجاں ہم تمھیں

جلتے کہاں ہو کیا تمھیں منظور آج ہے
جاتا ہے دم نہ دیکھوں اگر ایک دم تمھیں

اکدم تو اور ٹھہریے مختار کے بھی پاس
میں جانتا ہوں آتے بہت کچھہ ہیں دم تمھیں

اب جتاؤ یہ جھوٹے پیار نہیں
آپ کا مجھکو اعتبار نہیں

ایک عیار ہے زمانے کا
بے وفا تو کسیکا یار نہیں

یا ہمیں ہم تھے اُن کی محفل میں
یا گلی تک بھی اب گذار نہیں

کس طرح اپنا عرض حال کریں
اُن کی محفل میں ہم کو بار نہیں

رشک دشمن یہ مجھہ سے کہتے ہیں
پاس کس گل کے ہوتا خار نہیں

تیری الفت میں سب ہوئے دشمن
ایک بھی اپنا دوستدار نہیں

دل پھنسا بیٹھے زلف کافر میں
کیا ہے پھر گر خدا کی مار نہیں

آپ کی ہاں نہیں نے تو مارا | ایک ہاں کہتے ہو ہزار نہیں

ہے وہ ملنے نہ ملنے کا مختار
اس میں کچھ اپنا اختیار نہیں

حال دل لاکھوں ہی بار اپنا سنایا ہے تمھیں
سخت دل تم سے بھی کم ہونگے نہ آیا کبھی رحم
ہاں جی ہاں آپ ہی سے آپ یہاں پر آتے
آتی ہے ہچکی کی کیوں ہوگئی ایسی خاموش
کچھ خطا بھی مری لکھتے نہیں کیوں خط کا جواب
درد دل کہتے تو کہتے ہیں وہ ہو کر انجان

سچ تو کہدو کبھی کچھ رحم بھی آیا ہے تمھیں
دل کی بیتابی نے کیا کیا نہ دکھایا ہے تمھیں
جذب دل آج مرا کھینچ کے لایا ہے تمھیں
میں نہ مانوں کوئی یاد اس گھڑی آیا ہے تمھیں
کچھ نہ کچھ تو کسی دشمن نے پڑھایا ہے تمھیں
ہمیں معلوم نہیں کس نے ستایا ہے تمھیں

کس لئے کرتے ہو مختار ہر اک دم فریاد
کس کی ہے یاد تمھیں کس نے بھلایا ہے تمھیں

وہ کس کس ادا سے کمر باندھتے ہیں
کسی غیر سے آپ ملتے نہیں ہیں
مگر رجو پھر بوسہ مانگا تو بولے
کسی کو بھی لاتے نہیں دھیان میں ہم

اِدھر کھولتے ہیں اُدھر باندھتے ہیں
یہ بہتان سب آپ پر باندھتے ہیں
یہ کیا آپ کچھ مجھ پہ کر باندھتے ہیں
ترے ملنے کا دھیان گر باندھتے ہیں

آپ جھوٹے قرار کرتے ہیں
ایک بھی مانتا نہیں وہ شوخ
آپ سُنتے نہیں ذرا بھی حال
ایک شکوہ میں کر نہیں سکتا

روز ہم انتظار کرتے ہیں
منتیں ہم ہزار کرتے ہیں
ذکر ہم بار بار کرتے ہیں
جب وہ آنکھیں دوچار کرتے ہیں

اُکلتے نادان ہوتے ہیں مختار
عشق جو اختیار کرتے ہیں

سحر ہے تیری یار آنکھوں میں
آؤ ہم آپ سو رہیں چل کر
دیکھنے دوں نہ ایک کو بھی تجھے
ہوں ہیں نیچی نگاہ کا کشتہ
ہے تصور کسی کے آنے کا
آنکھوں دیکھے کی تم کو اُلفت ہے
مر گئے پھر بھی ہیں کھلی آنکھیں
غیر سے کیا اشارے تھے سچ کہہ

ایک ہیں یہ ہزار آنکھوں میں
نیند کا ہے خمار آنکھوں میں
بس ہو تو رکھ لوں یار آنکھوں میں
قہر ہے شرمسار آنکھوں میں
خواب کا کیا گذار آنکھوں میں
بس جتاؤ نہ پیار آنکھوں میں
کس کا ہے انتظار آنکھوں میں
ہو گیا کیا قرار آنکھوں میں

اُن کے جاتے ہی آ گئے مختار
اشک بے اختیار آنکھوں میں

کیا کہیں غم میں ترے کیونکہ گذر کرتے ہیں
کبھی روتے ہیں کبھی چپکے پڑے رہتے ہیں
دل کی چاہت جو جتاتا ہوں تو کہتا ہے وہ شوخ
ہمیں منظور ہے کچھ اور ہی ورنہ صاحب
کیا کیا سامان اِدھر باندھتے ہیں دل میں ہم

روز رو رو کے شبِ ہجر سحر کرتے ہیں
یوں ترے ہجر میں اوقات بسر کرتے ہیں
کیا کریں پھر ہمیں پیار آپ اگر کرتے ہیں
یہ وہی نالے ہیں جو دل پہ اثر کرتے ہیں
جب روانہ کسی قاصد کو اُدھر کرتے ہیں

حالِ دل بھی نہیں کہہ سکتے کسی سے یارب
جان سے جاتے ہیں اب ضبط بھی گر کرتے ہیں

ناصح کہے ہیں دل ہی نہ ہو جب تو کیا کریں | ہر بات یوں تو تیری نصیحت سے کم نہیں
سننے کو حال غیر بنے کون رازداں | یہ دوستی تمہاری عداوت سے کم نہیں

مختار کیسے کوئی شبِ غم بسر کرے
اک اک گھڑی جدائی کی آفت سے کم نہیں

مطلع

پیار کی لطف کی الفت کی تمھاری باتیں | تھیں فقط دل ہی کے لینے کی وہ ساری باتیں

قابلِ دل بستگی کب ہے خراب آبادِ دہر | ہونے والی ہے مگر ویراں یہ بستی ایک دن
خود پسندی چھوڑ دے محوِ خود آرائی نہ ہو | سب فنا ہو جائیگی آخر یہ ہستی ایک دن
روز کے وعدے کہاں تک اب بھی آنا ہو تو آ | ورنہ جائیگی نکل یہ جاں ترستی ایک دن
مژدہ اے ذوقِ تپیدن خود لگا لونگا گلے | میں ہوں اور قاتل کی ہے تیغِ دودستی ایک دن
ہے کمالِ حسن پر بے فائدہ اتنا غرور | ہر بلندی کے لئے آخر ہے پستی ایک دن
دیکھ لے گر اُس بتِ توبہ شکن کو زاہدا | سب نکل جائے غرورِ حق پرستی ایک دن

تسکینِ دل کو دوں کہ سنبھالوں جگر کو میں | آیا ہوں آج دیکھ کے اُس فتنہ گر کو میں
اس بدگمانی کا بھی ٹھکانا کہ رشک سے | ڈرتا ہوں بھیجتے بھی وہاں نامہ بر کو میں
دھڑکا ہے اُس کے جانے کا دل پر شبِ وصال | سوتے سے دیکھتا ہوں جو اُٹھ اُٹھ سحر کو میں
کیا روؤں ضبطِ گریۂ خونیں اثر کو میں | رکھتا ہوں آنکھوں میں دلِ شوریدہ سر کو میں
آتا ہے حیف اپنے مجھے اس گمان پر | اغیار رہیں عزیز کہ اُس فتنہ گر کو میں

اُس بے وفا سے ملنے کا مختار دل میں پھر
باقی ہے حوصلہ تری دیکھوں جگر کو میں

وہ چاہ کو چتون سے مری پائے ہوئے ہیں / کچھ آنکھ ملاتے نہیں شرمائے ہوئے ہیں

ہے وصل میں بھی یادِ ہم آغوشیٔ دشمن / بیتاب ہیں بے چین ہیں گھبرائے ہوئے ہیں

اب ہم نہ کھانا ہی مرے واسطے سم ہے / جب وہ مرے ملنے کی قسم کھائے ہوئے ہیں

اے جان بلب آمدہ اک دم تو ٹھہر جا / ہم جان بچے جاتے ہیں وہ گھبرائے ہوئے ہیں

اکدم قلقِ ہجر سے فرصت نہیں ہوتی / ہر چند طبیعت کو تو بہلائے ہوئے ہیں

بیفائدہ سمجھاتے ہیں جاکر انہیں احباب / کب راہ پہ آتے ہیں وہ بہکائے ہوئے ہیں

اب دل میں محبت کا نہیں حوصلہ مختار / ہم دل کے لگانے کا مزا پائے ہوئے ہیں

اسیر دامِ غم ہوں اور مریض نفتہ جاں میں ہوں / کہ لینا سانس بھی دشوار ہے وہ ناتواں میں ہوں

سمجھتا کیا نہیں اس بخش بیجا کو ہاں میں ہوں / بنے ہیں الٹے وہ بدظن جو ان سے بدگماں میں ہوں

غمِ فرقت سے گو طاقت نہیں اب سر اٹھانے کی / اٹھاتا ناتوانی پر بھی جورِ آسماں میں ہوں

رہوں کب تک پڑا در پر ترے یوں ٹھوکریں کھاتا / تو پھر اے سنگدل کیا تیرا سنگِ آستاں میں ہوں

نہ کھینچو دور مجھ سے آپ کو گر تم تکلف سے / تو اپنے جذبۂ الفت کا دیتا امتحاں میں ہوں

وا حسرتا کہ یہ بھی شگفتی نہیں ہے آہ / جانِ حزیں تو کچھ مرے دل کی ہوس نہیں

ڈر نالہائے زار سے ظالم خدا کو مان / آہ و فغانِ دل ہے یہ بانگِ جرس نہیں

گر آشیاں نہیں تو نہ ہو پر یہ قہر ہے / بلبل کا باغباں جو چمن میں قفس نہیں

ہم رند بادہ خوار ہیں پیتے ہیں خونِ دل / کچھ فکرِ محتسب نہیں خوفِ عسس نہیں

مرنا تو سہل ترکِ محبت محال ہے / جاں پر تو اختیار ہے دل پر تو بس نہیں

اے وائے اب تو ضعفِ غشی سے ہی چپ لگی / اور یہاں جز آہ و نالہ کوئی ہمنفس نہیں

کی اُس نے ہم سے ترکِ ملاقات آپ سے
اب رنج طعنِ مدعیٔ بوالہوس نہیں

ہیں وہ یہ بدمزاج کہ مختار وصل میں
وہ کونسی ہے جو مرے دل میں ہوس نہیں

دیں گر جواب صاف تو تکرار بھی نہیں
پر قہر تو یہی ہے کہ انکار بھی نہیں

اغیار کی ہیں گو ہمیں کیا کیا شکایتیں
پوچھو اگر تو شکوہ اغیار بھی نہیں

ستانا دل کا مری جان ہے بُرا دیکھو
یقین نہ ہوئے جو تم کو تو دل ستا دیکھو

اشارے غیروں سے یوں نیچی نیچی نظروں میں
میں دیکھتا ہوں مجھے تم نہ دیکھو یا دیکھو

رہی نہ جی میں پسِ مرگ حسرتِ دیدار
دمِ اخیر تو بالیں پہ میری آ دیکھو

اِدھر تو دیکھو اُدھر آپ دیکھتے کیا ہیں
بہت تو دیکھا اُدھر اب اِدھر ذرا دیکھو

میں اب منائے سے صاحب کے کوئی منتا ہوں
جو شک سمجھتے ہو تو آن کر منا دیکھو

اُٹھا کے آنکھ نہیں دیکھتے حیا سے مجھے
بنایا یہ ناز و کرشمہ نئی ادا دیکھو

ابھی تو تم نے قسم روٹھنے کی کھائی تھی
ہر ایک بات پہ ہوتے ہو پھر خفا دیکھو

میں کم نگاہی کا شکوہ لو اب نہیں کرتا
اُسی طرح سے پھر آنکھیں ذرا ملا دیکھو

کہو تو غصّہ کی نظروں سے دیکھتے کیوں ہو
قصور دیکھو مرا کچھ مری خطا دیکھو

کہا جو میں نے کبھی ہم سے بھی ملوگے تم
تو مسکرا کے عجب ناز سے کہا دیکھو

یہ سچ ہے دوست تو کب راہ پر وہ آئینگے
مرے کہے سے بھلا ابکے اور جا دیکھو

یہ کون بات ہے مُنہ موڑے مجھ سے بیٹھے ہو
ذرا تو میری طرف کو بھی منہ پھرا دیکھو

یقین گر نہیں ہوتا کسی طرح سے تمھیں
تو میرے دل کی محبت کو آزما دیکھو

جو یوں سمجھتے تو دیتے نہ دل کبھی مختار
ابھی یہ حال ہے ہوتی ہے آگے کیا دیکھو

ہے تیرا یہ انتظار دل کو
دم بھر بھی نہیں قرار دل کو

لاتا نہیں دھیان میں بھی اک بات
سمجھائیے گر ہزار دل کو

یوں زلفِ بتاں میں جا کے پھنستے دل
تھی یہ بھی خدا کی مار دل کو

مجھ سے دلی آپ کو ہے الفت
ہاں کہیے ہے اعتبار دل کو

لاچار غموں سے ہو گیا ہوں
خوش کر دے تو ایک بار دل کو

لیجاؤ تمھیں اب اس کو رکھنا
ہم کیا کریں بے قرار دل کو

اور اس سے ملے ہمیں غرض کیا
مختار ہے اختیار دل کو

اپنی الفت مجھے ہر لحظہ دلاتے کیوں ہو
گر نہیں آتے تو پھر یاد بھی آتے کیوں ہو

صدمہ ہجر ہی دل پر مرے کیا کم ہوگا
تمھیں منظور ہے کیا ربط بڑھاتے کیوں ہو

کہہ چکے تم تو کہیں اب کہیں جاتا ہی نہیں
کہیں جاتے نہیں تو پھر ابھی جاتے کیوں ہو

صاف کہہ دیجیے ہے دل میں کدورت تجھ سے
جھوٹ کیوں بولتے ہو بات بناتے کیوں ہو

کہہ دو جو کچھ کہ ہوئیں غیر سے باتیں تم سے
رازِ دل مجھ سے مری جان چھپاتے کیوں ہو

کچھ دنوں یوں بھی سہی یہ ہی اگر ہے مرضی
روٹھ جانے پہ مجھے ایسا ڈراتے کیوں ہو

دل جہاں چاہے وہاں جاؤ ہمیں کیا ہے غرض
دل کے مختار ہو تم ہم کو سناتے کیوں ہو

رازِ دل ہاں مجھی سے کہتے ہو
یوں ہی تم ہر کسی سے کہتے ہو

ابھی آئے ہو کچھ تو ٹھہرو ابھی
جاؤں جاؤں ابھی سے کہتے ہو

ہاں ابھی آپ ہی تو آئیں گے
تم تو یوں ہی ہنسی سے کہتے ہو

کیا سناتے ہو لوگ آتے ہیں کیوں
نہ رلاؤ نہ آئیں گے کہہ کر
دوستو اُس سے چھوڑ دوں ملنا
مجھے ایسا نہ تم کبھی کہتے
کہتے ہو تجھ سے ہے دلی الفت

یہ تو کچھ تم مجھی سے کہتے ہو
سچ کہو کیا ہنسی سے کہتے ہو
یہ ہی تم منصفی سے کہتے ہو
غیر کی پیروی سے کہتے ہو
یہ بھی تم دل لگی سے کہتے ہو

کہے کچھ حال تو کہیں محنت
کیا یہ تم اپنے جی سے کہتے ہو

غیر سے ساتھ مرے آنکھ لڑاتے نہ چلو
ساتھ لینا تمھیں منظور ہی کیا اور کا ہے
اک گھڑی بیٹھ کے کیسے ابھی اُٹھ لگے تم
چھیڑ پھر تم نے نکالی وہی ہوتے ہی ملاپ
ہائے وہ راہ میں اُس کا یہ سمٹ کر کہنا
حالِ دل کہتے تو کس ناز سے فرماتے ہیں
ساتھ اس عاشق خود رفتہ کو لے لو اپنے
نہیں چلنا ہی جو منظور ابھی سے تجھ کو
ہر کسی کو تو نہ الفت کی نظر سے دیکھو

صدقہ اس طور کا انداز دکھاتے نہ چلو
ہر کسی کو تو تم آواز سناتے نہ چلو
ایسی باتیں نہ کرو ہوش اُڑاتے نہ چلو
اپنی اُس پہلی سی عادت پہ پھر آتے نہ چلو
بات کرتے میں مجھے ہاتھ لگاتے نہ چلو
جھوٹی باتیں تو مرے ساتھ بناتے نہ چلو
ہاتھ میں ہاتھ دو یوں ٹھوکریں کھاتے نہ چلو
روٹھنے پر مجھے ایسا تو ڈراتے نہ چلو
اے مری جان مجھے رشک دلاتے نہ چلو

جی جہاں چاہے وہاں جاؤ ہمیں کیا مطلب
دل کے مختار ہو تم ہم کو ستاتے نہ چلو

وصل روزی نہ ہوا ہم کو کبھی یار کے ساتھ
برسوں ٹکرا ہی گئے سر در و دیوار کے ساتھ

کہیں بدنام نہ ہو جاؤ خدا کو مانو ۔ نہ پھرا کیجیے یوں مجمع اغیار کے ساتھ
ایسا کچھ کہتے ہیں اُس سے بھی ہوں نادم ہنگا ۔ جایئے وہاں جو کسی ڈھب سے کسی یار کے ساتھ
یا خدا یہ تو کسی ڈھب نہیں کاٹے کٹتی ۔ جان ہی جائیگی کیا میری شب تار کے ساتھ
طرح طرح کے ہمیں سہنے پڑے ہیں صدمے ۔ بے طرح دل ہی لگا اُس سے طرحدار کے ساتھ
لے ذرا سونے دے سے لپٹنے دے کروٹ اے تو ۔ مجھ سے کہتے ہیں شب وصل وہ کس پیار کے ساتھ
ہائے کیا یہ بھی لگاوٹ کی ادا ہی شب وصل ۔ کرنا انکار رہیں یار کا اقرار کے ساتھ
اب دلا فائدہ پچھتائے سے کیا ہوتا ہے ۔ دل لگانا ہی نہ تھا اُس سے ستمگار کے ساتھ

ساتھ غیروں کے رہو جھوٹو بھی ہم سے نہ ملو
بے وفائی نہ کرو ایسی تو مختار کے ساتھ

جھانکنا ہے تو کسی روزن دیوار کو دیکھ ۔ بس ادھر دیکھ مرے دیدۂ بیدار کو دیکھ
وہاں پہنچے جو نہیں ہم پائے تو کس حسرت سے ۔ روتے ہیں دور کھڑے اُس در و دیوار کو دیکھ
کوئی بیجا بھی کہوں بات تو ہونا نہ خفا ۔ ہوش رہتے ہیں بجا کب مرے سرکار کو دیکھ
یہی رونا ہے تو پھر آئیگا طوفاں اک دن ۔ لوگ کہتے ہیں مرے دیدۂ خونبار کو دیکھ
ساتھ سوتے تھے وہ کھُل آنکھ یکایک جو گئی ۔ اُڑ گئے ہوش مرے صبح کے آثار کو دیکھ
دید بازی کا کہیں اُن کو ہوا ہے لپکا ۔ مجھ کو شک ہوتے ہیں اس روزن دیوار کو دیکھ
دیکھنے چین کو یہ کہتا ہے دکھاؤ اس دم ۔ اب یہ کہتے ہیں اطبا ترے بیمار کو دیکھ

کہنا یہی آپ اُس کو جا دیکھ ۔ کچھ اور نہ کہنا قاصدا دیکھ
اب جاتی ہے جان کوئی دم میں ۔ گر تجھ کو یقیں نہ آئے آ دیکھ
میری سی وفا کوئی کریگا ۔ دشمن کو کبھی تو آزما دیکھ

تب دل کی لگی کی قدر جانے
ظالم کہیں تو بھی دل لگا دیکھ

گر ضبط کا اب نہیں ہے یارا
تو حال اُنھیں دلا سنا دیکھ

تو بزم میں دیکھتا ہے سب کو
میری بھی طرف تو بیوفا دیکھ

پھر دیکھ تو دوست ہم ہیں یا وہ
دشمن کو اسی طرح ستا دیکھ

سب مانے تو دیکھ لے گر اُسکو
بس بک نہ زیادہ ناصحا دیکھ

شاید کہیں راہ پر وہ آجائیں
مختار پھر ایکبار جا دیکھ

ردیف یائے

نہ آئے پاس مرے شب یہ دل میں کیا آئی
گر آج بھی نہ تم آئے تو بس قضا آئی

یہ عقل پہ ادب عشق سے پڑا پردہ
وہ بے حجاب ہوئے تو مجھے حیا آئی

کہے ہیں دل ہی نہ ہو جب تو کیا کرے کوئی
مری سمجھ میں تری بات ناصحا آئی

پلا کے خوب سی مے کر دے ساقیا شاد
عجب ہی لطف کی اس وقت ہے گھٹا آئی

یہ ناتوانی ہے گھٹ گھٹ کے دل کی دل میں رہی
زباں تلک نہ مری آہ نارسا آئی

وبال جان ہوئی اپنی زندگی مختار
فراق مری جان پر بلا آئی

اب تو آجاؤ یہ ہر روز کا وعدہ کیا ہے
ای مری جاں مرے جینے کا بھروسا کیا ہے

دل جو آتا ہے کہیں دوست ہوتا ہے یوں ہی
ہمیں معلوم نہیں عشق میں ہوتا کیا ہے

نہ ستاؤ نہ ستاؤ نہ ستاؤ دیکھو
آپ ہی ہوئینگے بدنام ہمارا کیا ہے

قاصد آتا ہے کس شوق سے میں دیکھ رہی ہے
منہ کو تکتا ہوں کہ اب دیکھئے کہتا کیا ہے

ایسے بے رحم صنم پر ہے طبیعت آئی
اب خدا دیکھئے حق میں مرے کرتا کیا ہے

آپ بیٹھے ہیں مرے پاس نہیں تس پہ بھی چین
نہیں معلوم کہ اب دل کی تمنا کیا ہے

بس نہ کہئے کہ مجھے تجھ سے دلی ہے الفت
خوب ہم جانتے ہیں آپ کا کہنا کیا ہے

کچھ میں کہتا ہوں تو منہ پھیر کے کہتے ہیں کہ بس
میں سمجھتا نہیں کیا جانئے تو بکتا کیا ہے

میرے چونکانے پہ انگڑائیاں لیکر شب وصل
ہائے جھنجھلا کے ترا ناز سے کہنا کیا ہے

دل کے دینے سے ہو تم ایسے پریشاں مختار
آگے آگے تو ذرا دیکھئے ہونا کیا ہے

کیا کہہ کے منہ پھرا لیا پھر کہہ ذرا یہی
ہم مرتے جس ادا پہ ہیں ہے وہ ادا یہی

کہتے ہو مجھ سے ملنے کو ہوتا ہے دل ترا
کیا پوچھنا خوشی ہے یہی مدعا یہی

اب صبح ہو گی پھر وہی ہو گا مجھے فراق
شب بھر وصال میں بھی تو دھڑکا رہا یہی

قاصد تو کہہ ہی دے کہ وہ آئینگے آج یاں
خوش کر دے میرے دل کو مجھے کہہ سنا یہی

لو صبح ہونے آئی نہ کیجئے نہیں نہیں
صاحب کی میرے ساتھ رہی ضد سدا یہی

نہ اُس کو چاہتے نہ یہ سہتے مصیبتیں
پہلے سے سوجھتی تھی ہمیں تو دلا یہی

ایسا نہ ہو کہ جا کے وہاں بیٹھ تو رہے
آتا ہے تجھ سے خوف مجھے قاصدا یہی

ملنے سے اُسکے منع نہ کیجئے نہ ہو گا یہ
اب دوستی ہے ساتھ میرے ناصحا یہی

کیا بے مزا گذرتی ہے اوقات اپنی آہ
ہوتا ہے دل لگانے میں یارب مزا یہی

پیغام کس کا لایا ہے مختار کون ہے
قاصد تو سچ کہو مجھے اُس نے کہا یہی

یہ کس کی جاں ہے جو کوئی اُس سے گلا کرے
ہے سب بجا وہ ظلم کرے یا جفا کرے

ہم سے وفا کرو تو وفادار سب کہیں
مشہور آپ کو کوئی کیوں۔ بے وفا کرے

کہتے ہو تم جو دوستوں سچ ہے یہی۔ مگر
دل ہی نہ جب کہے میں ہو تو کوئی کیا کرے

دل دے چکا ہوں اُس بتِ کافر کو دوستو
اب میرے حق میں دیکھئے اللہ کیا کرے

ظالم خدا کے واسطے آ اب تو میرے پاس
کب تک کوئی فراق کے صدمے سہا کرے

آ جاؤ اب تو تم نہیں ہیں جان سے گیا
ان جھوٹے وعدوں پر کوئی کب تک جیا کرے

توقیر آپ کھوئی وہاں جا کے بار بار
مختار پھر کوئی تیری توقیر کیا کرے

مختار تیرے غم میں موا مجھکو غم نہیں
سچ ہے غم ایسی باتوں کا تیری بلا کرے

اپنے مقدور بھلا اُن سے نہ ملتا کوئی
یوں ہی قسمت کا لکھا ہو تو کرے کیا کوئی

آتے جاتے ہی ہیں کمبخت وہاں تک ہمدرد
مجھ پہ جو گذری ہے اُن سے نہیں کہتا کوئی

یہی کہتے رہے اب لینے کو کوئی آیا
راہ تکتے رہے پر وہاں سے نہ آیا کوئی

ہائے کس ناز سے کہتے ہیں وہ مجھ سے شبِ وصل
کہئے اب تو نہ رہی دل میں تمنا کوئی

دل پہ جو گذری ہے کس سے کہوں یہاں دوست کوئی
نہیں اتنا بھی کہ دے مجھ کو دلاسا کوئی

دوستو کیا مجھے کہتے ہو کہ اُس سے کہو کچھ
حال دل کس سے کہوں میں نہیں سنتا کوئی

اُن سے دشمن ہی کی کہتے میں نہ چلتی صاحب
دوست میرا بھی اگر بزم میں ہوتا کوئی

بول چال اب جو ہی موقوف تو کس ناز کے ساتھ
ہائے ہر بات میں اُس کا مجھے کہنا کوئی

ہائے رے ہائے مرے تم کسی صورت نہ ہوئے
سچ ہے ہوتا نہیں دنیا میں کسی کا کوئی

وہ منا کر مجھے مختار کسی کا کہنا
کہئے کیا کرتے جو تم کو نہ مناتا کوئی

دمِ شکوہ وہ اُس کا کہنا ادا سے
کہو کچھ تو کیا ہم نے تقصیر کی ہے
نہیں تو بھی دل مانتا کیا غضب ہے
خدا کا ہوں بندہ ستاؤ نہ مجھ کو
اب آؤ مرے پاس جاؤ نہ ضد پر
نہ کہئے کہ اب ہو گئی ہے یہ عادت

جو مرتے ہو مر جاؤ میری بلا سے
جو بیٹھے ہو تم آج ہم پر خفا سے
وہ دیتے ہیں کس طرح سے دلاسے
ذرا تو ڈرو اے بتو تم خدا سے
بتنگ آ گیا ہوں میں آہ و بکا سے
یوں ہی ظلم کرتے ہو تم تو سدا سے

کسی نے کہا اب ہے مختار جاتا
تو بولے کہیں جائے میری بلا سے

مرے کہنے میں دل ہی میرا نہیں ہے
یوں ہی جھوٹی الفت ہے سب کو جتانا
تمھاری ہیں دم بازیاں وہ ہی اب تک
چلے جاتے یوں پاس سے میرے اُٹھ کر
ذرا اپنے جی میں ہی ہو جاؤ منصف
بھلا چھوڑ دوں اُس سے میں کیسے ملنا
الٰہی کہوں کس سے دل کی حقیقت
مرے دل پہ وہ ہاتھ رکھ پوچھتے ہیں
مجھی کو سب آ آ کے کہتے ہیں ہمدم

مجھے کچھ تمھارا ہی شکوہ نہیں ہے
جو سچ پوچھو تو وہ کسی کا نہیں ہے
یہاں دم کا بھی اب بھروسا نہیں ہے
کروں کیا کہ بس تم پہ چلتا نہیں ہے
مجھے آپ نے کچھ ستایا نہیں ہے
اُسے دوستو تم نے دیکھا نہیں ہے
وہ کافر تو کچھ میری سنتا نہیں ہے
کہو دردِ دل اب تو ہوتا نہیں ہے
کوئی جا کے کچھ اُن سے کہتا نہیں ہے

نہ جا تو نہ جا تو ہو مختار دل کے
ستانا مرے دل کا اچھا نہیں ہے

یاد آتا ہے شب وصل اُس کا یہ کہنا مجھے
اب تو کروٹ لے لی تو سونے نہیں دیتا مجھے

یہ لگاوٹ یہ ادا یہ ناز تو دیکھے کوئی
منہ پھرا کر پھر نہ دیکھا اُس نے جب دیکھا مجھے

دونوں باتوں میں سے اب تو ایک کرنا چاہیے
آپ آؤ پاس میرے وہاں بلاؤ یا مجھے

پھر یہ کہتے ہو کہ کچھ بھی میں تجھے کہتا نہیں
کچھ نہ کہنے پر ابھی تم نے کہا کیا کیا مجھے

سامنے جس دم وہ آ جاتے ہیں سب جاتا ہوں بھول
ہائے اُس دم یاد کچھ آتا نہیں شکوا مجھے

پہلے پہلے کر کے الفت دل کو میرے لے لیا
آخر آخر اُس ستمگر نے دیا دھوکا مجھے

حال دل کا پوچھتے کیا ہو میں تم سے کیا کہوں
طور اب بے طور آتا ہے نظر اپنا مجھے

کوئی آئے کوئی جائے کوئی کچھ باتیں کرے
کام رکھتا ہوں میں تم سے ہی کسی سے کیا مجھے

بزم میں مجھ کو سنا کر کہتے ہیں مختار وہ
دیکھ لونگا میں کسی نے ابکے گر دیکھا مجھے

کس لئے بندہ پہ یہ نا مہربانی آج ہے
خیر ہی کہئے تو کچھ کیا میری جانی آج ہے

یا خدا میں زہر کھا کر مر رہوں اب کیا کروں
غیر کے گھر اُس صنم کی میہمانی آج ہے

لاؤ تو چھلوں بھری دیکھوں تمھاری اُنگلیاں
کچھ نہ کچھ لینا ہے مجھے تم سے نشانی آج ہے

سچ کہو اب مجھ سے لینا کیا تمھیں منظور ہے
خیر ہے کیوں مجھ پہ ایسی مہربانی آج ہے

آج بھی کل کی طرح سے پھر نہ صاحب آئینگے
جانتے ہیں ہم ہماری موت آنی آج ہے

وہ اُٹھاتے ہیں ہم اُس کوچہ سے اُٹھ سکتے نہیں
کام آئی کیا ہماری ناتوانی آج ہے

جب میں اُٹھتا ہوں تو کہتے ہو کہاں جاؤ گے اب
ہو گیا ہی کیا تمھیں کیوں بدگمانی آج ہے

گو یقیں تو ہے مجھے پر کچھ تو فرمائیں بھی آپ
کل کو بھی ہوگی یہی جو مہربانی آج ہے

تم چلے اندر رہینگے ہم یوں ہی یہاں پر کھڑے
صبح تک در کی تمھارے پاسبانی آج ہے

کرلے کچھ یادِ خدا ورنہ دلا مختار ہے
کل کا ہے کس کو بھروسا زندگانی آج ہے

نہیں اُس سے کرسکتے تقریر سیدھی / سمجھتا ہے اُلٹی وہ بے پیر سیدھی
وہ سیدھے چلے آئینگے پاس میرے / پڑی گر کوئی میری تدبیر سیدھی
اثر اس میں ہے کج ادائی کا تیری / نہ ہوگی یہ زلفِ گرہگیر سیدھی
بھلا سرکشی اُن کی آگے تھی زیبا / رہی شمع اب تجھ سے گلگیر سیدھی
کوئی بات ٹیڑھی نہ وہاں کہنا قاصد / خدا کے لئے کیجیو تقریر سیدھی
مجھے ایک اشارہ ہی ابرو کا بس ہے / عبث مجھ پہ کرتے ہو شمشیر سیدھی
عجب کچھ ہے اپنی بھی برگشتہ قسمت / پڑی اُلٹی کی جو کہ تدبیر سیدھی
خفا خواب میں اُس صنم کو ہے دیکھا / الٰہی پڑے اس کی تعبیر سیدھی

کوئی لاکھ برگشتہ ہوئے تو کیا ہے
جو مختار ہے اپنی تقدیر سیدھی

تکلیف رہی ہجر کی مجھ پر اگر ایسی / غم ہوگا تمہیں تم بھی سنوگے خبر ایسی
رہ جاتے ہیں ارمان بھرے جی ہی کے جی میں / کرتی ہے شبِ وصل شتابی سحر ایسی
یوسفؑ کو ترے حسن سے ہے کونسی نسبت / لائیگا کہاں سے کوئی صورت بشر ایسی
وہ ہائے منا کر مجھے کہنا یہ کسیکا / تقصیر نہ کرنا کبھی بارِ دگر ایسی
وہ منہ بھی لگاتے نہیں ہم جاتے ہیں سو بار / الفت ہے اُدھر ایسی ہے محبت اِدھر ایسی
سب کچھ کہو ناصح نہ کہو یہ کہ نہ جا وہاں / لگتی ہے بھلی تیری نصیحت مگر ایسی
ہاں ایسے ہی تم کہہ کے مرے پاس سے جاتے / ہوتی نہ مری آہ اگر بے اثر ایسی

روئیں بھی اگر ہم تو اُٹھا آنکھ نہ دیکھیں — اک دم میں پھرا لیتے ہیں کچھ وہ نظر ایسی
کہتے ہیں ترے غم میں مجھے دیکھ کے احباب — تکلیف بھی انسان پہ ہوتی ہے پر ایسی
قاصد نہ کہو یہ کہ نہ آئینگے وہ یہاں پر — کہہ بیٹھتے ہیں منہ پہ کسی کے خبر ایسی
سب کہتے ہیں بے ہوش تو ایسا نہیں ہوتا — بے ہوشی مجھے رہتی ہے دو دو پہر ایسی
غیروں سے یہ ملنا ہمیں دینا یہ اذیت — عادت جو تری اب ہے نہ تھی پیشتر ایسی

مختار جو کچھ اب کے سہی ہجر میں تکلیف
تکلیف نہ دیکھی تھی کبھی عمر بھر ایسی

کہئے گر کچھ تو کہیں جس بات سے انکار ہے — کیا بھلا تیری بھی ہر دم کی وہی تکرار ہے
خیر سو جاؤ سحر ہوتے کہیں جانا نہ بھول — یاد رکھنا ہم سے جو کچھ آپ کا اقرار ہے
تیرے اتنے ظلم پر بھی دل بُرا ہوتا نہیں — سچ تو یہ ہے تو بھی اے ظالم بڑا عیار ہے
اپنی ہے قسمت بُری کہئے کسی کو کیا بھلا — ہم کو نے اُن کا گلا نے شکوۂ اغیار ہے
دل کے سب ارماں نکالیں آج تو اُس شوخ سے — مست ہی مدہوش ہی مخمور ہے سرشار ہے
لو منو بھی صبح ہونے آئی اب جانے دو ضد — میری جاں یہ کون وقتِ رنجش و تکرار ہے

پاس جس کے چاہے جا پھر یہ سنانا کس لئے
کیا غرض ہے ہم کو اپنے دل کا تو مختار ہے

تپ غم سے اچھا ہوا چاہتا ہے — دلا دیکھ تو کیا ہوا چاہتا ہے
نہ کچھ پوچھ ہمدم مرے دل کی حالت — کہیں تو بھی مجھ سا ہوا چاہتا ہے
میں مرتا ہوں تو آ کے مجھ کو جلا دے — جو رشکِ مسیحا ہوا چاہتا ہے
یہ اٹھکھیلیوں کی جو چلتے ہو چال آج — کوئی فتنہ برپا ہوا چاہتا ہے

کہو کچھ تو تو تیرے اب دل میں کیا ہی
نہ پوچھ اپنے بیمارِ غم کی تو حالت
مرا دل تو تیرا ہوا چاہتا ہے
کچھ اب اور نقشا ہوا چاہتا ہے

وہاں جانا چھپ چھپ کے اچھا نہیں ہی
تو مختار رسوا ہوا چاہتا ہے

کہہ تو دو کیا ہوئی خطا مجھ سے
آپ کیوں ہو گئے خفا مجھ سے
ہی یقیں تم بھی مہرباں ہو جاؤ
گر سنو میرا ماجرا مجھ سے
تم نے کیا کچھ نہیں کہا مجھکو
اُلٹا کرتے ہو پھر گلا مجھ سے
جھوٹ مت کہہ بھلا وہ یوں کہتے
کہدے سچ سچ تو قاصدا مجھ سے
میرا تو تجھ سے دل نہیں پھرتا
تیرا دل کیسے پھر گیا مجھ سے
سچ تو یہ ہے نہ ہونگے دنیا میں
بے وفا تم سے باوفا مجھ سے
اور تم جو کہوگے مانوں گا
یہاں نہ آؤں یہ ہو چکا مجھ سے

آج مختار پھر خفا ہیں وہ
ہوئی تقصیر جانے کیا مجھ سے

اک دم کو پاس آکے مرے آپ کیا چلے
بیٹھے بٹھائے اور مجھے غم لگا چلے
دل ہی نہ ہو کہے میں تو کیا کیجئے علاج
کہنے میں تیرے کیونکہ کوئی ناصحا چلے
مڑ مڑ کے دیکھنا بھی تمھارا یہ ہی غضب
چلتے ہوئے کچھ اور محبت ولا چلے
سچ کہد و اس سے کیا تمھیں منظور ہی کچھ اور
کیوں چلتے چلتے جھوٹی محبت جتا چلے
کچھ کہئے گر تو کہتے ہیں کیا ہی ادا کے ساتھ
اب تم ہر ایک بات یہ مجھکو دبا چلے
ہوتے ہی پھر ملاپ کے رنجش کی وہی بات
پھر آپ اپنی پہلی سی عادت پہ آ چلے

مطلب کی ایک بات بھی کہنے نہ پائے ہم
کچھ تم تو باتوں باتوں میں ہم کو اُڑا چلے
اللہ یہ ادا بھی تمھاری ہے کچھ غضب
کیوں چلتے وقت غصہ کی صورت بنا چلے
سنتا ہی کب کسی کی وہ عیار ایک ہے
قاصد کی اُس کے سامنے تقریر کیا چلے
یوں جاؤ کون روکے ہے مختار آپ ہیں
پر منہ پھرا کے دیکھئے تو یوں رُلا چلے

ہزار طرح کی تکلیف دلربا نے دی
پہ ہم نے لب پہ شکایت کبھی نہ آنے دی
ہم اپنی جان سے اُس کو عزیز تر سمجھے
وہاں کے جانے کی رغبت جس آشنا نے دی
بھلا نہ کیسے تمھیں مجھ پہ رحم آجاتا
نہ تم نے دل کی حقیقت مجھے سنانے دی
ذرا اثر نہ کیا دل پہ اُس ستمگر کے
ندامت اور مجھے آہ نارسا نے دی
وہ آنکھیں نیچی کئے بزم میں رہے بیٹھے
نہ دیکھنے کی اجازت اُنھیں حیا نے دی
تمھارے ہجر میں شب دل کی بیقراری نے
سحر تک آنکھ نہ اک پل مجھے لگانے دی
جو آئے دیکھنے تو ساتھ غیر کو لائے
اذیت آپ نے مجھکو اسی بہانے دی
دمِ اخیر بھی دیکھا نہ اُن کو جی بھر کر
نہ ایک دم کی بھی فرصت مجھے قضا نے دی
وہ کوئی ہونگے جو منہ مانگی ملتی ہوگی مراد
ہمیں نہ موت بھی مانگی ہوئی خدا نے دی
پڑا ہوں کیسی مصیبت میں ہائے اب مختار
بتوں کی مجھکو محبت یہ کیوں خدا نے دی

ایک تو قہر ہے صورت مرے جانی تیری
ہو غضب تس پہ یہ پھر جان بنانی تیری
تو ہی منصف ہو بھلا کیسے نبھیگی میری
یہی عادت رہی گر اے مرے جانی تیری
دل کو کیونکر مرے تسکین ہو کہہ تو بھی ذرا
کوئی کہتا نہیں کچھ آ کے زبانی تیری

تو نے ایک بات کبھی میری نہ مانی افسوس	کونسی بات ہے جو میں نے نہ مانی تیری
یاد تو کر کہ شبِ وصل دیا تھا مجھے کچھ	وہ مرے پاس ابھی تک ہے نشانی تیری
ذکر تیرا ہی ہر اک لب پہ ہے رہتا اب تو	منہ سے ہر ایک کے سنتا ہوں کہانی تیری
ایک دن بھی نہ ملا وعدوں ہی وعدوں میں رکھا	فنِ عیّاری میں کوئی نہیں ثانی تیری
حالِ دل کچھ بھی کہوں گر تو کہیں بس بس بس	اچھی لگتی نہیں یہ بات بڑھانی تیری

دل لگانے کے تھے مختار ابھی تیرے دن
ہائے یہ رنج و الم اور یہ جوانی تیری

کر بیٹھے ہیں دل اُس بتِ کافر کے حوالے	اب جاں پہ بنی ہے سو اُٹھا تو بچالے
دل آئے کسی پر تو کوئی کیا کرے یارب	ایذا ہو اگر سہلے مصیبت ہو اُٹھالے
دل دیکے اُسے کیا کہوں کیا کچھ سہی آفت	انسان کو اللہ اس آفت میں نہ ڈالے
جاتے ہیں تو کیا اُن سے تو کچھ کہہ نہیں سکتے	کیا منہ ہے جو وہاں منہ سے کوئی بات نکالے
اُٹھتے ہی ترے دل ہوا بیتاب ادھر میں	میں دل کو سنبھالوں کہ کوئی مجھ کو سنبھالے
تم دوستو کیا جانو اُسے جانتے ہیں ہم	اُس کافرِ بدخو سے خدا کام نہ ڈالے
وہ ہائے مجھے دیکھ کے کہنا یہ کسی کا	کیوں آتے ہیں یہاں لوگ کوئی بولے نہ چالے
بولے جو کہا میں نے مرے جاتے ہیں ہم تو	مرتا ہو اگر تو کوئی کیا زہر نہ کھالے
خود روٹھ رہا اب وہ منانا پڑا اُلٹا	روٹھا تھا میں اس واسطے وہ مجھکو منالے
مت پوچھ گذرتی ہے ترے ہجر میں کیونکر	ہوں زیست سے بیزار کہیں جان خدا لے

کیا جی لگے مختار پھر اُس بزم میں اپنا
جو کچھ وہ کہے غیر سے سو مجھ ہی پہ ڈالے

یہ حال ہی کہتے ہیں مجھے دیکھنے والے
امید نہیں ہم کو یوں اللہ بچالے

بولے جو کہا میں نے کوئی ہم کو منالے
یہاں کس کو سناتے ہو کوئی لیکے نہ چالے

عاشق کو دلاسا نہیں کیا دیتے ہیں معشوق
کچھ آپ تو معشوق ہیں دنیا سے نرالے

کچھ ہوئے پرائے تو اُسے لے ہی کے آنا
مت ماننا قاصد تجھے ہر چند وہ ٹالے

دل لیکے مرا بیٹھے ہیں کیا ہو کے الگ آپ
اس طرح کے عیار کہیں دیکھے نہ بھالے

ظالم سہی بدخو سہی عیار سہی تو
جو کچھ سہی ہم تو ہیں ترے چاہنے والے

دل تو مرا خوش ہوگیا آنے ہی سے اُنکے
گو چپ ہی وہ بیٹھے رہے کچھ بولے نہ چالے

کیا غیر کا غم اب کریں کیا اُن کے ستم کا
اپنے ہی پڑے ہیں یہاں اب جیتے کے لالے

یوں شام و سحر غم میں گذرتی ہے تمہارے
بھرنا کبھی آہیں مجھے کرنا کبھی نالے

اُس بزم سے اُٹھتا ہوں تو رہتا ہوں کھڑا وہاں
تا دیکھ لے گو مجھے کچھ کہہ کے اُٹھالے

مخفی آئے تو چاہے ترا جی تب ہی آنا
جانا تو ہی اک بار ادھر منہ کو پھرالے

کرلے تو ستم مجھ پہ مرے جی کو ستالے
جو چاہے سو کر اب تو پڑے ہیں ترے پالے

اب چونکتے بھی تم نہیں کہہ سوتے تھے تم تو
جب چاہے ترا جی مجھے سوتے سے جگالے

کس سے کہوں گذرا ہے جو کچھ ہجر میں مجھ پر
تو سن لے مرا حال مجھے پاس بلالے

کیا شکل ہی کیا سینہ ہی کیا ہاتھ ہی کیا پاؤں
کیا بازو ہیں دونوں کہ ہیں اک سانچے کے ڈھالے

میں تیرے سوا غیر کو چاہوں نہیں ممکن
گر جھوٹ میں بولوں تو قسم اپنی دلالے

ہم مرتے ہیں پوچھا نہ کبھی تو نے کہ کیا ہے
گر مر بھی رہیں ہم تو خبر تیری بلالے

وہ ایک کے ہونے کے نہیں غیر ہو یا ہم
یوں دل میں خیال اپنے کوئی خام پکالے

اُس بت کے ستم ظلم میں ہو کر ترا بندہ
یارب تو مجھے عشق کے پھندے سے چھڑا لے

قاصد ترے صدقے ابھی جانا ابھی آنا
ایسا نہ ہو تو رہ میں کہیں دیر لگا لے

چل چل کے یہ مڑ مڑ کے عبث دیکھتے ہو تم
ایسا کوئی ہوگا جو یہ انداز اُڑا لے

اب چھوڑ دے مختار تو اُس بت کی محبت
جانے دے اگر دل گیا ایماں ہی بچا لے

اے اجل اب وہ بلاتے ہیں مجھے
غش پہ غش کیوں چلے آتے ہیں مجھے

ہو کے آیا تھا جہاں سے میں ذلیل
دوست پھر واں لئے جاتے ہیں مجھے

رحم آتا نہیں تجھ کو ظالم
غیر بھی دیکھنے آتے ہیں مجھے

میری بیتابی سے ہے خوف اُنہیں
بزم میں دُور بٹھاتے ہیں مجھے

عشق میں ایسا ہوا ہوں بدنام
لوگ اشاروں سے بتاتے ہیں مجھے

کچھ تمھارا ہی نہیں ہے شکوہ
اب تو اعدا بھی ستاتے ہیں مجھے

حالِ دل بے کہے کب مانوں گا
آپ غصہ سے ڈراتے ہیں مجھے

ہے یہ اغیار سے اظہارِ وفا
اس لئے اب وہ سناتے ہیں مجھے

فکر کچھ اپنی کر اب مختار
طور بے ڈھب نظر آتے ہیں مجھے

سمجھ میں کچھ نہیں آتا کہ صاحب ہم کو کیا سمجھے
جو کچھ کہئے تو کہتے ہیں ترا ہم مدعا سمجھے

غلط سمجھے اگر ہم اپنے دل کا مدعا سمجھے
تجھے پہلے نہ ہم سمجھے تھے پر اب بیوفا سمجھے

نہ غیروں کے تو آگے حالِ دل کہوائیے مجھ سے
مرے دل کی حقیقت کو بھلا ہر ایک کیا سمجھے

کہا ہوگا اُنہوں نے اور کچھ تو اور کہتا ہے
تری اُلجھی ہوئی تقریر سے ہم قاصدا سمجھے

کوئی دل لیکے ایسے ظلم کرتا ہے خدائی میں
ملو دشمن سے تم ہم رات دن یوں ہجر میں تڑپیں
تمھیں دل دیدیا تھا ہم نے نا سمجھی میں گر پوچھو
خفا اُلٹے ہوئے اُلٹا منانا پھر پڑا ہم کو

تو کیا اور ہیں کو سوں مگر تم کو خدا سمجھے
سمجھے ہو تو کوئی اپنا سا دل ہر ایک کا سمجھے
سمجھے ہم کو ہوئی تب آپ کو ہم خوب سا سمجھے
لگا دٹ دیکھنا جب کچھ بھی وہ ہم کو خفا سمجھے

اُسی میں حالِ دل تو ہر بہانے سے سنا دیتا
مگر یہ خوف ہے مختار کیا جانے وہ کیا سمجھے

غضب ہے آج تو انداز کچھ بڑا لا ہے
جو اُن کی بات میں بولا میں تو ادا سے کہا
تو ہمکلام ہو مجھ سے انھیں ہی کب منظور
تمھارے جور و جفا سے اب اسقدر ہیں تنگ
ادھر یہ جی کو لگی ہے کہ کچھ نہ پوچھو حال
یہ پاسِ رشک تو دیکھو دعا ہی دم قتل

کہیں نظر نہ مری تیرے بانکپن کو لگے
سمجھے آپ بھی اب کچھ مرے سخن کو لگے
بری یہ بات نہ کیوں اہلِ انجمن کو لگے
کہ دوست جانتے ہم اپنے طعنہ زن کو لگے
اُدھر غضب ہوا گر ہاتھ بھی بدن کو لگے
لہو کا داغ نہ قاتل کے پیرہن کو لگے

اُڑائیں دست جنوں نے یہ دھجیاں مختار
کہ ایک تار بھی باقی ہو تو کفن کو لگے

میری کب بات سنا کرتا ہے
اس جفا کا بھی ٹھکانا ہے کہیں
ایسے عیار کی چاہت کرنا
کیوں ستاتا ہے مرا دل ظالم
یہی عادت ہے جفا کی تو ہم

غیر ہی کا وہ کہا کرتا ہے
کہتے ہو کون جفا کرتا ہے
کوئی ایسا بھی دِلا کرتا ہے
سوچ تو جی میں یہ کیا کرتا ہے
دیکھیں گے غیر وفا کرتا ہے

ناکسی پر نہ میں خوگر ہو جاؤں
روز اک ظلم نیا کرتا ہے

نام سرنامہ پہ لکھتا ہے مرا
غیر کو خط جو لکھا کرتا ہے

رشکِ دشمن کا گلہ ہو تم سے
ظلم کا کون گلا کرتا ہے

حالِ دل سن کے وہ بولے مختار
عشق میں یوں ہی ہوا کرتا ہے

کہدے سچ ہو جو قاصدا ٹھہری
اُن کے آنے کی بات کیا ٹھہری

فائدہ ظاہرا محبت سے
تیرے نزدیک یہ وفا ٹھہری

اُس ستمگر پہ کچھ اثر نہ کیا
آہ بھی اب تو نارسا ٹھہری

پوچھتا ہوں یہ بدگمانی سے
اُن کے آنے کی قاصدا ٹھہری

کس سے رنجش یہ ہر گھڑی کی اُٹھے
تیری عادت ہی بیوفا ٹھہری

دیکھئے دل کی آج کیا ٹھہری
اُن کے آنے کی کل پہ جا ٹھہری

مر گئے ہم تو اس تغافل میں
تیرے آگے نہ کچھ جفا ٹھہری

دوست لائے مگر اُسے کس دم
جان ہی جب لبوں پہ آ ٹھہری

اس قدر کیوں ٹھہر رہا قاصد
نہیں معلوم جانے کیا ٹھہری

پر نہ ملنا ہوا نصیب کبھی
اُس سے ملنے کی گو سدا ٹھہری

کس کو امید صبح ہے مختار
شب غم جان کو قضا ٹھہری

بیٹھنے ہرگز نہ دوں میں تجھ کو در کے سامنے
بس اگر پہنچے رکھوں ہر دم نظر کے سامنے

کیا عجب ہے اُن سے بھی جا کر اگر کہدے کوئی
حال دل کہتا ہوں میں ہر اک بشر کے سامنے

دل میں کہتا ہوں کہ اب کے سب کہونگا حالِ دل
کچھہ کہا جاتا نہیں اُس فتنہ گر کے سامنے

ساتھ اپنے پاس تک اُن کے نہ مجھکو لیگیا
نتیں کرتا رہا میں نامہ بر کے سامنے

غم میں اُس کے رات دن رہتا ہی جاری سیلِ اشک
ہے خجل طوفاں بھی میری چشمِ تر کے سامنے

آپ کیوں ہو گئے خفا مجھہ سے
کیجے ثابت مری خطا کوئی

ہم سا کوئی نہ باوفا ہوگا
تم سا ہوگا نہ بے وفا کوئی

رحم بھی کچھہ تو کیجے صاحب
یوں ہی کب تک سہے جفا کوئی

مر گئے ہم اسی تمنا میں
نہ کہا دل کا مدعا کوئی

لے کے دل بات بھی نہیں کرتا
ایسا کرتا ہے بے وفا کوئی

اپنا بھی یہاں یہ ہا ہے وہی دل سے مشورہ
وہاں اُن سے اور رقیب سے جو گفتگو رہی

تا مرگ تیرے ملنے کی اک جستجو رہی
حسرت رہی کوئی نہ کوئی آرزو رہی

دشمن سے مل کے اور ہی کچھہ ہو گئی چلن
عادت نہ وہ رہی نہ وہ اگلی سی خو رہی

افسوس مرتے دم بھی نہ دیکھا جمالِ دوست
گر آرزو رہی تو یہی آرزو رہی

یہ کچھہ مزہ پیام میں پایا کہ بار بار
قاصد سے پوچھتا ہوں میں کیا گفتگو رہی

فرقت میں صبر و تاب و تواں و خرد گئے
اے جاں برلب آمدہ کس دن کو تو رہی

مختار اپنے مشقِ تصور کے فیض سے
تصویرِ یار آٹھ پہر رو برو رہی

کچھہ خطا اُن کی نہیں اس میں ہے تقصیر اپنی
کھوئی جا جا کے وہاں آپ ہی توقیر اپنی

کچھہ تو ہو پھر دلِ بے تاب کی تسکین کے لئے
آپ آتے نہیں تو بھیجدو تصویر اپنی

حالِ دل کہیے تو کس ناز سے فرماتے ہیں وہ
کوئی سنتا نہیں یہاں رہنے دو تقریر اپنی

ایک عیّار ہے کیا جانے وہ کیا کچھ سمجھے / کر نہیں سکتے حقیقت اُسے تحریر اپنی

میں گرفتار اسی دامِ مصیبت کا ہوں / کیا دکھاتے ہو مجھے زلف گرہ گیر اپنی

اُس کا ملنا نہیں شاید مری تقدیر ہی میں
کوئی مختار بن آتی نہیں تدبیر اپنی

وہ خود پوچھیں مجھے اے نامہ بر یوں ہو تو بہتر ہے / مرے احوال کی اُن کو خبر یوں ہو تو بہتر ہے

ملو مجھ سے ہی دشمن سے نہ بولو اس کا کیا کہنا / اگرچہ یوں بھی بہتر ہے مگر یوں ہو تو بہتر ہے

رہیں پھر وہ یہیں پر سوتے سوتے دن نکل آئے / شبِ وصل آج ہی یا رب سحر یوں ہو تو بہتر ہے

وہ آپ ہی پاس میرے بے بلائے آج آ جائیں / اگر اے جذبِ دل تیرا اثر یوں ہو تو بہتر ہے

کب اپنی بات پر قائم رہو گے جیسے اب دم ہے / وفاداری کی عادت عمر بھر یوں ہو تو بہتر ہے

مری ایذا دہی کا ذہے بہرِ امتحانِ غیر / گر اُس عیار کی تہ نظر یوں ہو تو بہتر ہے

کہیں جو وہ سو ہم مانیں کہیں جو ہم سو وہ مانیں
اگر مختار الفت ہمدگر یوں ہو تو بہتر ہے

بھلا واعظ ہے اُس کافر کے آگے چیز ایماں بھی / قیامت ہے خدا لگتی نہیں کہتے مسلماں بھی

ہمارا ایک بھی کہنا نہیں کرتے کبھی صاحب / ہزاروں بار کہتے ہو نہیں کہہ دو کبھی ہاں بھی

گرا کدم اضطراب دل سے مجھکو خواب آ جائے / ترا ملنا ہے گو مشکل یہ یوں ہو جائے آساں بھی

ناتواں کیا شبِ وعدہ ترے گھر تک پہنچے / شام سے پہنچے بھی چل کر تو سحر تک پہنچے

زندہ صد موئے ترے جو نہ سحر تک پہنچے / کب ہے ممکن کہ دعا اُس کے اثر تک پہنچے

جیتے جی ہم تو کب اُس شوخ کے گھر تک پہنچے / مر بھی جائیں تو نہ وہاں اپنی خبر تک پہنچے

خط میں کچھ حال تو لکھ کر اُنھیں بھیجا یا ہے / کہیں ایسا نہ ہو دشمن کی نظر تک پہنچے

پاؤں اب اُس نے نکالے ہیں خدا خیر کرے
رفتہ رفتہ نہ کہیں غیر کے گھر تک پہنچے

جاں لبوں پر مری یوں پہنچی تمہارے غم میں
اور مرے حال کی تم کو نہ خبر تک پہنچے

عوضِ بوسہ ہی گر جان تو بدل مجھکو قبول
لب سوفار لبِ زخمِ جگر تک پہنچے

ہائے اعدا کی ہو ہر ایک تمنا مقبول
اور مرے نالہ کی نوبت نہ اثر تک پہنچے

ہوگا کیا حشر بپا کیسے وہ گھبرائیں گے
یا الٰہی نہ دعا میری اثر تک پہنچے

حیف ہم شکلِ نشانِ کفِ پا بیٹھ گئے
خاک ہوکر بھی نہ اُس راہ گذر تک پہنچے

صرفہ کب ہوگا بھلا لختِ جگر تک ہمدم
طفل اشک اپنے اگر دیدۂ تر تک پہنچے

چارہ سازوں کا سبھی بخیۂ درماں کھلتا
ہائے ناخن نہ مرے زخمِ جگر تک پہنچے

تیرے سودائی ہوئے راہِ عدم میں پامال
کچھ نہ پہنچے ترے گیسو جو کمر تک پہنچے

شبِ غم مرگ بھی بالیں پہ سحر تک پہنچے
کاش نوبت مرے نالہ کی اثر تک پہنچے ۵

۵ ربع مسکوں میں رہے تار نہ باقی کوئی ؛ ہاتھ اپنا جو گریبان سحر تک پہنچے

اپنی ہی زشتی و خوبی پہ نظر ہو مختار
اور پرائے کوئی کیوں عیب و ہنر تک پہنچے

ہوں غیر ترے محو تماشا مرے آگے
بر آئے رقیبوں کی تمنا مرے آگے

میں رشک سے مرتا ہوں گماں گذرے ہیں کیا کیا
کیجے نہ بس اب شکوۂ اعدا مرے آگے

ہے جان لبوں پر ابھی آ جائیں وہ یا رب
بر آئے مرے دل کی تمنا مرے آگے

کیا کچھ نہ ہوا خلق میں رسوا ترے پیچھے
آئیگا ابھی دیکھئے کیا کیا مرے آگے

دن رات ہوں با دیدۂ پُرنم دلِ پُرخوں
ہے شام و سحر ساغر و مینا مرے آگے

مختار یہ دل چاہتا ہے جاں کروں قرباں
اُس پر سے کہ جو نام لے اُس کا مرے آگے

غضب ہے کوچۂ [illegible] سے [illegible] / [illegible] سے نکلے

نگاہ [illegible] چھوڑ کر خلد بریں سے نکلے / نہ جب [illegible] انداز و ادائے ناز میں نکلے

قدم کی راہ پھر کیونکر [illegible] سر و ساماں / [illegible] بھی جب [illegible] زلف عنبریں نکلے

ترے غم میں جو سوز دل سے آہ آتشیں نکلے / نہ جب زیر فلک نکلے تو کیا زیر زمیں نکلے

جب تک نہ کوئی وصل کی صورت نظر آئے / پھر کہئے تو تسکین مجھے کس بات پر آئے

ہے پھر بھی یہ شک ان سے سلامت اگر آئے / پُرزے مرے نامہ کے لئے نامہ بر آئے

اس حسن تلافی کے نہ ہوں کس طرح قرباں / رو رو کے تھے سرِ شام منانے سحر آئے

کیا تجربہ وعدہ خلافی نہ ہوا تھا / ناداں تھے تری بزم میں جو فتنہ گر آئے

سینہ سے رہا سینہ شب وصل مقابل / کروٹ بھی جو بدلی تو ادھر سے ادھر آئے

کیوں جاگوں عبث شام کے وعدہ پہ میں شب بھر / آئے وہ شب وصل تو وقت سحر آئے

آئے نہ ہوئی دیر کہ گھر جانے کی سوجھی / آئے تو مرے قتل پہ باندھے کمر آئے

ہم بھی تو وہ دل رکھتے ہیں جس میں ہے تمنا / کیونکر کہیں دشمن کی تمنا نہ بر آئے

کیوں نالے کریں ہم جو ستائے نہ کوئی دل / کیوں دیدۂ خونبار میں لخت جگر آئے

جانا کہ عیادت ہے غشی تک انہیں منظور / اب ہوش میں آنیکے نہیں غش اگر آئے

کیا پوچھتے ہو حال غم و رنج و مصیبت / رو دیتے ہیں غربت پہ مری اپنے پرائے

اس جینے سے تو موت ہے بہتر مرے حق میں / گر کوئی پس مرگ مری قبر پر آئے

کہتا ہے مقدر سے مرے بعد خوشی کو / گر غیر ہنسا بھی تو مرے اشک بھر آئے

اے دوستو ایسا ہے کہاں اپنا مقدر / ارمان ہو پورا کوئی اُمید بر آئے

مختار غم عشق میں پائی ہے یہ لذت / منظور نہیں صبر بھی دل کو اگر آئے

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

ولہ

اب سے کے دل وہ ستمگر محبّ وفا ہوئے
کس کے یہاں ہیں اہلِ غرض آشنا ہوئے

کرتے ہیں یاد سب سے ستم بوستم جنھیں
دردِ فراق کی وہی آخر دوا ہوئے

دی داد اب فلک نے دلِ نامراد کی
[illegible]

ہے بدگمانی شبِ وصل عدو کو ہائے
کیا جانے کیا رقیب سے وعدے وفا ہوئے

سونے دیا نہ قبر میں رفتارِ یار نے
کیا کیا نہ سر پہ فتنۂ محشر بپا ہوئے

گنجائشِ محبت اغیار یک طرف
اس کا بھی رشک ہے کہ عدو سے خفا ہوئے

مختار تھا بتوں سے گمانِ وفا غلط
دنیا میں پر کسی کے نہ یہ بے وفا ہوئے

یہاں کشمکشِ شوق وہاں عذرِ نزاکت
شوخی سے شبِ وصل نہ آغوش میں آئے

جورِ عدو سیاستِ درباں اٹھائیے
طاقت نہیں کہ صدمۂ ہجراں اٹھائیے

باقی نہ جائے زخم ہے جسمِ فگار میں
بس کیجیے تیغ رکھئے نمکداں اٹھائیے

درباں کی التجا کہ خوشامد رقیب کی
کس کس کا بارِ منت و احساں اٹھائیے

پیس پاس سے اب اٹھ کے قیامت نہ کیجیے
بیٹھے بٹھائے سر نہ مری جاں اٹھائیے

بالیں سے سر اٹھانے کی تاب و تواں نہیں
طاقت کہاں کہ صدمۂ ہجراں اٹھائیے

دل ہی مرا دشمن ہے باقی ہے ہوا
کس سے [illegible] امید وفا [illegible]

ہاں یہ اک شیوہ خوباں نہیں
عیب سے بھی [illegible] کیجئے

کیا احتیاج تجھ سے اے چارہ ساز ہے
یہ زخم دل ہی خود [illegible] ہے

ہوں تنگ گور میں طپش دل کے ہاتھ سے
اب بعد مرگ بھی وہی سوز و گداز ہے

نے صبر نے تحمل نے تاب نے شکیب
باقی ہے اک نفس بھی تو وہ جاں گداز ہے

محفل میں دل کی بات کہیں منہ پہ آتی ہے
طفل سرشک سے غم افشائے راز ہے

پہنچا ہے اب فلک پہ اس افتادہ کا غبار
کیا دہر میں بھی واہ نشیب و فراز ہے

کھلتا نہیں کوئی سبب رنجش عدو
شاید کہ ان کو شکوہ افشائے راز ہے

زاہد یہ وصف حور جناں سب ہی ولے
کب یہ ادا و غمزہ و انداز و ناز ہے

چلتی ہے الٹی سانس وہ الٹے چلے نہ جائیں
مردہ کے دیکھنے سے انہیں احتراز ہے

یارب یہ جلد عقدۂ مشکل ہو وا کہیں
بند قبا میں ایک گرہ نیم باز ہے

وہ دل کہ جو نہ لا سکے چین جبیں کی تاب
زیر شکنجہ خم زلف دراز ہے

مختار دور چرخ میں خمہائے مے کی طرح
آخر نہ کیوں ہر اک سر گردن فراز ہے

ہے وقت تبسم لب جاں بخش میں اس کے
ڈکونسا غم ہے کہ جو دنیا میں نہیں ہے

اس تنگ دہانی یہ ہے اس جنبش لب میں
وہ بات جو اعجاز مسیحا میں نہیں ہے

دل میں ہے دینے کو الزام گراں جانی مجھے
ذبح پھر کیجئے گا پہلے تیز خنجر کیجئے

آج تو صاحب عنایت مہربانی سے مجھے
بوسہ شیریں لب قند مکرر کیجئے

ہو کدورت جس سے کہئے صاف مثل آئینہ
کیجئے جس کی برائی اس کے منہ پر کیجئے

دل ہی میرا دشمن جانی تھا
کس سے اب امید وفا کیجئے

ہاں یہ اک شیوۂ خوباں نہیں
غیر سے بھی ترک اپنا کیجئے

کیا احتیاج تجھ سے چارہ ساز ہے
یہ زخم دل ہی خود دہن بخیہ ساز ہے

ہوں تنگ گور میں طپش دل کے ہاتھ سے
اب تک مزار میں بھی وہی سوز و گداز ہے

نے صبر نے تحمل نے تاب نے شکیب
باقی ہے اک نفس بھی تو وہ جاں گداز ہے

محفل میں دل کی بات کہیں منہ پہ آئی ہے
طفل سرشک غم افشائے راز ہے

پہنچا ہے اب فلک پہ اس افتادہ کا غبار
کیا دہر میں بھی واہ نشیب و فراز ہے

کھلتا نہیں کوئی سبب رنجش عدو
شاید کہ ان کو شکوۂ افشائے راز ہے

زاہد یہ وصف حور جناں سب ہی ہے ولے
کب یہ ادا و غمزۂ انداز و ناز ہے

چلتی ہے الٹی سانس وہ الٹے چلے نہ جائیں
مردہ کے دیکھنے سے انہیں احتراز ہے

یارب یہ جلد عقدۂ مشکل ہو وا کہیں
بند قبا میں ایک گرہ نیم باز ہے

وہ دل کہ جو نہ لا سکے چین جبیں کی تاب
زیر شکنجۂ خم زلف دراز ہے

مختار دور چرخ میں خمہائے مے کیطرح
آخر نہ کیوں ہر اک سر گردن فراز ہے

ہے وقت تبسم لب جاں بخش میں اس کے
وہ کونسا غم ہے کہ جو دنیا میں نہیں ہے

اس تنگ دہانی یہ ہے اس جنبش لب میں
وہ بات جو اعجاز مسیحا میں نہیں ہے

دل میں ہے دینے کو الزام گراں جانی مجھے
ذبح پھر کیجئے گا پہلے تیز خنجر کیجئے

آج تو صاحب عنایت مہربانی سے مجھے
بوسۂ شیریں لب قند مکرر کیجئے

ہو کدورت جس سے کہئے صاف مثل آئینہ
کیجئے جس کی برائی اس کے منہ پر کیجئے

قطعۂ تاریخ دیوان شاخ نبات از نتیجۂ فکر سید اظہر حسین صاحب مظہر

لطفِ نبات کیوں نہ ہو شاخِ نبات میں — ظاہر ہے اس کے نام سے شیرینیِ سخن

ہے اس کے ہر خیال میں اعجازِ نغمگی — سننے سے جس کے دور ہو ہر رنج ہر محن

اس کی ہر ایک بیت ہے گلزارِ خوشنما — ہے اس کے لفظ لفظ میں رنگینیِ چمن

ترکیبِ شعر میں وہ سجاوٹ کہ سب کہیں — شرمندہ اس کے سامنے ہو زینتِ دلہن

تحسین کی طلبگار ہیں نازک خیالیاں — لطفِ بیاں کیسا تھا وہ بندش کا بانکپن

حتی کہ کل کلام ہی محفل کی جان ہے — بیجا نہیں اگر کہوں ہے روحِ انجمن

پڑھکر کلام صابر خوشگو یہ ہے دعا — دے مرتبہ بزرگ انہیں ربِ ذوالمنن

تاریخ طبع کی جو ہوئی فکر منتظر — ہاتف نے شاد ہو کے کہا مجھ سے یہ سخن

جس کو کبھی خزاں نہیں یہ وہ بہار ہے
واللہ کیا چھپا یہ گلدستۂ سخن
۱۳۴۵ھ

قطعہ تاریخ از تصنیف وقار الشعراء تاج الملک حضرت تاجؔ صدیقی امروہوی

واہ شاخ نبات کی کیا بات — جو ہے شیریں کلام سے معمور

یہ ہے ایسی شراب کا شیشہ — جس سے ہوتے ہیں لاکھوں سرور

یہ نیا آفتاب نکلا ہے — جس کا یکساں ہے رات دن میں نور

اس کا ہر اک کمال ظاہر ہے — اب نہ دیکھے تو ہے یہ اپنا قصور

لکھ دو لے تاج سن اشاعت کا — نام صابر ہوا بہت مشہور
۱۳۴۵ھ

با شہرت کتنا ہے صابر کا کلام
ہر الف دیوان کا ہے شکل تیر

واقعی پڑھ کر ستم گیسو سے ہیں
پیچ میں ہوتا ہے جن کے دل اسیر

نقطے اس رخسار زیبا کے ہیں خال
جو کہ ہو صاحب بصیرت با ضمیر

اور مرکز مثل زرد دیدہ نظر
چل رہے ہیں یا اٹھے ترچھے تیکھے تیر

اس کی ہر تشدید میں ہے کشش
اپنی جانب کھینچ لیتی ہے ضمیر

فکر کی اے تاج کوئی بات بھی
لکھ دے تاریخ اس کی نظم دلپذیر

قطعہ تاریخ دیوان نواب محمد صابر علی خاں صاحب صابر از تصنیف منشی محمد شبیر خاں صاحب شبیر متوطن امروہہ ضلع مراد آباد

صد شکر اہتمام سے آفاق کے چھپا
دیوان وہ جو بلیغ و فصیح و نفیس ہے

شاعر نے اپنا توڑ دیا ہے یہاں قلم
جو غیرت زبان دبیر و انیس ہے

پہنچی مری نظر تو مرا دل پکار اٹھا
بیشک یہ کوئی شاعر اعلیٰ نویس ہے

اللہ رے مصرع مصرع اور اللہ رے بیت بیت
یہ اس سے ہے جو بیس تو وہ اس سے بیس ہے

خالی نہ لطف سے نہ فصاحت سے کوئی شعر
پھر اس پہ یہ مزہ کہ زبان سلیس ہے

پھر کیوں نہ اس سے شان بڑھے رامپور کی
جس میں کہ ایسا شاعر مضمون نویس ہے

مشہور ہے جو حضرت صابر کے نام سے
اور خود امیر زادہ و نسلی رئیس ہے

جو شاعری کا تاج ہے دربار ٹونک میں
جو والیان ملک کا اک ہم جلیس ہے

جس کو [illegible] | [illegible]

شبیر تو [illegible] | [illegible]

[illegible]

آئی ندا [illegible]

قطعۂ تاریخ از قلم بلاغت رقم سید محمد عزیز احمد صاحب المتخلص عرفانی اکبر آبادی

شکر للہ تجلی کے زرے سرمایہ دار | جن میں سے تھے پنہاں رموز و سرِّ اسرارِ حیات

کیوں نہیں ناشر و کاتب ہوں رنگیں نقوش | شاہکارِ نظم تیرے طبع موزوں کے نکات

صفحۂ ہستی پہ ہوں گے ثبت مثلِ کہکشاں | بسکہ روشن تر ستاروں سے ہے تنویرِ حیات

اک تماشہ ہے نگاہِ اہلِ باطن کے لئے | تو نے جس جس رخ سے دیکھا ہے نظامِ کائنات

یہ تو اور قلبِ اہلِ دل میں پائندہ رہیں | ورنہ دنیا میں کسی شے کو نہیں حاصل ثبات

باہمی رنجا کی جوہر شناسی دیکھئے | شاخِ آہو پر ہے اے باہنر تیری برات

طبع دیوان تمام ہے اس کی سعادت کی دلیل | جس کے جسم و جاں میں ہے صابر تشکیلِ صفات

من ز روئے اعتقادی ننگ عرفانی زنم | شرح مانع تا بروں آرم ز حدِ ممکنات

کی عزیز خستہ جاں نے فکر جب تاریخ کی | دی ندا ہاتف نے فوراً از نگاہِ التفات

بسکہ اسم با مسمیٰ جامع تاریخ ہے | تا قیامت یوں ہی شکر بار ہو شاخِ نبات

۱۳۵۲ھ

قطعۂ تاریخ از فصیح العصر صبا امروہوی

وہ دیوان صابر چھپا شکر ہے | جسے کہئے مجموعۂ واردات

صبا نے جو کی فکر تاریخ کی | ندا آئی ہے شکل شاخ نبات
۱۹۳۶

قطعہ تاریخ از تصنیف ملکہ آفاق زمانی بیگم دختر مصنف دیوان ہذا

کیا چھپا دیوانِ صابر واہ وا | ہے ہر ایک لفظ اس کا سحرِ سامری
سر قلم کا کاٹ کر اور پا سے راز | دی ندا ہاتف نے فخرِ شاعری
۱۳۵۴

والدِ مرحوم کا دیوان چھپا | شکر ہے ارمانِ دل پورا ہوا
ہے اشاعت اس کی میری زندگی | اس کی شہرت رکھتی ہے میری بقا
زر کی کیا وقعت ضرورت ہو اگر | نام پر اُن کے کروں میں جاں فدا
چھپ گیا دیوان بارے شکر ہے | تھا یہی بس میرے دل کا مدعا
میں نے سال طبع کی جب فکر کی | ہاتفِ غیبی نے دی مجھ کو ندا
لکھ دے اے آفاق اب از پائے خط | فی الحقیقت ہے یہ نظم دلکشا
۱۳۵۴
عیسوی کا سنہ اگر مطلوب ہے | سر کو لیکر کاٹ دے اب خط کے پا

دیگر

ہے دیوان صابر کا تصویر حسن | نہ بھولے جسے آدمی تا حیات
ہوئی فکر تاریخ آفاق جب | تو بولا یہ ہاتف کہ اے خوش صفات
طفیلِ شکر گنج آفاق میں | عجب نظم شیریں ہے شاخ نبات
۱۳۵۴

دیگر

غم کے دن رخصت ہوئے آئی مسرت بے شمار | شام عشرت لائی ہے صبح وطن کی یادگار
نظم صابر آئی ہے حلّہ اشاعت کا پہن | دیکھ لو اے طالبانِ دید جلوہ کی بہار
۱۳۵۴
تا قیامت یونہی تابندہ و درخشندہ ہے | یہ گہر خوش آب یارب اور یہ سلک تابدار
قرب رحمت میں جگہ یارب مصنف کو ملے | سب دعا مانگیں یہ دل سے ناظرین باوقار
زر کی طالب ہے نہ حبِ جاہ سے ہے کچھ غرض | ہے تمنا بس یہی آفاق کی لیل و نہار
۱۹۳۶